تاریخی واقعات اور حکمت و دانش کا خزانہ
حکمرانوں کے نام نصیحت
مثنوی
ہشت بہشت
مع مقدمہ
الانہار
حضرت امیر خسرو دھلوی رحمۃ اللہ علیہ
سیف اللہ المسلول علامہ سید سلیمان اشرف بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ
چیئرمین شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
نوریہ رضویہ پبلی کیشنز بلال گنج لاہور

تاریخی واقعات اور حکمت و دانش کا خزانہ

حکمرانوں کے نام نصیحت

مثنوی

ہشت بہشت

مع مقدمہ

الانہار

تصنیف، خسرو اقلیم سخن حضرت **امیر خسرو** دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

تصحیح و تنقید و تحشیہ، سیف اللہ المسلول علامہ سید سلیمان **اشرف بہاری** رحمۃ اللہ تعالیٰ

(خلیفہ امام **احمد رضا بریلوی** رحمۃ اللہ تعالیٰ) چیئرمین شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی **علی گڑھ**

حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

تقدیم

رئیس المتکلمین مولانا علامہ سید سلیمان اشرف بہاری چیئرمین شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی

کتاب شیخ روڈ بلال گنج لاہور

کتاب — مثنوی ہشت بہشت

مصنف — امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ الانحصار — تصحیح و تنقید علامہ سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ

تعداد — ایک ہزار

ناشر — محمد مصطفےٰ اشرف

محمد مختار اشرف

مطبع — اے ، این ، اے

قیمت — ۳۰۰/- روپے

بااہتمام — محفوظ احمد قادری

ہشت بہشت

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

انتساب

یہ سلسلہ نہایت فخر و مباہات کے ساتھ حسب
اجازت اعلیٰحضرت بندگانِ عالی متعالی ہز اگزالٹڈ
ہائنس آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ
نوّاب میر سر عثمان علی خاں بہادر
فتح جنگ جی سی ایس آئی، جی سی بی خلد اللہ ملکہ
وسلطانہ وادام اقبالہ کے نامِ نامی و اسمِ سامی
کے ساتھ منسوب و معنون کیا جاتا ہے

رئیس المتکلمین مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہاری قدس سرہ

دنیائے علم و فضل کے تاجدار، میدانِ تحقیق و تدقیق کے شہسوار مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہاری ابن مولانا حکیم سید محمد عبد اللہ قدس سرہما تقریباً ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں محلہ میرداد بہار (ضلع پٹنہ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد مدرسہ حنفیہ جونپور میں اُستاذ العلماء مولانا علامہ محمد ہدایت اللہ رامپوری ثم جونپوری سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی۔[۱] ان کے علاوہ اُستاذ الاساتذہ مولانا یار محمد بندیالوی قدس سرہٗ سے بھی استفادہ کیا۔[۲] طریقت کے اعتبار سے آپ چشتی نظامی فخری سُلیمانی تھے (آپ کے مرشد کا نام معلوم نہیں ہو سکا) موجودہ صدی کے مجددِ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کو اجازت و خلافت حاصل تھی۔

۲۰ - ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۲ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے چیرمین مقرر ہوئے۔ آپ کے تقرر کی تفصیل جناب حافظ غلام غوث (نبیرہ مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری) نے ایک مضمون میں بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں دینیات کے لیکچرار کی ضرورت تھی، مولانا کو اطلاع دی گئی اور انٹرویو میں "معجزہ" پر مقالہ لکھنے کی فرمائش کی گئی اور ساتھ ہی کہا گیا کہ کتابوں کی ضرورت ہو تو جیب گنج تشریف لے جائیں۔ مولانا نے فرمایا: بحمد اللہ مجھے کتابوں کی ضرورت نہیں ہے، صرف کاغذ اور قلم دوات مہیا کر دیا جائے۔ چنانچہ نمازِ عشاء کے بعد سے صبح کی نماز تک ایک ہی مجلس میں بائیس فل اسکیپ صفحات پر مدلّل مضمون قلمبند کر دیا جسے بہت پسند کیا گیا۔ پھر نماز جمعہ کے بعد "توحید" پر خطاب کرنے کے لئے کہا گیا تو آپ نے تین گھنٹے

---

[۱] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۰۰

[۲] حیات استاذ العلماء بندیالوی: ص ۲۹

تک اس موضوع پر تقریر فرمائی جسے سن کر پرستاران وحدت جھوم گئے۔ اس تقریر میں دینیات کمیٹی کے تمام اراکین نواب وقار الملک مشتاق حسین اور مولانا حبیب الرحمٰن شروانی موجود تھے۔ اسی دن پچاس روپیہ مشاہرہ پر آپ کا تقرر کر دیا گیا[۱] آپ نے تا حیات بڑے جاہ و جلال کے ساتھ فرائضِ منصبی کو ادا کیا۔

قدرتِ ایزدی نے آپ کو حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ خطابت میں، بلا کا زور تھا، جس وقت آپ گفتگو فرماتے، تو دریا کی روانی کا نقشہ سامنے آجاتا تھا پروفیسر رشید احمد صدیقی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں :

" جونپور میں سیرتِ رسول کا جلسہ تھا، مرحوم (مولانا محمد سلیمان اشرف) کی تقریر ہو رہی تھی، جلسہ کیا، ایک جمِ غفیر تھا۔ مرحوم اپنے مخصوص والہانہ جوش و وارفتگی کے ساتھ تقریر کر رہے تھے۔ حاضرین کی خاموشی کا عالم یہ تھا کہ سارا مجمع ایک ہی متنفس تھا، اتنے میں دور سے ایک بوڑھا پستہ قد منحنی شخص جھکا ہوا، انبوہ کو چیرتا ہوا بڑھتا نظر آیا، جس شخص کے پاس سے گزرتا ہے، وہ خوف وعقیدت سے سمٹ کر تعظیم دیتا ہے، دیکھتے دیکھتے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا، مرحوم کو سینہ سے لگا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور واپس چلا گیا۔ یہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب، جبروت جونپوری کے استاد اور جونپور میں اس وقت علم و ہنر کے چشم و چراغ تھے۔"[۲]

جرأت اور بیباکی مولانا کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنی رائے کا اظہار بے دھڑک کر دیتے تھے۔ کسی کے علم و فضل یا وجاہت و اقتدار سے مرعوب ہونا تو آپ نے سیکھا ہی نہ تھا۔ خودداری کا یہ عالم تھا کہ یونیورسٹی کے کسی ایسے اجلاس میں شریک نہ

---

[۱] غلام غوث، حافظ مولانا محمد سلیمان اشرف اور مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کے تعلقات،
(سہ ماہی العلم، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء، ص ۸۲)

[۲] رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنجہائے گراں مایہ (آئینۂ ادب، لاہور) ص ...

ہوتے، جس میں کسی بڑے آدمی کو مدعو کیا گیا ہوتا اور نہ ہی کسی کے گھر جاتے جب تک اس سے دوستانہ مراسم نہ ہوتے۔[1]

پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں،

"مرحوم میں اپنے استاد ہی کا جبروت وطنطنہ تھا، ان کی شفقت میں بھی جبروت کار فرما تھا۔ میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہ پایا۔"[2]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مردانہ وار حصہ لینے کی بنا پر مسلمانوں کو خوفناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ کونسا وہ ظلم ہوگا جو انگریزوں نے اہل اسلام کے لئے روا نہ رکھا مسلمانوں کی خستہ حالی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوؤں نے پہلے تو مسلمانوں کی املاک اور جاہ ومنصب پر ہاتھ صاف کیا، پھر اس طرف سے یک گونہ مطمئن ہو کر ان کے مذہب پر جارحانہ حملے کا آغاز کیا۔ ابتداءً گائے کی قربانی بند کرنے کی تحریک شروع کی اور نکتہ یہ اٹھایا کہ اسلام میں گائے کی قربانی فرض نہیں ہے ۔ لہٰذا اگر اس خیال سے کہ گائے کی قربانی سے ہندوؤں کی دل آزاری ہوتی ہے، اسے ترک کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ اس قسم کے سوالات علماء کی خدمت میں پیش کئے گئے ۔ بعض حضرات نے ہندوؤں کے فریب میں آ کر فتویٰ دے دیا کہ گائے کی قربانی ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ حضرت مولانا محمد سلیمان اشرف اور آپ کے شیخ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور دیگر علمائے اہل سنت ہی کا کام تھا کہ انہوں نے اس فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ:

"شریعت نے جو اختیار عطا فرمایا ہے، اس سے فائدہ اٹھانے کا

---

[1] رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ (آئینۂ ادب، لاہور) ص ۳۲

[2] ایضاً، ص ۳۲

ہمیں حق حاصل ہے، خوفِ فتنہ ہو تو حکومت کی قوت کو متوجہ کرنا چاہیے بہ پاسِ خاطرِ ہنود یا خوفِ ہنود اپنے دینی حق سے باز رہنا ہرگز روا نہیں"[1]

امام احمد رضا بریلوی نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ انفس الفکر فی قربان البقر سپردِ قلم فرمایا اور مولانا محمد سلیمان اشرف نے اپنی گراں قدر تالیف النور میں سیر حاصل بحث فرمائی۔

پھر ہندوؤں کے عیار اور مکار لیڈر گاندھی نے کانگریس نواز علماء کو کچھ ایسا چکر دیا کہ یہ حضرات اس کے دامِ تزویر میں آگئے اور نہ صرف یہ کہ تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات ایسی تحریکوں میں گاندھی کے فیصلے کو حرفِ آخر سمجھنے لگے، بلکہ اس کی اقتدا میں دین و مذہب سے بھی بے اعتنائی برتنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان عوام اپنے دینی شعائر کو ترک کرکے ہنود کی خرافات کو اپنانے لگے، اس دور کا نقشہ مولانا سید سلیمان اشرف نے کس درد و کرب سے کھینچا ہے، ذیل کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے:

"گائے کی قربانی مسلمانوں سے چھڑائی جاتی ہے۔ موحدین کی پیشانی پر قشقہ جو شعارِ شرک ہے، کھینچا جاتا ہے۔ مساجد ہنود کی تفرج گاہیں، مندر مسلمانوں کا ایک مقدس معبد ہے، ہولی شعارِ اسلام ہے جس میں رنگ پاشی اور وہ بھی خاص اہلِ ہنود کے ہاتھوں جبکہ وہ نشۂ شراب میں بدمست ہوں، عجب دلکش عبادت ہے۔ بتوں پر ریوڑیاں چڑھانا، ہار پھولوں سے انہیں آراستہ کرنا، پھولوں کا تاج اصنام کے سروں پر رکھنا خالص توحید ہے ــــ یہ سارے مسائل ان صورتوں میں اس لئے ڈھل گئے کہ ہندوؤں کی دلنوازی اور استرضا سے زیادہ اہم نہ توحید ہے نہ رسالت نہ معاد۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ!"[2]

---

[1] محمد سلیمان اشرف، مولانا، النور (مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء) ص ۲
[2] ایضاً، ص ۸

اس وقت اُمتِ مُسلمہ کو ایسے راہنما کی ضرورت تھی جو ہندو کی شاطرانہ چالوں کے تار و پود بکھیر کر راہِ راست واضح کرتا اور مسلمانوں کو ہندو ازم میں مدغم ہونے سے بچاتا۔ اس نازک دَور میں علمائے اہل سُنّت نے طعن و تشنیع سے بے نیاز ہو کر حق گوئی کا فریضہ کماحقہٗ ادا کیا اور علی الاعلان کہا:

"بُت پرست اور بُت شکن کا اتحاد نہیں ہو سکتا۔"

یہی وہ دو قومی نظریہ کا نعرہ تھا جو پہلے پہل علمائے اہل سُنّت کی طرف سے بُلند ہوا اور اسی نظریے کی بنا پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کی بلند پایہ تصنیف المحجۃ المؤتمنہ اور مولانا سید محمد سلیمان اشرف کی تصنیف لطیف النّور کا مطالعہ کیجیے، یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آجائے گی۔

مولانا سید محمد سلیمان اشرف، مشرکین ہنود سے کس قدر متنفر تھے، اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ جناب ڈاکٹر عابد احمد علی بیان کرتے ہیں:

ایک مرتبہ علی گڑھ یونیورسٹی کی مسجد میں بعض لوگوں نے گاندھی کو تقریر کے لیے بُلایا، تو سید صاحب (مولانا محمد سلیمان اشرف) نے بعد میں خود اپنے ہاتھ سے ساری مسجد کو دھو کر صاف کیا۔ [1]

مشرکین سے یہ نفرت و بیزاری محض دینی جذبے اور خوفِ خُدا کے تحت تھی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر فرمایا:

"دیکھو علماء کس طرح لیڈروں کا کھلونا بنے ہوئے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور فقہی مسائل کو کیسا گھروندا بنا رکھا ہے — ؟ میں جھگڑا مول لینا نہیں چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ کالج اس قسم کے مناقشوں کا مرکز بنے، لیکن کیا کروں خدا کو تو بعد میں مُنہ دکھانے

[1] عابد احمد علی، ڈاکٹر: مقالاتِ یومِ رضا (حصہ سوم) مطبوعہ اپریل ۱۹۷۱ء، ص ۱۰

کا موقع ملے گا، اس دُنیا کے پڑھے لکھے لوگ کیا کہیں گے ۔" [1]

مولانا کے نزدیک دین کی حفاظت سب سے اہم تھی، سلطنت کے حصول کی خاطر ہنود سے اتحاد منا کر دین کے پس پشت ڈالنے کو بدترین گمراہی قرار دیتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے،

"لعنت ہے اُس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے ۔" [2]

ماہِ رجب بمطابق مارچ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) میں جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس بریلی میں ہونا طے پایا۔ پروپیگنڈے کے طور پر دو اشتہار سامنے آئے، جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اراکین جمعیت اس آن بان سے بریلی آئیں گے کہ ان کی گھن گرج سے مخالفین دہل جائیں گے اور کسی کو مجال دم زدن نہ ہوگی۔ ایک اشتہار کا عنوان تھا "زندگی مُستعار کی چند ساعتیں" اس میں اجلاس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا گیا تھا،

"مخالفین ترکِ موالات اور موالاتِ نصارٰی کے عملی حامیوں پر اتمامِ حجت کیا جائے گا ۔"

دُوسرا اشتہار بہ عنوان "آفتابِ صداقت کا طلوع" شائع ہوا۔ اس میں مخالفین پر بڑے رکیک حملے کیے گئے تھے، ذرا اس اشتہار کے غیر منصفانہ تیور ملاحظہ ہوں، اس میں لکھا تھا،

"منکرین و منافقین پر اتمام حجت، مسائلِ حاضرہ کا انقطاعی فیصلہ، خدائی فرمان پہنچانے کے لئے بریلی میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس ہونے والا ہے، سچائی ظاہر ہوگئی اور جھوٹ بھاگ نکلا، خداوند جبار و قہار کا یہ فرمان پورا ہو کر رہے گا ۔" [3]

---

[1] رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ، ص ۳۰

[2] محمد نعیم الدین مُراد آبادی، مولانا سید: حیات صدر الافاضل، ص ۱۰۱

[3] اراکین جماعتِ رضائے مصطفےٰ بریلی: دوامغ الحمیر (مطبوعہ بریلی) ص ۴

۱۰ رجب، ۲۰ مارچ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) کو صدر شعبۂ علمیہ جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی نے ستر سوالات پر مشتمل اعلانِ مناظرہ بنام اتمام حجت شائع کر کے جمعیۃ العلماء کے ناظم کو بھیج دیا، لیکن بار بار تقاضوں کے باوجود عمائدین جمعیۃ مناظرہ کے لئے تیار نہ ہوئے اور بلند بانگ دعاوی کو صاف نظر انداز کر گئے۔

۱۳ رجب ۱۳۳۹ھ کو مولانا سید محمد سلیمان اشرف بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے انفرادی طور پر بھی مناظرہ کی دعوت دی، اس کا جواب مولانا ابو الکلام آزاد نے دیا، لیکن مختلف فیہ مسائل پر گفتگو کرنے کی بجائے غیر متعلقہ مسائل کا تذکرہ چھیڑ دیا اور کسی طرح نزاعی مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ آخر ۱۴ رجب کو شام کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی صدر جماعت رضائے مصطفےٰ، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا محمد حسنین رضا خاں ناظم جماعت رضائے مصطفےٰ اور مولانا برہان الحق وغیرہم حضرات شان و شوکت کے ساتھ جمعیۃ العلماء کے پنڈال میں تشریف لے گئے۔ صدر جلسہ مولوی ابو الکلام آزاد نے جماعت رضائے مصطفےٰ کے مناظرین کو خطاب کا وقت نہ دیا۔ غالباً وہ اس طرح ستر سوالات کے جواب سے پہلو تہی کرنا چاہتے تھے، البتہ مولانا سید سلیمان اشرف کو ۳۵ منٹ کا وقت دیا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے نام اجلاس بریلی میں شرکت کا دعوت نامہ جا چکا تھا۔ [1]

مولانا سید محمد سلیمان اشرف نے خطاب فرمایا اور علماء اہل سنت کا موقف بڑی خوبی سے واضح کیا۔ اس تقریر کو پڑھ کر مولانا کی حق گوئی، صلابتِ رائے اور چھا جانے والی شخصیت کا گہرا احساس دل پر نقش ہو جاتا ہے۔ یہ تقریر رودادِ مناظرہ میں جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔ اس تقریر کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں، مولانا نے مابہ الاتفاق اور مابہ الاختلاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی: رودادِ مناظرہ ص ۲، ۴

"مسئلۂ خلافت و تحفظ و صیانت اماکنِ مقدسہ اور ترکِ موالات" یہ وہ مسائل ہیں جن میں نہ صرف فقیر بلکہ تمام علمائے کرام، نہیں، بلکہ تمام عامۂ مسلمین ہمیشہ متفق اللسان ہیں، ترکوں کی خلافت بمعنی قوتِ دفاعی ایک امرِ مسلّم ہے خدمت حرمین شریفین ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے۔ نیز محافظت حرمین شریفین بھی ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے۔ سلطنتِ ترکی ہماری دینی بھائی، اس پر اسلامی سلطنت، اس پر اسلام کی قوتِ دفاعی، پھر حرمین شریفین کی خادم و محافظ، پس ان کی اعانت اور نصرت نہ صرف مسلمانانِ ہند بلکہ تمام مسلمانانِ عالم پر بقدرِ استطاعت فرض ہے۔ یہ وہ مسائلِ شرعیہ ہیں جنہیں میں صرف اس وقت بیان کر رہا ہوں، بلکہ آج سے دس برس پیشتر فقیر نے کہا لکھا، چھاپا، ملک میں شائع کیا۔

میرا و نیز دیگر علمائے اہل سنّت و جماعت کا آپ سے اختلاف اس مسئلہ میں ہرگز نہیں، ہاں اختلاف اس میں ہے کہ آپ ہندوؤں سے موالات برتتے ہیں اور مسلمانوں کو حرام و کفریات کا مرتکب بناتے ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام ہے اور قطعی حرام! یاایها الذین امنوا لا تتخذوا الیهود والنصارٰی (الآیۃ) نصرانی اور یہودی خواہ فریقِ محارب ہو یا غیر محارب مطلقاً موالات اُن سے حرام اور مطلقاً حرام، ہر کافر سے موالات حرام، خواہ محارب ہو یا غیر محارب، لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیآء۔

آپ حضرات انگریزوں سے تو موالات حرام بتاتے ہیں اور کافروں (ہندوؤں) سے موالات نہ صرف جائز، بلکہ عین حکمِ الٰہی کی تعمیل بتاتے ہیں۔ آپ نے قشقہ لگایا، گاندھی کی جے ایک دو بار نہیں، بلکہ بیسیوں جگہ بیسیوں

بار پکاری کہ مہاتما گاندھی کی جے۔ جس طرح صلیب علامتِ تثلیث ہے کیا قشقہ علامتِ شرک نہیں؟ کیا آپ کی غیرت تقاضا کرتی ہے کہ شرک کی علامت قشقہ اپنی پیشانیوں پر لگائیے؟

آپ ہمارے سامنے سمرنا وغیرہ کے مظالم بیان کر کے ہمارے جذبات اُبھارتے ہیں، مگر کیا ہندوؤں نے آرہ، شاہ آباد، کٹارپور وغیرہ میں قربانی بند کرنے کے لئے ایسے ہی مظالم نہیں کئے؟ قرآن مجید نہیں پھاڑے؟ عورتوں کی بے حرمتی نہیں کی؟ مسلمانوں کی جانیں نہیں لیں؟ مسجدوں میں بے ادبیاں نہیں کیں؟ آج آپ سبز گنبد کی بے ادبی ہوتے سے غیرت دلاتے ہیں، مگر کیا آپ کے لئے یہ غیرت کی بات نہیں تھی، جبکہ یہ کہہ کر دربارِ نبوت و رسالت کی اہانت کی گئی کہ:

"اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی، تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔"

آپ نے اس پر کیوں انکار نہ کیا؟ کیوں خاموش رہے؟

غرض مقاماتِ مقدسہ و خلافتِ اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں اختلاف نہیں، ہندوستان کے مفاد کی کوشش کیجئے، اس سے ہمیں خلاف نہیں۔ خلاف ان حرکات سے ہے، جو آپ لوگ منافی و مخالفِ دین کر رہے ہیں، ان حرکات کو دُور کر دیجئے، ان سے باز آیئے، ان کی روک تھام کیجئے، عوام کو ان سے باز رکھئے، تو خلافتِ اسلامیہ و ممالکِ مقدسہ کی حفاظت، ہندوستان کے ملکی مفاد کی کوششیں، ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کرنے کو تیار ہیں۔"[1]

اس کے بعد ابوالکلام آزاد نے چند باتیں بطورِ صفائی کہیں، جن کا خلاصہ آئندہ سطور میں مندرج ہے:

---

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفٰے، بریلی: رُودادِ مناظرہ، ص ۵، ۸

یہاں کس نے قشقے کی اجازت دی؟ کس نے مہاتما گاندھی کی جے' پکارنے کو کہا؟ بلکہ میں خود تو مہاتما کے یہ معنی تک نہیں جانتا کہ وہ کوئی تعظیم کا لفظ ہے۔ یہاں کے کس ذمہ دار نے کہا کہ "اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی' تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے؟ یہ کفر کا کلمہ کون مسلمان کہہ سکتا ہے؟ اور جے' قشقہ وغیرہ حرکاتِ مخالفِ دین پر ہم سخت نفرین کرتے ہیں۔ نفسِ موالات تمام کفار سے خواہ وہ حربی یا غیر حربی' یقیناً حرام اور ممنوع ہے اور ہم کب اسے جائز بتاتے ہیں۔۔۔۔ کوئی غیر مسلم کسی مسلم کا ہرگز پیشوا و رہنما نہیں ہوسکتا' مسلمانوں کی پیشوائی و راہنمائی ایک ذات حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے اور ان کی نیابت سے علماء کے لئے ہے۔ میں صاف کہتا ہوں کہ ہمارے ہندو بھائی بائیس کروڑ ہیں اور اگر وہ بائیس کروڑ گاندھی ہوں اور مسلمان اُن کو اپنا پیشوا بنائیں اور اُن کے بھروسہ پر رہیں تو وہ بُت پرست ہیں اور گاندھی اُن کا بُت ہے"۔[1]

مولانا آزاد نے اپنی تقریر میں مسئلہ قربانی کے بارے میں کچھ نہ کہا' اس تقریر کے جواب میں مولانا سید سلیمان اشرف نے کہا:

"ابوالکلام صاحب کہتے ہیں کہ آیات میں تحریف کرکے ہنود سے موالات کس ذمہ دار شخص نے جائز بتائی؟ کیا حکیم اجمل خاں صاحب ذمہ دار شخص نہیں؟ پھر اُن کا مطبوعہ خطبہ دیکھئے جس کی ہزاروں کاپیاں شائع ہوئیں آپ کہتے ہیں کہ قشقہ وغیرہ حرکات کی ہم نے کب اجازت دی؟ مگر آپ نے عوام کے سامنے ہنود سے اتحاد کو کیوں اس طرح مفصل و مشرح کرکے نہیں پیش کیا کہ ان امور میں اتحاد کرو اور ان امور میں الگ ہو۔ آپ نے

---

[1] اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ' بریلی' رُوداد مناظرہ' ص ۸' ۹

ان کے سامنے مجمل صورت میں اتحاد پیش کیا، جس سے وہ ان حرکات میں مبتلا ہوتے، پھر آپ ان حرکات کی ذمہ داری سے کیسے الگ ہو سکتے ہیں۔ خود آپ کے شہر بریلی میں گاندھی کو سپاسنامہ پیش کیا گیا، جس میں گاندھی کی نسبت کہا گیا۔

ع خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست

کیا آپ حضرات نے اس پر کچھ انکار کیا، کیا آپ کا یہ سکوت آپ پر الزام نہیں لاتا؟

ابوالکلام آزاد۔ اِن الزامات پر خاموش رہے، پھر مولانا محمد سلیمان اشرف نے مولانا عبدالماجد بدایونی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"کہو یار تمہاری بھی کہہ دیں، تم نے گاندھی کو کہا کہ خدا نے ان کو مذکر بنا کر بھیجا ہے۔" یہ کفر ہے۔"[۱]

اِس پر مولانا بدایونی خاموش رہے، تقریر ختم ہونے پر مولانا حامد رضا بریلوی نے فرمایا:

"ہمیں خلاف آپ حضرات کی ان خلافِ شرع وخلافِ اسلام حرکات سے ہے، جن میں سے کچھ مولوی سید محمد سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں، اور جن کے متعلق جماعت رضائے مصطفیٰ کے ستر سوال بنام "اتمام حجت تامہ" آپ کو پہنچے ہوئے ہیں، ان کے جواب دیجئے، جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنا رجوع نہ شائع کر دیں گے اور اُن سے عہدہ برآنہ ہولیں گے، ہم آپ سے علیحدہ ہیں اور اس کے بعد خدمت وحفاظت حرمین شریفین و مقاماتِ مقدسہ و ممالکِ اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ مل کر جائز

---

[۱] اراکین رضائے مصطفیٰ، بریلی، رُوداد مناظرہ ص ۹-۱۰

کوشش کرنے کو تیار ہیں۔" [۱]

یہ ہے خلاصہ گفتگو، جس میں علمائے اہل سنّت کو نمایاں کامیابی ہوئی۔ صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مُراد آبادی نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی کے نام ایک مکتوب میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

"روانگی کے وقت بریلی کے اسٹیشن پر ایک تاجر صاحب نے مجھ سے کہا کہ ابوالکلام جس وقت بریلی سے جارہے تھے، میں اُن کے ساتھ تھا، وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ "اُن کے جس قدر اعتراض ہیں، حقیقت میں سب درست ہیں، ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں، جن کا جواب نہ ہوسکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے۔"

میں اپنی مسرت کا اظہار نہیں کرسکتا، جو مجھے اس فتح سے حاصل ہوئی۔ میدان مولوی سلیمان اشرف صاحب کے ہاتھ رہا۔ حضرت کے غلاموں کی ہمت قابل تعریف ہے۔" [۲]

مولانا سید محمد سلیمان اشرف نے متعدد کتابیں تحریر فرمائیں جن میں بیان و برہان کا زور پوری طرح جلوہ گر ہے۔ آپ نے جب النور اور الرشاد ایسی کتابیں لکھ کر ہندو نواز کانگریسی لیڈروں کا شرعی نقطۂ نگاہ سے محاسبہ کیا تو منی لفظوں کا طوفان کھڑا ہوگیا۔ تحریر و تقریر کے ذریعے آپ کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا، لیکن آپ کوہِ وقار بنے رہے اور طعن و تشنیع کی پروا کیے بغیر اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ اس وقت عوام تو عوام بعض خواص بھی اس مغالطے میں واقع ہوگئے کہ عام طور پر کانگریس اور جمعیۃ العلماء ہند کے لیڈر جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہی سوفیصد درست ہے

جُوں جُوں وقت گزرتا گیا، یہ احساس یقین کی حد کو پہنچنے لگا کہ اس افراتفری کے دَور میں علماء اہل سُنت نے جو کچھ کہا تھا، وہی حقیقت تھا۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

"سیلاب گزر گیا، جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا، لیکن مرحوم (مولانا سید محمد سلیمان اشرف) نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی، اُس کا ایک ایک حرف صحیح تھا، آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے، سارے علما سیلاب کی زَد میں آ چکے تھے، صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے۔" [1]

فارسی شعر و ادب کی تاریخ پر الانہار لکھی۔ عربی، فارسی اور اُردو کے محقق اور ادیب مولانا حبیب الرحمٰن شروانی نے اسے شبلی کی شعر العجم سے بہتر قرار دیا۔ حج کے موضوع پر الحج تالیف کی، جسے مولانا شروانی نے حج کے موضوع پر سب سے بہتر قرار دیا۔ عربی زبان کی برتری اور فوقیت پر نہایت وقیع کتاب المبین لکھی، جسے اہلِ علم نے بے حد سراہا۔ مشہور مستشرق مسٹر براؤن نے اسے دیکھ کر کہا،

"مولانا نے اس عظیم موضوع پر اُردو میں یہ کتاب لکھ کر ستم کیا، عربی یا انگریزی میں ہوتی، تو کتاب کا وزن اور وقار بڑھ جاتا۔" [2]

مولانا نے المبین کا ایک نسخہ ڈاکٹر اقبال کو بھی بھجوایا تھا۔ اتفاقاً کچھ دن بعد علامہ اقبال، علی گڑھ گئے تو دورانِ ملاقات اس کتاب کی بڑی تعریف کی اور کہا،

"مولانا آپ نے عربی زبان کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی روشنی

---

[1] رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ، ص ۲۱
[2] محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۰۰

ڈالی ہے، جنکی طرف پہلے کبھی میرا ذہن منتقل نہیں ہوا تھا۔" لہ

مولانا کا اہل سنت پر یہ احسان بھی کچھ کم نہیں ہے کہ آپ نے مجاہد جلیل مولانا علامہ محمد فضل حق خیرآبادی کی لاجواب تصنیف امتناع النظیر پہلی دفعہ شائع کر کے اسے علمی دنیا میں متعارف کرایا ہے۔ ٢ہ

مثنوی ہشت بہشت اور اس کا مقدمہ

حضرت محبوب آلہی خواجہ نظام الدین دہلوی کے محبوب مرید حضرت امیر خسرو تصوف و اخلاق، حکمت و دانش، علم و فضل اور شعر و سخن کی دنیا کے امام تھے، ہندوستان کے باشندے ہونے کے باوجود ان کے فارسی کلام کی عظمت و ثقاہت کا یہ عالم ہے کہ ایرانی شعراء نے نہ صرف ان کی سخنوری کے سکے کو تسلیم کیا بلکہ ان کی پیروی بھی کی۔

حضرت امیر خسرو نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی اور کمال کی بلندیوں کو چھوا، رودکی، فردوسی اور مولانا نظامی کے بعد مثنوی کے میدان میں ان کا رہوار قلم چلا اور بعد والوں کے لیے ناقابل قبول چیلنج چھوڑ گیا۔

مثنوی ہشت بہشت ان کی آخری مثنوی ہے جس میں انہوں نے ایران کے بادشاہ بہرام گور کی عیش پرستی اور شوق شکار کا قصہ قلم بند کیا ہے۔ اسی ضمن میں انہوں نے بڑے حکیمانہ انداز میں بادشاہ وقت علاؤالدین خلجی کو نصیحت بھی کی ہے اور بیٹی کو بھی نصیحت فرمائی ہے۔ یہ وہ نصیحتیں ہیں جو ہر حکمران اور ہر بیٹی کے لیے کارآمد ہیں اور حرز جان بنانے کے قابل ہیں۔

اس نادر روزگار مثنوی کی تصحیح، تنقید اور تعارف کا کام جناب عماد الملک سید بلگرامی رحمہ اللہ تعالیٰ نابغۂ عصر علامہ سید سلیمان اشرف بہاری، خلیفۂ امام احمد رضا بریلوی و صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے ذمہ لگایا۔ نواب حاجی محمد اسحاق خاں آنریری سیکرٹری مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور شیخ محقق شاہ عبدالحق

لہ رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنجہائے گرانمایہ ص ۱۴۱

٢ہ محمد یعقوب ضیاء القادری، مولانا: اکمل التاریخ حصہ اول ص ۹۰

محدث دہلوی قدس سرہٗ کے خانوادہ کے صاحب علم بزرگ مولانا محمد احتشام الدین ایم۔اے نے علمی سطح پر ان کے ساتھ تعاون فرمایا۔ علامہ بہاری نے یہ کام بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مولانا محمد مقتدیٰ شروانی نے مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج سے ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۵ء میں مثنوی ہشت بہشت اور علامہ بہاری کے مقدمہ کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجر جمیل عطا فرمائے۔

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری نے اس مثنوی کی تصحیح کیلئے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دس نسخے جمع کئے اور پوری دماغ سوزی کے ساتھ تصحیح کا کام انجام دیا۔

اس کام میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ بہاری فرماتے ہیں:

> کتاب کی تصحیح کیا تھی؟ چیونٹیوں بھرا کباب تھا۔ اگرچہ دس نسخے موجود تھے لیکن ان کانٹوں میں سے پھول چُننا (چننا) میرے لیے نہایت دشوار تھا۔ (التماس ص ۴)

تصحیح اور تقابل کے علاوہ ۳۲۴ صفحے کا طویل مقدمہ لکھا جس کا نام الانہار رکھا گیا۔ اس مقدمہ میں انہوں نے اقسام شاعری، فارسی شاعری پر عربی شاعری کا اثر، فارسی شاعری کی تاریخ اور تدریجی ترقی، حضرت امیر خسرو کی شاعری خسرو کا تصوف، خسرو کی غزل سرائی، مثنوی کے اقسام، مولانا نظامی اور فردوسی کا تقابل سلاطین کے ہاں خسرو کی مثنویوں کی قدر و منزلت، متاخرین اور کمال خسروی کا اعتراف نظامی و خسرو کا تقابل وغیرہ عنوانات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

اس کے بعد مثنوی ہشت بہشت کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ مولانا نظامی کی مثنوی ہفت پیکر اور ہشت بہشت کا تقابل اس طرح پیش کیا کہ کسی بزرگ کی تنقیص کا پہلو نہیں نکلتا۔ بلکہ " ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" کا منظر پیش کیا ہے۔

عربی، اردو اور فارسی کے محقق اور ادیب مولانا حبیب الرحمٰن شروانی نے اس

کتاب "الانتصار" کو شبلی کی شعر العجم سے بہتر قرار دیا۔ امید ہے کہ اہلِ علم مطالعہ کے بعد اس رائے کی تائید کریں گے۔

یہ کتاب ۱۹۱۵ء میں چھپی، اسی بیاسی سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود کسی ناشر نے اس علمی جواہر پارے کی اشاعت کی طرف توجہ نہ کی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جناب الحاج محمد محفوظ احمد نوری سکھروی، مالک نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی بلال گنج لاہور اور ان کے دونوں صاحبزادوں محمد مصطفےٰ اشرف اور محمد مختار اشرف سلمہا ربہما کو، انہوں نے اس نادر اور گرانمایہ کتاب کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ بلاشبہ اہلِ علم کے لیے یہ عظیم علمی تحفہ ہے۔

مولانا سید محمد سلیمان اشرف قدس سرہٗ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں فرائضِ تدریس انجام دیتے رہے۔ آپ سے ہزارہا افراد نے استفادہ کیا۔ چند مشاہیر تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ مبلغِ اسلام مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری، بانی المرکز الاسلامی، کراچی
۲۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی، مؤلف گنج ہائے گراں مایہ، علی گڑھ۔
۳۔ ڈاکٹر عابد احمد علی، مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور۔

(م ۲۵ اپریل ۱۹۷۴ء)

۴۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، لاہور۔

۵ ربیع الاول، ۲۵ اپریل ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) میں مولانا علامہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری قدس سرہٗ کا وصال ہوا اور علی گڑھ کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔ [۲]

---

[۱] عبد القدوس ہاشمی، تقویم تاریخی ص ۳۴۰

[۲] نوٹ: تذکرہ علمائے اہلِ سنت میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ میں آپ کا وصال ہوا جو صحیح نہیں ہے۔

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات پر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے پروفیسر رشید احمد صدیقی نے درد و سوز میں ڈوبے ہوئے تاثرات تحریر کئے جو ان کی کتاب "گنجہائے گرانمایہ" میں چھپ چکے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانا مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

مولانا سلیمان اشرف صاحب اس جہان سے اُٹھ گئے اور اپنے ساتھ وہ تمام باتیں لے گئے جو میرے لئے اب کسی اور میں نہیں۔ میرا اُن کا خون کا کوئی رشتہ نہ تھا، صرف علی گڑھ کا رشتہ تھا لیکن کس سے کہوں اور کون سمجھے گا کہ اس رشتہ میں کیا نہ تھا اور کیا نہ تھا۔ وہ میرے لئے عزیزوں سے زیادہ عزیز تھے بزرگوں سے زیادہ بزرگ اور دوستوں سے زیادہ دوست۔ پریشان ہوتا تو اُن کے ہاں جاتا، جی گھبراتا تو وہاں جاتا، خوش ہوتا تو وہاں ضرور جاتا ..... اور جب کہیں نہ جانا ہوتا تو وہاں جاتا، گھنٹوں بیٹھتا۔

زندگی میں ہر طرح کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ لیکن اکثر محسوس یہی ہوا کہ مخاطب میں کہیں نہ کہیں کوئی خامی ہے۔ کوئی بڑا مخلص ملا تو اتنا ہی نفقہ اور روکھا پھیکا۔ کوئی ہنسنے ہنسانے والا ہوا تو یہ محسوس ہوا کہ اس میں تھوڑا بہت گنوار پن بھی ہے۔ کوئی بڑا عالم فاضل ہوا تو اس میں نخوت، اتنگ نظری اور کم ظرفی بھی کسی نہ کسی تک ضرور پائی گئی۔ اللہ والے ملے تو انہیں دنیا کے کام کا نہ پایا۔ کسی منکرِ خدا کو ایسا نہ پایا جو کچھ اور نہیں رسول کی شرافت وعظمت کا تو قائل ہوتا۔ لیکن مرحوم کی شخصیت اتنی جامع اور متنوع تھی کہ وہ ہر موضوع اور ہر موقع سے اس خوبی سے عہدہ برآ ہوتے کہ ان کی صحبت میں

جی لگتا اور کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ فلاں جگہ کمی ہے جسے پورا کرنے کے لئے کسی اور کو ڈھونڈنا چاہیئے۔

آج کم وبیش دس گیارہ سال ہوئے یونیورسٹی پر تحقیقاتی کمیٹی بیٹھ چکی تھی، بعض دوسرے لوگوں کی طرح مولانا خاص طور پر زد میں تھے۔ ہر طرف سراسیمگی چھائی ہوئی تھی نفسی نفسی کا عالم تھا۔ بڑے بڑے سورماؤں کے پاؤں لڑکھڑانے لگے تھے۔ اُس وقت کا حال کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جن پر وہ عالم گزر چکا ہے اُس زمانہ میں میں نے مولانا کو دیکھا کیا مجال کہ روزمرّہ کے معمولات میں فرق آ جاتا، جن کے بارے میں جو رائے رکھتے تھے اُس کا علی الاعلان اظہار کرتے۔ شام کے وقت برآمدہ میں لوگ بیٹھے ہوتے، چائے نوشی کی صحبت گرم ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا جیسے مصیبت کا کہیں نام ونشان نہیں کسی کی مجال تک نہ ہوتی کہ آنے والی آفت کا تذکرہ کرتا ایک دن شب میں میں بھی حاضر ہوا، میں مرحوم کی خدمت میں اکثر ایسی باتیں بھی کہہ جاتا جو دوسرے کہنے میں ہمیشہ تامل کرتے تھے، میں نے کہا مولانا کیا ہونے والا ہے؟ خدانخواستہ نوع دیگر ہوا۔ تو کیا ہوگا؟ کہنے لگے رشید! تم بھی ایسا کہتے ہو مجھے خیال تھا تم اس قسم کا ذکر نہ چھیڑوگے ہوگا کیا؟' وہی ہوگا جو ازل سے تقدیر میں ہو چکا ہے۔ مومن کی شان یہی ہے کہ اس پر ہراس طاری نہ ہو۔ تم ڈروگے تو اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو تم کو اپنا سردار سمجھتے ہیں۔ جو ہونے والا ہے وہ ہو چکا ہے۔ پھر ڈرنے جھجکنے سے کیا فائدہ؟

مولانا پر اس وقت ایک عجیب جلال سا طاری تھا اور مجھے شہنشاہیت روما کا وہ عہد یاد آگیا جب گالس نے روم پر قبضہ کیا اور وحشیوں نے فتح کے نشہ میں آکر سینٹ کا رُخ کیا جہاں کا ہر رُکن اپنی اپنی جگہ متانت اور وقار کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جن میں سے ہر ایک کو وحشیوں نے نشست ہی پر ذبح کر دیا لیکن

کسی سینیٹر نے نہ اپنی جگہ چھوڑدی اور نہ آہ وزاری کی۔

۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے۔ نان کوآپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے، "گائے کی قربانی" اور "موالات" پر بڑے بڑے جدید اور مستند لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ اُس زمانہ کے اخبارات، تقاریر، تصانیف اور رجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کیا سے کیا ہو گیا۔ اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کہا جا رہا ہے۔ وہی سب کچھ ہے۔ یہی باتیں ٹھیک ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور بات ٹھیک ہو نہیں سکتی کالج میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ مرحوم مطعون ہو رہے تھے۔ لیکن چہرہ پُر اثر تھا اور نہ معمولات میں کوئی فرق۔

بالآخر مولانا نے ان مباحث پر قلم اُٹھایا اور دن رات قلم برداشتہ لکھتے رہتے۔ اکثر بٹھا کر سُناتے اور رائے طلب کرتے۔ میں کہتا مولانا میری مذہبی معلومات اتنی نہیں ہیں کہ میں محاکمہ کر سکوں۔ آپ جو کہتے ہیں ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔ کہتے یہ بات نہیں ہے۔ تم پر اس ہڑ گم کا اثر ہے اور سمجھتے ہو کہ یہ تمام علماء جو کچھ کہتے ہیں وہ ٹھیک ہے اور میں کالج کا مولوی یونہی ہانکتا ہوں یہ بات نہیں ہے ہم تم زندہ ہیں تو دیکھ لیں گے کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر!

سیلاب گزر گیا۔ جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا لیکن مرحوم نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا۔ آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ سارے علماء سیلاب کی زد میں آچکے تھے۔ صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے۔ اس کا اعتراف کسی نے نہ کیا اور نہ کبھی مولانا نے کہا کہ میں نے یا آپ نے مولانا کی اس خدمت اور قابلیت کا اعتراف کیوں نہیں کیا۔ ایک دفعہ میں نے دریافت کیا تو مرحوم نے

ہنس کر فرمایا۔ لیکن میں ان کلمات کو دوہرانا نہیں چاہتا۔ اس سے بدمزگی اور پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

تیس سال سے زیادہ کا زمانہ گزرا، جونپور میں سیرتِ رسول کا جلسہ تھا، مرحوم کی تقریر ہو رہی تھی۔ جلسہ کیا ایک جم غفیر تھا۔ مرحوم اپنے مخصوص والہانہ جوش و وارفتگی کے ساتھ تقریر کر رہے تھے۔ حاضرین کی خاموشی کا یہ عالم تھا کہ سارا مجمع ایک ہی متنفس تھا۔ اتنے میں دور سے ایک بوڑھا پستہ قد منحنی شخص جھکا ہوا، انبوہ کو چیرتا ہوا بڑھتا نظر آیا۔ جس شخص کے پاس سے گزرتا ہے وہ خوف و عقیدت سے سمٹ کر تعظیم دیتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ مرحوم کو سینہ سے لگا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور واپس چلا گیا۔ یہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب جبروت جونپوری مرحوم کے اُستاد اور جونپور میں اس وقت علم و ہنر کے چشم و چراغ تھے۔ مرحوم میں اپنے اُستاد ہی کا جبروت و طنطنہ تھا۔ ان کی شفقت میں بھی جبروت کارفرما تھا۔ میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہ پایا۔

جمعہ کی ایک نماز یاد ہے، جاڑے کے دن تھے۔ یخ بھری ہوائیں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا رگ و ریشہ میں سوئیاں بن بن کر اُتر جاتی ہیں۔ ناظم صاحب دینیات غالباً موجود نہ تھے۔ مرحوم امامت کے لئے آگے بڑھے۔ تکبیر بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ مولانا نے کہا اللہ اکبر ایسا معلوم ہوا جیسے اس صدا نے فضا کی ہر صدا کی ہر لرزش چھین لی۔ اس کے بعد جو قرائت شروع کی ہے تو یہ معلوم ہوتا جیسے خالد کی تلوار میدانِ جہاد میں کوندتی، لرزتی، گرجتی، لچکتی، کاٹتی، سمٹتی، تیرتی، اُبھرتی آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ کوئی لمبی سورت تھی جب تک ختم نہیں ہوئی یہ معلوم ہوتا تھا جیسے جسم و جان میں بجلیاں بھر گئی ہیں اور شوقِ خود سپاری میں ہمیں نہیں در و دیوار بھی جھوم رہے ہیں اُس دن کی نماز اب بھی یاد ہے۔

مرحوم مذہبی معتقدات میں بڑا غلو رکھتے تھے اور اظہار کا موقع آتا تو کھلم کھلا ان کا اعلان بھی کر دیا کرتے تھے بایں ہمہ مختلف الخیال لوگوں سے بھی بقول ان کے کھاتا کھلا ہوا تھا۔ خانقاہ سلیمانیہ کے مقربین میں محمد اکرام اللہ خاں ندوی، مولانا ابوبکر صاحب، محمد مقتدیٰ خاں شروانی، نواب صدر یار جنگ بہادر سید زین الدین صاحب تھے۔ باہر والوں میں سے مولوی ابوالحسن صاحب سید بہاؤ الدین صاحب کو یہ امتیاز حاصل تھا۔ مولانا ابوبکر صاحب کے بڑے مداح تھے، ایک دن کہنے لگے جب یونیورسٹی میں ان کا تقرر ہو رہا تھا تو میں کچھ تذبذب میں تھا۔ تم تو جانتے ہو ان کا مسلک میرے مسلک سے جدا ہے۔ میں سمجھتا تھا شاید میرا ان کا نباہ نہ ہو سکے۔ لیکن یہ آدمی تو بے نظیر نکلا۔

میں نے انہیں جلال کے عالم میں بھی پایا ہے۔ علم و مذہب پر گفتگو کرتے کرتے اکثر جلال میں آجاتے۔ لیکن اس جلالت کی شان ہی کچھ اور ہوتی ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ علم یا مذہب کے بل پڑیا ان کے ناموس کی حفاظت میں آمادۂ جہاد ہیں، تکبر یا تبختر کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ لیکن جب بے تکلف دوستوں کے حلقہ میں ہوتے تو ان کی باتوں میں شگفتگی، رنگینی و زیبائی ہوتی، مرحوم یاد آتے ہیں تو میرے ذہن میں ع

"عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوزِ دروں"

کا نقشہ بھی پھر جاتا ہے[1]

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۵، ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ، ۱۳، اپریل ۱۹۹۷ء

[1] رشید احمد صدیقی پروفیسر، گنجہائے گرانمایہ ۵۲-۱۹

التماس

فقیر سے جو خدمت کہ سپرد کی گئی تھی اُس میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کے متعلق صرف اسقدر گزارش ہے کہ حق تعالٰی نے جو کچھ چاہا اور جیسا کچھ چاہا وہی ہوا۔ اگر مضمون تشنہ ہے یا بیان ناقص تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا اکمال کسی اور کے قلم سے مقدر ہو چکا ہے۔ یہ سعادت جب کہ میرے حصّہ میں نہ تھی تو پھر اُس کا تکملہ میرے ہاتھوں سے کیونکر ہوتا۔ کوئی اللہ کا بندہ لکھ کر طالبین کی پیاس بجھا دیگا۔ فقیر گوشہ نشین بھی اُس سے استفادہ کرلیگا۔ اس کے بعد یہ گزارش ہے کہ پہلے محض تنقید ہشت بہشت کا کام سپرد ہوا تھا۔ اُس کے بعد کتاب کی تصحیح متعلق ہوئی۔ لیکن دل یہ چاہتا تھا کہ اس ایک کتاب کی تنقید مفصل اور دیگر اصناف نظم پر خسرو علیہ الرحمہ کے ایک مجمل تبصرہ لکھا جائے۔ اور تبصرہ سے پہلے فارسی شاعری کے ادوار دکھائے جائیں گو بعض اصحاب اس تبصرہ اور ادوار شاعری کے مضمون کو تنقید سے بے تعلق سمجھینگے لیکن کسی نہ کسی حیثیت سے اُن مضامین کا پیوند تنقید سے ضرور صحیح ہو سکتا ہے۔ میں اسی فکر میں تھا کہ شیدائے علم و فن و نقاد سخن **نواب حاجی محمد اسحٰق خاں** متع اللہ المسلمین بطولِ بقائہٖ نے بھی اس کی تحریک فرمائی۔

اُن حضرات کی خدمت میں جو کسی کتاب کی تنقید کا دائرہ اُسی کتاب میں محدود سمجھتے ہیں اور اُن کی تحقیق میں اُس سے سرِمو تجاوز کرنا یا تعلقات سے بحث ایک ناقابل معافی گناہ ہے) یہ گزارش ہے کہ فقیر کو مورد عتاب نہ قرار دیں اور چین بجبیں نہوں حصص ماقبل کو چھوڑ دیں۔ اور صفحہ ۱۶۹ سے کتاب کا مطالعہ شروع فرمائیں۔ یہ بحث پھر بھی ہو رہیگی کہ تنقید کا کیا مفہوم ہے اور اُس کے اجزاء و لوازم کیا ہیں۔ اس وقت صرف اس ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں ؎

حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ می آلود ——— اے شیخ پاکدامن معذور دار مارا

اب میں مخدوم قوم عالی جناب **نواب حاجی محمد اسحاق خاں** صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے اشفاق والطافِ گوناگوں نے مجھ جیسے ناکارہ وہیچ کارہ کو اس سعادت کا موقع دیا۔

اپنی حالت تو اس شعر کی مصداق ہے

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درختِ سایہ دارم ——— ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

ایک وجود معطل ہے جو کام کرنے سے ہمیشہ گریزاں و ترساں رہا۔ جیلہ جو کاہل و سست طبیعت میں کبھی کسی کام کی ہمت ہی پیدا نہوئی۔ پھر ایسا مہتم بالشان کام جس کی نہ اپنے میں قابلیت نہ صلاحیت اس کے انجام کا کیا سامان تھا۔ لیکن ممدوح موصوف الصدر نے اپنے عنایات بزرگانہ کے ایسے مینھ برسائے کہ کاہلی کے خوابِ گراں سے نفس کو مجبوراً بیدار ہی ہونا پڑا اور اپنی عادت کے خلاف کام کرنے پر یہ کہتا ہوا آمادہ ہوا

بے چوں ماہ زانو زدی چیں لعل پیش آورد ——— تو گوئی تابہم حافظ زساقی شرم دار آخر

خسرو علیہ الرحمۃ کا کلام اور اس کے احیا پر نواب صاحب جیسا علم پرور آمادہ ہو مگر تسبہ پھر سستی اور کاہلی! توبہ!! توبہ!!!

آخر کتاب کی تصحیح لغات کا حل مشکلات اشعار کی تشریح سب سے مقدم کی گئی اس کے بعد کتاب کی تنقید تمام کی۔ پھر مقابلہ کی سخت کشاکش سے فرصت ملی۔ اب ایک تبصرۂ اجمالی خسرو کی عام شاعری کے متعلق لکھا گیا۔ آخر میں مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر اپنے کار مفوضہ سے سبکدوشی پائی۔

لیکن تصحیح کا کام ہرگز انجام نہ پاتا اور اپنے دیگر خیالات خانہ تخیل سے ہرگز آگے نہ بڑھتے اگر ایک پیکرِ علم کی مدد فرمائی نہوتی۔ یعنی مولانا **محمد احتشام الدین** صاحب ایم اے سلالۂ خاندان حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مدرستہ العلوم علی گڑھ میں جہاں جذبات گوناگوں رکھنے والے اشخاص پائے جاتے ہیں
وہاں یہ ایک وجود علم و فن کا والہانہ شیدا گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا مشرقی و مغربی مصنفین
سے محققانہ مشورہ میں محو رہا کرتا ہے۔

یہ فقیر کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ ایسے مجسمۂ علم سے ابتدا ء تعلق کالج سے آج تک مسلسل
نیازمندی و ارادت کا سلسلہ قایم ہے۔ اور اُس جانب سے کرم فرمائی و ذرہ نوازی۔

کتاب ہشت بہشت کا پہلا نسخہ جو خاص کتب خانہ کالج کا تھا مجھے جس وقت ملا تو اُس کے مطالعہ سے
یہ بات معلوم ہوئی کہ جو کتاب اہل علم کی خدمت سے محروم رہی اور گروہ کملا کی صحبت اُسے
نصیب نہوئی وہ ظاہر آزا صحبتوں میں پھنسکر سیرت کی خوبی کھو بیٹھی۔ طرفہ یہ کہ کالج کا یہ نسخہ
کرم خوردہ بھی تھا جس کی ہر سطر میں کوئی نہ کوئی حرف یا لفظ کیڑوں کی نذر ہو گیا تھا۔

اب معلوم ہوا کہ یہ کتاب دوبار مطبع نولکشوری میں طبع ہوئی ہے میں نے لکھنو اپنے عزیز دوست
ملک محمد علی افضل بی اے کو اس کے بھیجنے کی تکلیف دی۔

ایک ہفتہ میں کتاب پہنچی شوق کے ہاتھوں لیا اور نہایت بیتابی سے تار نظر سطور
پر پڑنے لگے لیکن دو ہی تین اشعار کے بعد جو نا اُمیدی کی تلخی محسوس ہوئی ہے اُس کا کیا اظہار
کیا جائے۔ خیال گذرا کہ شاید پہلا مطبوعہ نسخہ کچھ صحیح ہوگا اب اُس کی تلاش ہوئی آخر وہ بھی ملا لیکن
ایک سے دوسرا غلطی زیادہ پیش کرنے میں مستعد و آمادہ تھا۔

اب پھر خیال قلمی نسخوں کی طرف گیا ایک نہایت ہی نایاب نسخہ نواب حاجی محمد اسحاق
خاں صاحب نے اپنے خاص کتب خانہ سے عنایت فرمایا دوسرا نسخہ خمسہ کا بانکی پور لائبریری سے
منگوایا۔ تیسرا کتب خانہ حبیب گنج سے حاصل ہوا اس کے بعد اور نسخے بھی رامپور، سہارنپور،
حیدرآباد، دیوبند وغیرہ سے وقتاً فوقتاً ملتے گئے۔

قریب قریب ہر ایک نسخہ حسین نقش و نگار پاکیزہ حروف و نقاط سے آراستہ تھا لیکن
جو جتنا حسین تھا اُتنا ہی صحت سے بعید۔ چنانچہ بانکی پور کا نسخہ حسن خط میں لاجواب و بے مثل دیگر

اوصافِ ظاہری میں بھی بے نظیر لیکن ایسی فاش غلطیاں اُس میں قدم قدم پر ملتی تھیں کہ حسن ظاہری بھی اُس کا بدنما معلوم ہونے لگتا تھا۔ غرض کتاب کی تصحیح کیا تھی چیونٹیوں بھرا کباب تھا۔ اگرچہ دس نسخے موجود تھے لیکن اُن کانٹوں میں سے پھول چننا میرے لیے نہایت ہی دشوار تھا آخر اپنے اُسی کرم فرما شیدائی علم وفن کی طرف دستِ استمداد پھیلانا پڑا اور اُس علم دوست نے بھی اپنے کرم کریمانہ سے اس سائل کے دامن کو اُمید سے کہیں زیادہ بھر دیا۔ تصحیح ومقابلہ نسخ کا نہ صرف طریقہ بتایا بلکہ پانچ ماہ کامل تک اپنے مشاغل علمیہ کا ایک کثیر حصہ برابر تصحیح ومقابلہ میں صرف کرتا رہا۔ میں حیران ہوں کہ اپنے مکرم کا کیونکر شکریہ ادا کروں جزاھم اللہ خیرالجزاء۔

کسی کتاب کی تصحیح واقعی طور پر جس نے کی ہوگی وہی سمجھ سکتا ہے کہ تصحیح کا کام کسقدر اہم ہے۔ کامل برس روز کی محنت کا نتیجہ ہے جو آج ہشت بہشت کا صحیح نسخہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ کاپی و پروف تین تین اور چار چار بار دیکھے گئے ہیں جس میں ہمارے عزیز طلبائے کالج کی یاوری کا بہت بڑا حصہ ہے۔ خاصکر سیّد منظور حسن و سیّد وصی احمد رضوی متعلم بی اے کلاس و حافظ غلام غوث کا میں تہِ دل سے دعاگو ہوں کہ ان عزیزوں نے بہت گراں بہا امداد کی ہے۔

مینیجر مطبع مولانا محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی کا بھی دل سے شکرگزار ہوں جنہوں نے کاپی و پروف کی تصحیح میں بہت مُبالغہ سے محنت کی ہے۔ جو دیدہ سوزی وعرق ریزی کہ مولانا محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی نے فرمائی ہے کوئی مینیجر مطبع تو کیا کرسکتا ہے بعض مالک مطابع و مصنفین و مولفین بھی اس دماغ کا دی کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

اب باوجود اس سعی و کوشش کے اگر نقاط وحروف یا مرکز کی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو وہ بشریت کا اقتضا ہے۔ حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ یقینی طور پر وہی الفاظ ملجائیں جو خسرو علیہ الرحمہ کے قلم سے نکلے ہیں۔ اصح و انسب الفاظ متن میں رکھے گئے ہیں اختلاف نسخ علامت ن دیگر فٹ نوٹ میں لکھ دیے گئے ہیں ۔۵ نشان حل کا ہے اور ن نسخہ کی علامت ہے۔

سہولت کے لیے ہندسہ بھی دے دیا گیا ہی۔ جس نسخہ کا لفظ فٹ نوٹ میں لیا گیا ہی وہاں اُس کا حوالہ بھی حرف اوّل سے دیدیا گیا ہی۔ مثلاً ج علامت کتب خانہ جہانگیر آباد ریاست نواب حاجی محمّد اسحاق خاں صاحب ح علامت کتب خانہ حبیب گنج ریاست مولنا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی۔ ر علامت رام پور۔ س علامت سہارن پور۔ ا علامت کتب خانہ بانکی پور وغیرہ

خسرو علیہ الرحمہ کی تصنیف تصحیح و تنقید کی لیے چھ سو برس سے ان باہمت علم دوست حضرات کی منتظر تھی یتیمی ایسا داغ ہی جس سے سینکڑوں داغ اور بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ الاماشاء اللہ خسرو علیہ الرحمہ جب سایۂ بے پدری میں آئے تو آنکے نانا عماد الملک نے کنار عاطفت میں لے لیا اور اُن کی تربیت و نگرانی میں یہ پودا نہالِ کمال بن کر پھولا اور پھلا۔

لیکن اُن کا کلام جو معنوی اولاد کہلانے کا اصل مستحق تھا سایۂ خسروی سے محروم ہوا تو کسی نے ان یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ نہ رکھا آخر نسّاخوں اور کاتبوں کی بید ردصحبت میں ایسے پھنسے کہ اپنے اصلی اور دلکش جوہر کو کھو بیٹھے حتیٰ کہ جوہر شناس اور نکتہ رس نگاہیں صحت و سقم کی تمیز میں مضطر و پریشان ہو گئیں۔

خدائے پاک **نواب عماد الملک سید بلگرامی** کا بھلا کرے جن کی علم دوست نگاہوں نے خسرو کے فرزندانِ معنوی کو اس خستہ و خراب حالت میں دیکھکر اُن کی تہذیب و تربیت کا خیال کیا لیکن یہ خیال خانہ تخیل سے آگے نہ آتا اگر شاعری اور کمال کے اصلی وارث **نواب حاجی محمد اسحاق خاں** صاحب آنریری سکریٹری مدرسۃ العلوم علی گڑہ کمربستہ و آمادہ نہو جاتے۔

اس طرح کے علمی کام کا جنھیں اتفاق نہیں ہوا ہی وہ تو اُن انتھک اور حوصلہ شکن صبر آزما کوششوں کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر کسی کو اس دورِ ایام میں اس قسم کے کام کرنے کا اتفاق پڑا ہی تو وہی اس کو سمجھ سکتا ہی کہ اہلِ علم کی تلاش اُن کی طرح طرح کی نازبرداریاں اور پھر نتیجہ نفی میں دیکھکر کسی اور کی جستجو میں سرگرداں پھرنا پیہم مایوسیوں سے نہ تھکنا اور سعی کا مسلسل جاری رکھنا کسقدر اہم و معرکۃ الآرا ہی۔

زمانے کا دستور ہی باغ عالم میں دورِ خزاں کے بعد فصلِ بہار ضرور آتی ہی خوابِ غفلت میں تنگ لباسوں کے مسکنے اور آنکھ کے کاجل پھیل جانے اور زلف تا کمر رسیدہ کے اُلجھنے سے جو بے ترتیبی پیدا ہو جاتی ہی نیند کھلنے کے بعد دوسری کپڑوں کا بدلنا کاجل کا پوچھنا بالوں کا سلجھانا کچھ اور نکھار پیدا کر دیا کرتا ہی جس پر حُسنِ خدا داد کے سوا مشاطہ کی سحر آفرینیاں اور بھی ستم ڈھاتی ہیں۔ حضرت خسرو کے کلام پر جسے یتیمی کی گرد نے غازۂ جمال بنکر اور بھی چمکا دیا تھا زمانہ کی غفلتوں اور اہلِ کمال کی انقلابی صعوبتوں نے اُنھیں بہت کچھ قابل آراستگی بنا رکھا تھا جس کا مخصوص شرف خدا نے **نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب** کے لیے ازل میں ودیعت کر رکھا تھا۔ طباع کا حُسنِ صورت اور تصحیح کا حُسنِ سیرت، تنقید کا ہفت کرنا یہ وہ چیزیں ہیں کہ لطائف معنوی اگر اہل مذاق کے دل موہ لینگے تو صفائیِ طبع وعمدگی خط وکاغذ اربابِ بصر کو بھی متحیر کرنے میں کمی نہ کرینگے۔ اب اُس ارحم الراحمین سے یہ دعا ہی کہ خدا اپنے اُن بندوں کی اس علمی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائے جنھوں نے اُس میں کسی نہ کسی طرح کی معاونت کی ہی۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

یا رب ز ضبط ما چہ خیر آید
تو کرم کن کہ رب اربابے

حررہٗ بقلمہٖ

فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ

بہار شریف

محلہ میرداد

ضلع پٹنہ

۱۲ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۳۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

مقدمہ

شاعری

مدارجِ نطق | کائنات کا ایک ایک ذرہ جس طرح قانونِ ارتقا کا پابند ہے اسی طرح زبان بھی آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ اپنے مرتبۂ کمال تک پہنچتی ہے۔ ایک طفلِ شیرخوار جب اپنی زبان کھولتا ہے اگر اُس کی گویائی کی تدریجی ترقی کی طرف ایک حکیمانہ نگاہ ڈالی جائے تو یہ فلسفہ بہت اچھی طرح حل ہو سکتا ہے کہ قانونِ ارتقا کی ہمہ گیری کس طرح زبان کے کامل بنانے میں جاری ہے۔

ابتدا میں بچے جب نطق سے زبان آشنا ہوتے ہیں اور اپنے جذبات اور خواہشات کا اظہار اپنے تکلم سے کرنا چاہتے ہیں تو اُس وقت اُن کی کمزور زبانیں جن کے

یا مں اشارہ دعا کے وسائل محض برائے نام ہوتے ہیں۔ صرف چند حروف پر اکتفا کرتی ہیں مثلاً اگر بھوک نے انھیں بیتاب کر دیا ہے اور دودھ پینے کی طرف طبیعت مضطر ہے تو صرف لفظ "دُو دُو" کا شور مچاتے ہیں اور روتے جاتے ہیں۔ اگر پیاس نے تڑپا دیا ہے تو "مم مم" کہتے جاتے ہیں اور بلبلاتے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر ماں کی آغوشِ شفقت نے یاد آکر بیکل کر دیا ہے یا باپ کے کنارِ عاطفت میں راحت پانے کو جی چاہا ہے تو "مَم مَم بَ بَ" کہکر اپنی دلی تمنا کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک تو یہ کہ جو چیزیں قریب تر ہوتی ہیں اور جن کی طرف حاجت مضطر کرتی ہے سب سے پہلے وہی چیزیں خیال میں آکر الفاظ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ابتدائے امر میں جب کہ اظہارِ خیال پر اس قدر قدرت بھی نہیں ہوتی کہ اپنے مطلوب و مرغوب کا کم از کم نام ہی بتا دیں تو اس وقت اُس کمی کو اپنے حرکات و افعال سے پورا کرتے ہیں۔

اب وہی لڑکا ذرا بڑھتا ہے زبان میں اُس کے طاقت کچھ زیادہ ہوتی ہے والدین و دیگر اہل خاندان کی گفتگو میں پیہم اُس کے کانوں میں پہنچتی رہتی ہیں۔ اُس وقت اُس کی قوتِ آخذہ اشیاء کے اسماء سیکھ لیتی ہے اور اب وہ بچہ حروف کے بجائے اظہارِ مطلب میں اسماء استعمال کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ نہ فعل ہوتے ہیں اور نہ حروف کا انضمام ہوتا ہے۔ اگر ماں یا باپ کے متعلق اُسے کچھ کہنا ہے یا خود اُنھیں متوجہ کرنا ہے تو صرف "اماں" اور "ابا" کا پیارا لفظ اُس کی زبان سے نکلتا ہے۔ پھر کچھ اور بڑھتا ہے اور اب اسماء کے ساتھ افعال بھی ملاتا ہے "اماں آؤ" "ابا جاؤ"۔ اس کے بعد سن تمیز کو پہنچکر اسماء، افعال و حروف

سے کامل مرکب جملے اُس کے مُنھ سے ادا ہوتے ہیں۔ تاہم ہنوز اس کے جملوں میں الفاظ کی نشست صحیح نہیں پائی جاتی ہے۔ تلفظ میں ہمواری پیدا نہیں ہوتی ہے۔ موقع و وقت کی مناسبت سے اس کی باتیں نہیں ہوتی ہیں۔ اُس کے خطاب کرنے میں فرق مراتب پایا نہیں جاتا۔ لیکن وہ اب تعلیم پاتا ہے، بزرگوں کی صحبت سے مستفیض ہوتا ہے۔ مختلف مدارج و حیثیات کے انسانوں سے اسے ملنا پڑتا ہے جن میں کوئی استاد ہے، کوئی دوست ہے، کوئی باپ ہے، کوئی بزرگ ہے اور کوئی خادم ہے۔ غرض ہر ایک کا اندازِ خطاب و تکلم مختلف دیکھتا ہے جس کے مطابق اپنی گفتگو میں اصلاح کرتا جاتا ہے۔ کچھ کتابوں کی تعلیم اور کچھ عملی زندگی کا سبق مل جل کر اس کی اس کمی کو پورا کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جوان ہو کر اب وہ فرق مراتب بھی اپنے کلام میں قائم کرتا ہے اور موقع و مصلحت کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

جس قدر تعلیم کا دائرہ وسیع اور مہذب و شایستہ صحبتوں کا اثر قوی ہوتا جائے گا اُسی قدر اس کے الفاظ میں قوت، جملوں میں زور اور کلام میں حسن و دل آویزی بڑھتی جائے گی اور جس قدر الفاظ کے ذریعہ سے خیال کی ترجمانی پر قدرت بڑھتی جائیگی اسی قدر حرکات (جو اب تک ادائے مطلب کے ایک عنصرِ اعظم تھے) کم ہوتے جائینگے اور اُن میں بھی ایک معتدل شایستگی و شان پیدا ہو جائے گی۔

اس تمہید کا مدعا یہ ہے کہ جس طرح ایک بچے کی زبان آہستہ آہستہ تمدن و تعلیم و تربیت کے سہارے درجۂ کمال کو پہنچتی ہے یہی حال ہر ایک ملکی زبان بلکہ بنی نوعِ انسان کی زبان کا ہے۔ انسان میں جذبات رکھے گئے ہیں اس میں قوتِ متخیلہ کا خزانہ ودیعت کیا گیا ہے و

تاثیر و تاثر کا مجسمہ بنایا گیا ہے۔ گرد و پیش کی چیزیں اُس کی حاجت روائی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ پس وہ ابتدا میں خیالات کی مصوری اپنے حرکات اور غیر موضوع الفاظ سے شروع کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے تعلیم و تمدن اس میں آتا جاتا ہے وہ الفاظ وضع کرتا ہے اور ہر مفہوم و ہر شے کے لئے ایک اسم قرار دیتا ہے۔ جب الفاظ کا ذخیرہ کافی ہو جاتا ہے اور نازپروردگی بڑھ جاتی ہے تو اُس وقت الفاظ کے قالب پر نظر کی جاتی ہے۔ نفاستِ طبع الفاظ کی درستگی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اب اُن کی ثقالت و خفت دیکھی جاتی ہے، اختصار مطبوع خاطر ہوتا ہے غرض اسی طرح بآہستگی زبان میں لطافت و روانی پیدا ہو جاتی ہے اور خیالات کی دھندلی تصویر الفاظ کے آئینہ میں اپنا جلوہ دکھانے لگتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان خیال کا آئینہ ہے، مگر کچھ زنگ آلود۔ انسان چاہتا ہے کہ خیالات و جذبات کی کامل ترجمانی الفاظ سے ہو جائے، مگر نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم، تہذیب اخلاق، تمدن و سیاست اگر سب مل کر اس کی مدد کریں تو بہت کچھ اس آئینہ کا زنگ دور ہو جاتا ہے لیکن حرکاتِ اعضا و جوارح کے بغیر اس تصویر کے خط و خال واضح طور پر نمایاں نہیں ہوتے۔ الغرض انسان کی یہ کوشش کہ خیالات یا جذبات کی بعینہٖ و بجنسہٖ تصویر الفاظ کے قالب میں منعکس ہو جائے ایوانِ شاعری کے در کی کنجی ہے۔

شعر و شاعر | موزوں و مناسب الفاظ میں جو حقائق کی تصویر کشی کی جاتی ہے وہی شاعری کی سنگِ بنیاد ہے۔ شاعر خیالات، جذبات، کیفیات، محسوسات و معقولات کو چوں کہ اپنے بیان سے اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ سننے والوں کے سامنے اُس کا نقشہ کھنچ جاتا ہے دلوں کو

کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس لئے اُسے شاعر کہتے ہیں۔ اب جس قدر کلام میں یہ وصف زیادہ ہوگا اُسی قدر اس کی شاعری کامل سمجھی جائیگی۔ لفظ شاعر کا مادّہ (یعنی حروفِ اصلیہ) ش ع ر ہیں یہ مادّہ جہاں جہاں پایا جائے گا اس میں ظہور کے معنی کا لحاظ ضرور ہوگا۔ اس لئے عربی میں بال کو شعر کہتے ہیں جو جسم پر ظاہر ہوتے ہیں جسم سے اوپر جو کپڑا پہنا جائے اُسے شعار کہتے ہیں۔ جو اس جو قوتِ مدرکہ کے سامنے موجودات کو ظاہر کرتے ہیں انھیں مشاعر کہتے ہیں۔ جو کلمات جو خیال کے لئے صاف آئینہ ہوں اور واضح شکل میں خیالات کو ظاہر کریں وہ شعر ہیں۔ اسی بنا پر وزن و قافیہ کو بعضوں نے شعر کی حقیقت سے خارج رکھا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ شعر کے یہ اجزا ہیں بھی نہیں، بلکہ اُس کے شرائط ہیں۔ مثلاً ؎

اٹھتر بھتر تہتر چوہتر   پچھتر چھیتر ستتر اٹھتر

دیکھو اس میں وزن و قافیہ موجود ہے، لیکن اسے شعر کہنا کیا حماقت نہیں؟

| اجزا، لوازم و شرائط شعر | پس باعتبارِ حقیقت شعر کے دو اجزا ہیں، دو لوازم ہیں، اور دو شرائط ہیں۔ محاکات و تخیل اجزا ہیں اکثار الفاظ و مطالعۂ صحیفۂ کائنات لوازم ہیں وزن و قافیہ شرائط ہیں۔

| ۱۔ محاکات | محاکات کے معنی نقالی ہے یعنی جو واقعہ جس طرح دیکھا جائے یا سنا جائے یا جو اثر و کیفیت کہ دل پر گزرے اس کو اس طرح ادا کر دیا جائے کہ غائب اسے سن کر اپنے کو حاضر سمجھنے لگے لیکن صرف اسی قدر شعر ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ مثلاً ؎

چشمانِ تو زیرِ ابرو ہانند   دندانِ تو جملہ در دہانند

| ۲۔ تخیل | بلکہ محاکات کے ساتھ تخیل کا انضمام بھی بہ وضروری جز ہے، تاکہ شعر تک بندی کا

مصداق نہو. مثلاً خسرو اُس حالت کو بیان کرتے ہیں جب کہ برسات میں پانی برستا ہی اور درختوں کی لچک دار شاخیں پیہم پانی اور ہَوا کے جھونکوں سے جھک جھک جاتی ہیں زمین پر پانی بہتا ہوتا ہی اور ان شاخوں کا لچکنا ایک خاص لطف پیدا کرتا ہی۔ اس منظر کو امیر خسرو شاعرانہ تخیل کے ساتھ یوں دکھاتے ہیں ؎

نگوں سر شاخہاے سبز گوئی دُر ہمی چیند　　　زبس کا برِ دُر افشاں لولوے غلطاں ہمی بارد

یعنی سبز شاخیں جو زمین پر جھکی پڑتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ابر نے جو بے انتہا موتی برسائے ہیں اُن کے رولنے کو جھکی جاتی ہیں۔ یا مثلاً ایک عاشق جو اپنے محبوب کی ایک ایک ادا پر مٹا ہوا ہی اور اُس کی نزاکت و لطافت پر والہانہ فریفتہ و شیدا ہی وہ کاغذ کے اُن چاک شدہ ٹکڑوں میں بھی ایک لطافت محسوس کرتا ہی جسے اُس کے معشوق نے ریزہ ریزہ کر دیا ہو۔ اب وہ اپنے اس لطیف کیف کی حکایت کرتا ہی ؎

ہر کجا برگِ گلے افتادہ بینم در رہت　　　از تو پارہ کردنِ مکتوب یاد آید مرا

یعنی اگر گلاب کی پتیاں کہیں بکھری ہوئی میں دیکھ لیتا ہوں تو مجھے مکتوب کے وہ ٹکڑے یاد آجاتے ہیں جو تیرے ہاتھوں سے چاک ہو کر برگِ گل جیسے نازک و خوشبو ہو جاتے ہیں

۴۔ اکثار الفاظ و مطالعہ صحیفۂ فطرت

لیکن تخیل و محاکات اُس وقت تک اپنا فرض پورا نہیں ادا کر سکتے جب تک اُن کے پاس الفاظ کا کافی ذخیرہ نہو۔ تاکہ نازک سے نازک پہلو بھی واقعہ کا قلت الفاظ کے سبب چھوٹ نہ جائے یا لطیف سے لطیف جذبہ صرف الفاظ کی کم یابی کے نذر ہو کر ظاہر ہونے سے نہ رہ جائے۔ جیسے کہ بہار کا موسم جس نے دیکھا ہو

یا اُس وقت جو سرور و مستی کہ دلوں پر چھا جاتی ہے اُس سے لذت آشنا نہو تو پھر بہار کے متعلق اُس کی شاعری کیا ہوگی مُنہ چڑہانا ہوگا۔ اور اگر لفظ کی بھی کمی ہو تو پھر بہار کا نقشہ کھینچنا بالکل ہی ناممکن ہو جائے گا۔ پس حکایت و تخیل کے لئے اکثار الفاظ و مطالعہ صحیفہ کائنات لوازم میں سے ہیں۔

۴۔ وزن و قافیہ | اب جب کہ کلام میں حکایت و تخیل مع اپنے لوازم کے پائے جائیں تو اُس وقت وزن و قافیہ کا ہونا بھی ایک ضروری شرط ہے اس لئے کہ جس اسلوب میں ایک قادر البیان فصیح اللسان اپنا کلام مخاطب کے سامنے پیش کرتا ہے جب اُنھیں اسلوبوں میں وزن کی کھچاوٹ اور قافیوں کا تناسب پایا جاتا ہے تو کلام شعر کے سانچے میں ڈھل کر مخاطب کے لئے ایک نوع کا تعجب اور تعجب کے ساتھ خوشی پیدا کر دیتا ہے، اور یہی مخاطب کے دل کی شگفتگی متکلم کے خیالات کا کامل نقش دل پر بٹھا دیتی ہے۔ مثلاً پانی برس رہا ہے عاشق سے معشوق رخصت ہو رہا ہے مدتوں بعد جو لذتِ دیدار ملی تھی یوں ہاتھ سے جا رہی ہے عاشق کی آنکھیں بے اختیار بہ نکلتی ہیں۔ جذبِ کامل و محبتِ صادق رنگ لاتی ہے معشوق کے دل پر بھی اس فراق کا صدمہ گزرتا ہے۔ اسی کو امیر خسرو یوں کہتے ہیں ؎

ابر باران و من و یار ستادہ بوداع   من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

شعر کیا ہے واقعہ کی ایک بولتی تصویر ہے۔ ہم نثر میں ادا نہ کر سکے اور خسرو نے ایک شعر میں ادا کر دیا۔ ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ اُس حالت و کیفیت و موقع کا لحاظ کرو۔ اور پھر شعر کی بلاغت کو دیکھو۔ بہر حال محاکات تخیل اکثار الفاظ مطالعہ صحیفہ کائنات، وزن و قافیہ شعر کے لئے

یہ امور بمنزلہ شرائط ضروریہ ہیں جن کے بغیر شعر کامل نہیں ہو سکتا لیکن کلام ایسا ہو جس میں جابجا بجلیاں کوندتی نظر آئیں اور اُس کی ہر تجلی دلوں کو تڑپا دینے والی ہو اس کے لئے صرف شعر کا مجسمہ ہیولانی ہی کافی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ چند اور جزئیات ہیں جن کی رعایت شعر کے حسن کو نکھار کر دل آویز و دل پذیر بناتی ہے۔ اور یہی ایک باکمال شاعر کی آخری منزل ہے اور بڑی کڑی منزل ہے۔ وہ چار چیزیں ہیں بلاغت، سلاست، اصلیت اور جوش۔

بلاغت بلاغت تو یہ ہے کہ کلام وقت اور حال کے مطابق ہو۔ انسان میں گوناگوں خیالات و جذبات پائے جاتے ہیں کبھی غم و غصہ ہے اور کبھی مسرت و مہربانی ایک وقت بیتابی و بیقراری ہے تو دوسرے وقت راحت و سکون کبھی مستی و بیہوشی ہے اور کبھی باخودی و ہوشیاری پس جس حالت و کیفیت کا بیان ہو کلام اگر اس میں اس طرح ڈوبا ہوا ہے کہ کہنے والا کہہ رہا ہے اور سننے والے کی آنکھوں کے سامنے اس کا نقشہ کھنچا جاتا ہے تفصیل کی جگہ وضاحت ہے اور اجمال کی جگہ اختصار تو وہ کلام بلیغ کہا جائے گا۔ اور اسی کو بلاغت کہتے ہیں۔

سلاست سلاست کے یہ معنی ہیں کہ الفاظ وہ ہوں جو روزمرہ کے استعمال میں ہوں۔ محاورہ وہ ہو جو عام طور پر زبانوں پر جاری ہو۔ استعارہ و تشبیہ ایسے ہوں کہ سامع کا ذہن فوراً اُس طرف منتقل ہو جائے۔ اضافات کی کثرت و پیچیدگی نہ ہو۔ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ ہر شخص اپنے فہم و مرتبہ کے مطابق برابر کا لطف اٹھائے۔ اسی مضمون کو خاتم الشعرا غالب دہلوی نے کہا ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا — میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

صاحب عقد الفرید شعر کے محاسن بیان کرتے ہوئے آخر میں قول فیصل یہ لکھتے ہیں کہ اس باب میں سب سے بہتر زہیر ابن سلمیٰ کا قول ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

وَاِنَّ اَحْسَنَ بَیْتٍ اَنْتَ قَائِلُہٗ بَیْتٌ یُّقَالُ اِذَا اَنْشَدْتَہٗ صَدَقَا

یعنی سب سے بہتر وہی شعر ہے کہ جب تو اُسے پڑھے تو سُننے والا بے اختیار کہہ اُٹھے کہ سچ کہا۔ یہی شعر ایک جگہ حضرت حسّان انصاری کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے جس سے اس رائے کی موافقت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن فقیر کے خیال میں بہترین فیصلہ ابن رشیق کا ہے۔ سلاست شعری کی جو تصویر اُس کے قلم نے کھینچی ہے اُس سے بہتر ناممکن ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

فَاِذَا قِیْلَ اَطْمَعَ النَّاسَ طُرًّا وَاِذَا رِیْمَ اَعْجَزَ الْمُعْجِزِیْنَا

یعنی جب شعر پڑھا جائے تو اُس کی سلاست و سادگی سے ہر شخص کو یہ طمع ہو کہ ایسا میں بھی کہہ سکتا ہوں لیکن جب کہنے کا قصد کریں تو ادنیٰ اور اوسط کا تو کیا ذکر ہے معجز بیان بھی عاجز آجائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابن رشیق کا یہ فیصلہ فیصلۂ ناطق ہے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ مفتی صدر الدین مرحوم آزردہ کے مکان پر مومن خاں، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ وغیرہ کا مجمع تھا۔ کسی نے انھیں میں سے میر کا یہ شعر پڑھا ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

ہر ایک نے قلم ہاتھ میں اُٹھایا کہ جواب اس کا لکھیں لیکن گھنٹوں گزر گئے اور قلم نے ہاتھ سے صفحۂ کاغذ تک آنے کی جرأت نہ کی۔ اسی عرصہ میں کوئی دوسرے بے تکلف دوست آگئے اُنھوں نے ایک مجمع سراپا محو استغراق دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ مومن نے کہا ہاں قل ھو اللہ کا جواب لکھنا چاہتے ہیں

اصلیت | اصلیت کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز کا بیان ہو وہ باعتبار واقعہ یا شاعر کے عندیہ میں یا مخاطب کے عقیدے میں ویسا ہی ہو جیسا کہ اُس کے الفاظ اُس کو کہہ رہے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو کلام کا اِسی قدر نقص اُسے بے اثر بنا دے گا۔

جوش | جوش کے یہ معنی ہیں کہ شعر کو سنکر یہ اثر پیدا ہو کہ مضمون نے شاعر کو مضطر کر دیا ہے۔ شاعر مضمون نہیں لایا ہے۔ یہ وہ امور جزئیہ ہیں جن سے شعر کا آب و رنگ کھلتا ہے۔ اور زبان سے نکل کر دلوں کو تڑپا دیتے ہیں

فارسی شاعری

اقسام شاعری | اب آیئے فارسی زبان کے نشو و نما اور فارسی شاعری کے اوجِ کمال پر ایک نظر ڈالیں کتابوں میں زبان فارسی کی سات قسمیں پائی جاتی ہیں۔ فارسی، دری، پہلوی، ہروی، سگزی، زاولی، سغدی۔ ہمارے مصنفین جب ان زبانوں کی حقیقت بیان کرتے ہیں تو اُن کا اضطراب عجیب عجیب پہلو سے کروٹیں لیتا ہے۔ حالانکہ بات صرف اس قدر ہے کہ یہ تقسیم کچھ تو باعتبار اُن ملکی خصوصیات کے ہے جو بعض بعض حصصِ ملک میں پائے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو شہر اور دیہات کی وجہ سے ہوئیں مثلاً ملک ہندوستان کو لو۔ یہاں ایک زبان تو وہ ہے جو تقریباً تمام ہندوستان میں سمجھی جاتی ہے اور جس سے کاروبار میں، لین دین میں، تبادلۂ خیالات میں کام لیا جاتا ہے۔ اُسے تھوڑی دیر کے لئے اُردو کہہ لیجئے لیکن جب اس کو باعتبار حصص ملک یا شہر اور گاؤں کے آپ تقسیم کیا چاہیں گے تو بے شمار اُس کی قسمیں پیدا ہو جائینگی کلکتے کی اُردو کو دلی کی اُردو سے کیا مناسبت اور بمبئی کی زبان کا لکھنؤ کی اُردو سے کیا علاقہ۔

اُردو زبان دہلی میں پیدا ہوئی اور اسی جگہ اُس نے نشو ونما پایا اپنے آخر عہد میں یہ لکھنؤ پہنچی اس لئے یہ کہنے کا حق ہے کہ اُردو وہی ہے جو اِن دونوں شہروں میں بولی جائے لیکن اگر اُردو ایک نئی زبان نہ ہوتی تو کیا ملک کے مختلف گوشے کچھ اپنی خاص خصوصیت نہ رکھتے۔ یہ ہر زبان کا قاعدہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے بُعد مسافت سے کچھ کچھ متغیر ہوتی جاتی ہے۔ عربی زبان جو نہایت ہی کامل زبان ہے اُس کو دیکھئے یہی اختلاف آپ کو وہاں بھی نظر آئے گا۔ اہل عرب جہاں باعتبار قبائل آپ کو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ملیں گے وہاں اُن کے محاورے الفاظ بلکہ حروف تہجی کے اصوات و تلفظ میں بھی ایک علیحدہ شان ہوگی پس یہی حال ایران کے اقسام ہفت گانہ زبان کا ہے۔ عہدِ قدیم میں فارس کا علاقہ کنارۂ جیحون سے فرات تک اور باب الابواب سے کنارۂ عمان تک پھیلا ہوا تھا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ملک کا علاقہ جب اس قدر وسیع ہوگا تو ہر وہ گوشۂ ملک جو دوسرے ملک کے ٹکڑے سے پیوستہ یا قریب ہوگا یا جن غیر ممالک کے باشندوں سے معاشرتی کاروبار میں سابقہ رہتا ہوگا اُن کی زبان کا اثر اس گوشۂ ملک کی زبان پر ضرور پڑیگا۔ پھر اُس کے ساتھ ہی ایک ایسی عام زبان ملکی ہوگی جو ہر گوشۂ ملک میں سمجھی جاسکے یا بولی جاسکے۔ اب خیال فرمائیے۔

فارسی تو وہ زبان ہوئی جو تمام ملک میں بولی جاتی یا سمجھی جاتی تھی۔

پہلوی بیرون شہر کی زبان تھی اس میں قصبات و دیہہ و درہ کوہ کے باشندے متفق اللسان تھے۔

دری دربار کی زبان تھی جس میں صفائی اور نزاکت حروف کو گھٹا بڑھا کر پیدا کی گئی تھی

زاولی قندھار و غزنی و زابلستان کی گفتگو کا نام ہے۔

سگزی۔ یہ وہ زبان ہے جو سیستان میں بولی جاتی تھی۔ عہدِ قدیم میں سیستان کا نام سکزی تھا۔

سغدی۔ سمرقند کے قرب و جوار میں سرسبز و شاداب قطعہ پر ایک نامور اور آباد شہر تھا یہ زبان اُس شہر کی طرف منسوب ہے۔

ہروی ہرات و ماژندران کی زبان ہے۔

قدیم و جدید زبان | جسے عہدِ قدیم کی فارسی زبان دیکھنے کا شوق ہو وہ ژند و پاژند و دساتیر کو دیکھے۔ اِن کتابوں کے جو فقرات یا کچھ حصص ملتے ہیں اُن کو جب عہدِ جدید کی فارسی سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو صاف طور پر دکھائی دے جاتا ہے کہ یہ لفظ کیوں کر کیا سے کیا ہوتے گئے محض تفننِ طبع کے طور پر ہم پانچ چار لفظ لکھے دیتے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سخندانِ فارس

فارسی	پہلوی	ژند	پاژند
انبار	انبار	ہاں بار	انبار
شرم	شرم	فشار ما	شرم
ناسپاس	اسفاس	.	ان سپاس
اکنوں	اکنی	.	اکنین
خان	خوانو	.	اخان

انھیں چند لفظوں کو دیکھیے تو معلوم ہو جائے گا کہ تعلیم تہذیب تمدن و سویلیزیشن اس طرح

آہستہ آہستہ زبان میں تصرف کرتے رہتے ہیں کہ ایک صدی کے اولٹ پھیر کے بعد زبان کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ اہل شہر اور اربابِ علم کی زبان صفائی اور لچک رکھتی ہے۔ قریہ و دیہہ کے باشندے اپنی زبان میں سختی اور لہجے میں درشتی رکھتے ہیں ان کی ضرورتیں تھوڑی ہوتی ہیں اور ضرورت کی پوری کرنے والی چیزیں ضرورت سے بھی کم خیالات محدود، واقفیت کا دائرہ بہت ہی چھوٹا اس لئے الفاظ کا ذخیرہ بھی ان کی زبانوں میں قلیل ہوتا ہے۔ لیکن ان کی خالص ملکی زبان ہوتی ہے۔ اس لئے شعرائے ایران کبھی کبھی پہلوی زبان کی مدح کا راگ گاتے ہیں۔ چوں کہ وہ اصلیت پر قائم ہے شہر کے باشندے تمدن کے گہوارے میں زندگی بسر کرتے ہیں ناز پروردگی و تنعم ضروریات روز افزوں کرتی رہتی ہے تبادلۂ خیالات سے دماغ میں وسعت پیدا ہوتی ہے، علمی مضامین صیقل و جلا کرتے رہتے ہیں۔ اسی سے الفاظ کا اکتنا رہتا ہے اور اُن میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔ پس شعرا جب زبان کی لطافت و نزاکت کا خیال کرتے ہیں تو دری زبان کی ثنا میں رطب اللسان پائے جاتے ہیں۔ نظامی فرماتے ہیں

نظامی کہ نظمِ دری کارِ اوست | چنیں نظم کردن سزاوارِ اوست

اُردو کی مثال اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہندوستان کی سرزمین میں جب اُردو پیدا ہوئی ہے اُس وقت کے الفاظ کو دیکھئے پھر جو اُن میں تغیر پیدا ہوا اُس کو دیکھئے مثلاً

سوں بجائے سے۔ ہمن کو بجائے ہم کو۔ نمن بجائے طرح یا مثل۔ بھیتر بجائے اندر

اسی طرح جب انگریزی سلطنت مع اپنے تمدن و علوم کے ہند پر حکومت کرنے لگی تو کتنے لفظ نئے داخل ہو کر اُردو کے وسیع کرنے والے ہوئے اور کتنے الفاظ کے مفہوم و معنی

متغیر و متبدل ہو گئے مثلاً گلاس، لالٹین، فلالین، کوچبان وغیرہ یہ سب لو رپ سے آئے ہوئے ہیں جنہوں نے ہندی لباس پہن لیا ہے۔

تغیر معنی کی مثال کوٹھی پہلے مہاجنوں اور تاجروں کی کاروبار کی جگہ کو کہتے تھے اب اُس کے زیادہ مستعمل معنی ایسے مکان کے ہیں جس میں یورپ کی شان باعتبار ساخت و آرائش ہو۔ صاحب ایک تعظیمی لفظ تھا معزز القاب کے ساتھ بولا جاتا۔ مولوی صاحب خانصاحب اب اس کے معنی یورومین یا ہندی یوروپین وضع و معاشرت رکھنے والا۔ اسی طرح تعلیم یافتہ کے اصلی معنی ظاہر ہیں لیکن اب اس کا اطلاق انگریزی داں پر ہوتا ہے بشرطیکہ کچھ مغربیت کی اداؤں پر فریفتگی رکھتا ہو۔

غرض جس طرح اُردو زبان امتداد زمانہ و انقلاب حالات سے متغیر ہوتی رہی اسی طرح ایران کی زبان بھی موقع موقع متبدل ہوتی گئی۔ اگر تحقیق کی نظر سے اُن اوراق کا مطالعہ کیا جائے جو جابجا بکھرے ہوئے اب بھی پائے جاتے ہیں تو صاف طور پر یہ واضح ہو سکتا ہے کہ ایرانی زبان بھی ٹھیک اُسی طرح جیسا کہ ایک طفل شیرخوار ہُوں ہاں غُوں غاں سے دیباچہ اپنی گویائی کا شروع کرتا ہے فارسی زبان بھی اپنے عہدِ طفلی کی منازل کو طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی جاتی ہے لیکن مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے لئے شاعری کی محتاج ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ زبان میں اصلی حسن و خوبی اور نزاکت شاعری سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کلام شعر کے ہی سانچے میں ڈھل کر تجلا اور صحیح نو ٹو جذبات کا ہوتا ہے پس اس کے لئے زبان فارسی ہمہ تن عربوں کے مبارک قدم کی منتظر معلوم ہوتی ہے۔

فارسی شاعری پر عربی شاعری کا اثر | اس میں شک نہیں کہ بعض محبانِ ایران کو یہ بات تلخ

گزرتی ہی کہ عرب کو شاعری میں ایران کا اوستاد کیوں کہا جاتا ہی۔ لیکن اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہی کہ واقعہ یوں ہی ہی۔ پس مجبوری ہی۔ بعضوں نے اس ثبوت میں جو متفرق اشعار یا بعض مصطلحات شعریہ پیش کیے ہیں وہ خود اُن کے رد دعوی کے دلائل ہیں یا شہادت میں ناقص۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہی کہ سب سے پہلے بہرام نے اور اُس کی معشوقہ نے مل کر ایک شعر برجستہ موزوں کیا تھا، اور یہی شعر سنگِ بنیاد ایران کی شاعری کا ہی۔ بہرام نے جب ایک شیر کو زندہ پکڑ لیا اور اُسے اس قدر زیر و مجبور کیا کہ دونوں کانوں کو اُس کے کھینچکر گرہ باندہ دی تو بہادری کے جوشِ فخر میں بے ساختہ اُس کے مُنھ سے یہ مصرع نکلا

منم آں پیلِ دمان و منم آں شیر یلہ

اُس کی معشوقہ جو بہت ہی حاضر جواب تھی اور جو ہمہ دم اُس کے ساتھ رہتی تھی اُس کی طرف بہرام نے ایک نگاہ تحسین طلب ڈالی۔ اُس نے برجستہ یہ مصرع کہا

نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ

اگر اس واقعہ کو بعینہٖ اسی طرح مان لیا جائے تب بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ لفظِ بوجبلہ عرب کی اوستادی کا کیا ثبوت نہیں دے رہا ہی؟ اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہی کہ بہرام نے دیارِ عرب میں پرورش پائی تھی اور مصرع یوں ہی نام بہرام مرا و پدرم بوجبلہ یوں ہی سہی۔ پھر بھی توجیہ نے عرب کی اُستادی ہی ثابت کی۔

اس کے علاوہ چند اور متفرق اشعار ہیں۔ من جملہ اُن کے ایک یہ شعر بہ دست

ہزبرا بگیہاں انوشہ بدے جہاں را بدیدار نوشہ بدے

اس کے متعلق ہمدردانِ ایران یہ روایت کرتے ہیں کہ عضدالدولہ دیلمی کے عہد میں بعض جو عمارتیں قصرِ شیریں کی قائم تھیں اُن کے کسی دروازہ پر یہ شعر کندہ تھا لیکن اس شعر کا انداز خود اپنی قدامت سے انکار کرتا ہے۔ یہ دعائیہ شعر اور عمارت کے در پر کندہ۔ یہ تو موزوں فقرات ہیں جو شعر کے قالب میں لائے گئے ہیں۔ اہل ایران حضور شاہ میں انھیں فقرات سے سلام و تحیۃ پیش کرتے تھے۔

اسی طرح خانِ آرزو کا یہ کہنا کہ "سلاطینِ قدیمہ میں سے فرہوش نام ایک عالی شان بادشاہ تھا اس کے دربار میں گروہِ کثیر اہلِ سخن کا حاضر رہتا تھا۔ ان میں سے شیدوش نے ایک موقع پر بادشاہ بیگم کے حق میں کہا ؎

زنِ شاہ ہست در داور گردا گوزگرد و ندارد بیم از کس

(زبانِ قدیم میں درداور بمعنی شجاعت۔ گردا بمعنی سمندر۔ گوز بمعنی ہرن) یعنی بادشاہ بیگم شجاعت میں سمندر ہے ہرن کی طرح پھرتی ہے اور کسی سے نہیں ڈرتی"۔ فارس جیسا ملک جس میں چار سلسلے سلاطین باآئین کے گزر گئے اور ایسے شان و شکوہ کے ساتھ سلطنت کر گئے جس کی باتیں آج افسانے ہیں علوم و فنون اس کے یونان و روما کا پہلو مارتے ہیں۔ گلزار زمین، خداداد حسن تفریح کے سامان اور عیش و طرب میں پرستان طبیعتیں زندہ اور شعر کی قوت یہ۔ شاہی دربار کا شاعر بادشاہ بیگم کی مدح سرائی کرے اور وہ مدح ایسی ہو اگر ایران جیسے ملک کے لئے ایسی شاعری مایۂ ناز و فخر ہے اور ملک کی سرسبزی و شادابی آب و ہوا کی تازگی و دلربانگی نے اسلام سے قبل ایسے ہی شاعر دربارشاہی کے لئے

پیدا کئے تو کسی کو اس کے ماننے میں کوئی عذر نہیں کہ ایران ہمیشہ سے شاعر تھا۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھائیے تو دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ ملے گا جو ایسے باکمال شاعر ہر وقت تعداد کثیر میں پیش نہ کر دے۔ یادش بخیر قوم افغان جو آج ہند کے مختلف گوشوں میں آباد ہے اُس میں رامپور کے بے پڑھے پٹھان چار بیتی کہتے ہیں۔ وہ سماں دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ پھر ہر فریق جو کچھ کہتا ہے وہ ان اشعار سے کہیں زائد پر معنی ہوتا ہے۔

افسوس ایران کو عربوں کا شاعری میں شاگرد کہنا اُس کے پایۂ منزلت کو کچھ کم نہیں کرتا ہے۔ لیکن ایسے باکمالوں کا کلام اور پھر شعرا کی فہرست میں اُن کے اسماء کا شمار بیشک اُن کی شان کے منافی ہے۔ یہ خانِ آرزو کی ذاتی آرزو ہے جس نے چند متروک لفظوں کے ساتھ شعر کی صورت میں ظہور کیا ہے۔ دیکھئے اربابِ یورپ کی جستجو نے پہلوی زبان کی متعدد کتابیں بہم پہنچائیں۔ جو علوم و فنون کہ ایران میں تھے اُن کا نہ صرف سُراغ ہی ملا بلکہ حکما و اربابِ فن کے اقوال و اسماء تک معلومات کی رسائی ہوئی۔ لیکن نظم کے متعلق نہ تو ایک شعر مل سکا نہ کسی شاعر کا نام ہی معلوم ہو سکا۔ کیا زبان قدیم اور علوم و فنون تو اپنا نشان دینے کے لئے زندہ رہ گئے مگر فنِ ادب و انشاء کا بہترین سرمایہ لٹریچر کا نادر الوجود گنجینہ یعنی نظم، خود قوم کے گنج خانۂ دماغ اور اہل وطن کے حافظوں سے اس طرح محو و سہو ہو گیا کہ ایک دھندلا سا نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ پس جس طرح ایران عربوں سے مفتوح ہونے کا انکار نہیں کر سکتا اُسی طرح اُن کے اس احسان کو بھی مٹا نہیں سکتا کہ دینِ صحیح کی تلقین کے بعد شاعری بھی فاتح و جوادِ عرب کا ہی عطیہ ہے۔

دوسری بدیہی دلیل یہ ہے کہ شاعری زبان کو بہت جلد تراش خراش کر گھٹا بڑھا کر مہذب و نازک بنا دیتی ہے ایران پر چار خاندانوں نے مسلسل صدیوں تک حکومت کی میدان کارزار کی جو گرماگرمی رہی وہ شاہنامہ سے ظاہر ہے۔ شاہنامہ جہاں اُن کے طرز جنگ و فن سپاہگری کو بتاتا ہے وہاں وہ ایران کا دائرۃ المعارف یعنی انسائکلوپیڈیا کہے جانے کا بھی مستحق ہے۔ اہل ایران کی معاشرت باہمی تعلقات مآکل و مشارب لباس و پوشاک ان سب کا جہاں اس سے سراغ ملتا ہے وہاں شاعری کا نام و نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ جس عہد کی داستانیں ہیں اُس وقت کے کسی شاعر کا ذکر بلکہ اسم تک نہیں پایا جاتا۔ پھر خود شاہنامہ کی زبان ایسی ہے جس میں بہت کچھ سختی و سنگینی ہے جس کو فردوسی سے بعد آنے والوں نے بنا سنوار کر اس درجہ تک پہنچایا جہاں پہنچ کر وہ مسند کمال پر مستقر ہو گئی اور یہ ساری ترقی چوتھی صدی سے شروع ہو کر پانچویں صدی پر ختم ہو جاتی ہے۔

دور اول کے شعرا کے کلام کو پڑھئے بندش ڈھیلی الفاظ پھس پھسے۔ بے ضرورت حروف کا بڑھنا گھٹنا بے قاعدہ متحرک کو ساکن ساکن کو متحرک بنا دینا نہایت بے موقع لفظ فارسی کو مشدد کر دینا آپ جا بجا پائیں گے۔ اس پر الفاظ کا ثقل اور بھی غضب ڈھاتا ہے اضافت تشبیہی کا نام نہیں استعارہ خال خال جس میں کوئی ندرت نہیں اگر وزن کو توڑ دیجئے تو ڈھیلی عبارت نثر کی ہو جائے۔ شعر میں وہ چستی نہیں کہ الفاظ تھوڑے اور معنی وسیع کو محیط۔ یعنی ایک شعر کا مضمون اگر نثر میں لایا جائے تو دو سطریں ہوں یہ سب اس امر کے بین ثبوت ہیں کہ ابھی شاعری کی مشق اول ہی زبان ترقی پا کر شاعری تک آ گئی لیکن شاعر

اپنے عہد طفولیت میں ہی۔ اس سے بھی بڑھکر یہ ثبوت ہی کہ اس وقت جو کلام دوراول کے شعرا کا پایا جاتا ہی اُس میں اگر کوئی شعر اپنے معنی کی وجہ سے بلیغ ہی تو وہ بعینہ ترجمہ کسی عربی شعر کا ہی۔ اس کثرت سے عربی اشعار کا ترجمہ قدیم شعرائے ایران کے کلام میں پایا جاتا ہی جس سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ ابتدائی مشق اس طرح شعر کی گئی ہی کہ عربی اشعار کو فارسی میں ترجمہ کیا ہی۔ پھر اُسے نظم میں لے آئے ہیں۔ اگر شاعری ایران میں قبل از اسلام موجود ہوتی تو ناممکن تھا کہ جہاں عرب کے کلام کو منظوم کیا تھا وہاں اپنے شعرائے سلف کے کلام کو بھی موجودہ زبان کا لباس نہ پہناتے۔ دیکھئے کعب ابن زہیر جو عرب کے مشہور شعرا میں سے ہیں سبعہ معلقہ کے سات قصیدوں میں سے ایک ان کا قصیدہ بھی ہی وہ ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

مَا اَرَانَا نَقُوْلُ اِلَّا مُعَاراً ‏ ‏ اَوْ مُعَاداً مِنْ قَوْلِنَا مَکْرُوْراً

یعنی ہم جو کہتے ہیں وہ اگلوں سے مستعار لیا ہوا خیال ہوتا ہی یا اپنے ہی ایک بار کے کہے ہوئے کو پھر دوہرا دیتے ہیں۔ جیسا کہ شراب کی مدح میں اعشیٰ کا ایک شعر ہی ؎

وَکَاْسٍ شَرِبْتُ عَلیٰ لَذَّۃٍ ‏ ‏ وَاُخْرٰی تَدَاوَیْتُ مِنْہَا بِہَا

یعنی پہلا ساغر تو میں نے لذت و سرور کے لئے پیا لیکن دوسرے جام سے اُس درد کی دوا کی جو پہلے پیالے سے پیدا ہو گیا تھا۔ اسی مضمون کو بغداد کا مشہور شاعر ابو نواس عجب مستانہ طرز سے ادا کرتا ہی ؎

دَعْ عَنْکَ لَوْمِیْ فَاِنَّ اللَّوْمَ اِغْرَاءُ ‏ ‏ وَدَاوِنِیْ بِالَّتِیْ کَانَتْ ھِیَ الدَّاءُ

بنی ملامت کرنا چھوڑ اس لئے کہ ملامت شراب نوشی پر تو اور بھی برانگیختہ کرتی ہے۔ ہاں جو مرض ہے اسی سے دوا کر (یعنی شراب لا) یہی ابونواس کا دوسرا شعر وہ ہے جو اُس نے فضل بن ربیع کی شان میں کہا تھا جس میں بلا کا اچھوتا تخیل ہے ؎

لَیسَ عَلَی اللہِ بِمُستَنکَرٍ　　اَن یَجمَعَ العَالَمَ فِی وَاحِدٍ

یعنی قدرت خداوندی کے نزدیک یہ کیا محال ہے کہ وہ ایک شخص واحد میں ایک عالم کو جمع کردے۔ بغداد کی گلی گلی میں اس شعر کا چرچا پھیل گیا۔ لوگوں نے ابونواس سے پوچھا کہ یہ نادر خیال تمھاری قوتِ متخیلہ نے کیوں کر پیدا کیا۔ اُس نے کہا کہ جریر کے ایک شعر سے یہ مضمون ماخوذ ہے۔ اُس نے قبیلہ بنو تمیم کے مدح میں جو قصیدہ کہا ہے اُس کا ایک شعر یہ ہے ؎

اِذَا غَضِبَت عَلَیکَ بَنُو تَمِیمٍ　　حَسِبتَ النَّاسَ کُلَّھُمُ غِضَابَا

یعنی جب تم سے بنو تمیم غصہ ہو جائیں تو سمجھ لو کہ تمام بنی آدم تم سے غصہ ہو گئے۔ اب اسی مضمون کو عنصری کہتا ہے ؎

کس از خدائے ندارد عجب اگر دارد　　ہمہ جہان را اندر یکے تنِ تنہا

کیا یہ ابونواس کے شعر کا ترجمہ نہیں کیا اس کی بندش ڈھیلی نہیں۔ پورے شعر میں ابونواس کے جس قدر الفاظ ہیں اُس قدر یہاں ایک مصرع میں موجود ہیں پس اگر ایران میں شاعری پہلے سے ہوتی تو جس طرح ابونواس نے جریر یا اعشیٰ کے شعر سے ایک مطلب لیکر اپنی چست بندش سے شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اُسی طرح اہلِ ایران بھی اپنے اسلاف کے کلام کو بلند کر دکھاتے لیکن جب کہ اسلاف کا خزانہ اس گنج سے خالی ہو تو یقیناً دوسروں

کی طرف دستِ تمنا دراز کرنا ہوگا۔ اسی بنا پر انوری نے اپنے محسن و معطی کی سپاس گزاری اور ان کی تقلید و تلمذ کا نہایت فراخ حوصلگی سے اقرار کیا ہے وہ کہتا ہے ؎

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود　　اولِ شاں امرالقیس آخرِ شاں بونواس

اب صرف اس امر کو مقام دلیل میں لانا کہ اصنافِ سخن کے لئے اصطلاحیں خالص فارسی لغات میں موجود ہیں یہ اسلام کی بے تعصبی و نصفت پسندی سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے کبھی کسی کے مذہب یا زبان سے تعرض نہیں کیا۔ یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جو براہین و دلائل کا محتاج نہیں ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

لیکن اب اس کو کیا کیا جائے کہ خود ہی باطل صدق و حق میں آہستہ آہستہ جذب ہوتا گیا۔ اور اس طرح ایرانی مذہب نیست و نابود ہو کر تقریباً ایرانی مسلم کا مرادف ہو گیا۔ اسی طرح عربی زبان (جو بولتی زبان ہے) اپنی گویائی و نطق سے بے معنی صداؤں کو خاموش کرتی گئی۔ اس وقت کہ اسلام کا مبارک قدم ایران میں آیا ہے ان کی اپنی زبان پوری قوت کے ساتھ زندہ تھی۔

فارسی میں اصطلاحات شعریہ اسلام کی بے تعصبی اور زبان کی زندگی دونوں نے مل کر اہل ایران سے اصطلاحات وضع کرائیں۔ فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایران فتح ہوا۔ اس وقت سے لیکر ابتدائے عہد حجاج تک دفتر کی زبان فارسی رہی۔ دفاتر جب خلیفہ کے سامنے معائنہ کے لئے پیش ہوتے تو ان کا ترجمہ عربی میں ہو کر ملاحظہ کے لئے آتا۔

خدا کی بے شمار رحمت اُن نفوسِ قدسیہ پر جنہوں نے براہ راست بارگاہ نبوت سے تزکیہ و تصفیہ حاصل کیا تھا جس کی بدولت ان میں اس قدر بے تعصبی و شفقت علی الخلق پیدا ہو گئی تھی۔ اُن کے حوصلے کی بلندی و دماغ کے وسعت نے کبھی اس طرح کی تنگ خیالی کا وہم بھی ہونے نہ دیا۔ یہ تو صرف عربی زبان کے ذاتی محاسن و کمال کا نتیجہ تھا جو فارسی زبان نے غریب الوطن بدیسی عربی مہمان کو اس فراخ دلی سے اپنے ہم وطن جیسا بنا لیا۔ حکومت عربوں کی تھی عمال و گورنر عرب ہی ہوتے تھے۔ رعایا کو آئے دن جو ضرورتیں پیش آتی تھیں اُن کے انصرام کے لئے نیز حکام کے ساتھ تعلقات و روابط کو صحیح طور پر مستحکم بنانے کے لئے عربی سیکھنے کی انھیں ضرورت پیش آئی۔ جب عربی کی تعلیم شروع ہوئی اور اس زبان سے اہل ایران مانوس ہوئے تو اُس کے ہر لفظ میں جو فلسفہ تھا اُس کی خوبی نے انھیں اپنا دلدادہ و شیدا بنا لیا۔ اب جو دیکھا تو عربوں کے پاس اظہار جذبات کا فوٹو بھی تھا جسے وہ شاعری کہتے تھے۔ فارسیوں نے زبان عربی کے ساتھ اس نقاشی اور فوٹوگرافی کو بھی سیکھنا شروع کر دیا۔ اہل ایران کے لئے شاعری ایک عجیب و غریب شے تھی جس کی لذت سے قبل میں وہ قطعاً آشنا نہ تھے۔ پس ملک کے ہر فرد کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لئے تعلیم یافتہ اشخاص نے اُسی وقت فارسی زبان میں ہر صنفِ سخن کے لئے ایک علیحدہ اسم قرار دیا اور اس طرح اصطلاحاتِ شعریہ کا وجود عالمِ لغت میں آگیا۔ نظم کا نام "چامہ" نثر کا "چکامہ" غزل کا "پیوستہ" قصیدہ کا "پرکندہ" وزن شعر کا "پساوند" اسم و رسم قرار پایا۔ لیکن عربی زبان کا ایک ایک لفظ جو فلسفہ و حکمت سے لبریز تھا اور جس میں معنوی وسعت و حلاوت کے سبب یہ کمال تھا

کہ ہر طرح کے خیالات بلا تخصیص بہت سہولت سے پوری طرح ادا ہوجاتے تھے۔ اس نے اپنی حلاوت و شیرینی سے بہت سے مواقع پر فارسی کے لب بند کردیے اور بہت سے الفاظ فارسیہ اس کے وسیع دامن میں گم ہوگئے۔ جب میزبان و مہمان باہم شیر و شکر ہوکر مل گئے تب روزمرہ کی گفتگو میں بھی چاشنی الفاظ عربی کی ہوئی۔ وہ کلام بے نمک ہوتا، وہ تقریر بے مزہ ہوتی جس میں عرب و عجم کی آمیزش نہ ہوتی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب اپنی زبان کے الفاظ ایک معتدبہ مقدار میں اُن سے متروک ہوگئے اور اُن کی جگہ صرف عربی الفاظ رہ گئے۔ اب نظم کا نام چامہ رہا نہ نثر کا چکامہ۔ ہاں ان مصطلحات کا وجود صرف لغات میں مثل دیگر متروک الفاظ کے رہ گیا۔ اب باوجود ان قرائنِ واضحہ کے پھر بھی یہ دعویٰ اور اس پر غلو کہ ایران میں شاعری پہلے سے تھی یہ تو محض خوش اعتقادی و وہم پرستی اور دورِ آخر کے تعصب کا نتیجہ ہے جس کے سامنے تمام دلائل بے سود ہیں۔

آب و ہوا کا اثر شاعری پر

ہاں یہ ضرور ہے کہ ایران میں جب شاعری آئی تو اس نے یہاں پھنچکر نئی نئی حسین شکلیں پیدا کرلیں اور ملک کی آب و ہوا نے اپنی شادابی و تازگی سے بہت جلد فارسی شاعری کو ایک عروسِ دل آرا بنا دیا۔ لیکن پھر بھی بعض خصوصیاتِ عرب ایران میں نہ آسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعری پر ملک کی آب و ہوا کا بہت کچھ اثر پڑتا ہے جو چیزیں کہ نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں اور خصوصیات ملکی جس طرح کے جذبات و کیفیات قلوب میں پیدا کیا کرتی ہیں اُسی کو شاعری کا باعث خمیر سمجھنا چاہیے۔ اس لئے ہر ملک کا باشندہ اپنے پسند کا معیار جداگانہ رکھتا ہے۔ ایک ہندی عاشق زلفِ معشوق کی

تشبیہ و توصیف میں بھونرے اُڑاتا ہی، برسات کی رات اور کالی گھٹا کو اُس کا عکس بتاتا
ہی۔ عرب زغال یعنی کوئلہ کو شرمندہ کرتا ہی۔ جی چاہتا ہی تو عنبر و مشک سے بھی دماغ معطر کر لیتا
ہی۔ ایرانی سنبل سُنگھاتا ہی۔ اہل یورپ سونے کو مقابل میں لاتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے ملک
کی خصوصیتیں ہیں۔ قاعدہ ہی کہ جس چیز سے انسان کو راحت ملتی یا فرحت و انبساط حاصل
ہوتا ہی تو اُس چیز کے ساتھ ایک گونہ دل کا لگاؤ ہو جاتا ہی۔ پھر جب کہ وہ چیزیں اپنے ہی
ملک کی ہوں تو پھر دلی میلان کا کیا پوچھنا۔ دیکھئے عرب کا ملک ریگستان اور کوہستان ہی۔
پتھریلی خاکی، ہموار ناہموار نشیب و فراز متعدد اقسام کی زمین اُس میں تھی۔ پھول اور
پھل کے درخت کا وہاں نام تک نہ تھا۔ جو درخت پائے جاتے تھے وہ روکھے سوکھے
اور اکثر خاردار تھے۔ زراعت کے لئے نہ زمین قابل تھی، نہ پانی میسر تھا۔ عربوں کا اسی ملک
میں رات دن رہنا سہنا اور خانہ بدوش پھرنا کام تھا۔ قدرت نے ان کے زندہ رہنے
کے لئے دو چیزیں دے دی تھیں حیوانوں میں اونٹ اور نبات میں کھجور۔ انھیں دو
چیزوں سے عربوں نے ہر طرح کے سامان عیش و حیات اپنے لئے پیدا کر لئے تھے۔
دشوار گزار کوہستانی و ریگستانی منازل کو اس عجیب الخلقت جانور کی مدد سے طے
کرتے تھے اس کی اُون سے کپڑے بناتے اس کی کھالوں کا خیمہ بنتا اس کے دودھ
سے پورا کنبہ پرورش پاتا۔ ذبح کر کے اس کے گوشت سے پورے قبیلہ کی دعوت کرتے
اور دادِ سخاوت لیتے۔ یہی حال کھجور کا تھا۔ اُس کو کھاتے اُس کے شیرے سے ہر طرح
کی شیرینی بناتے اُس کی شاخوں سے مکان چھاتے اُس کو کاٹ کر ستون بناتے

غرض یہ اونٹ اور کھجور چونکہ عربوں کی ہر طرح کی راحت کا سامان تھے اور ان کا کوئی جز
اُن کے لئے بے کار نہ تھا اس لئے اُن کے کلام میں ان دونوں کے لئے بکثرت لغات
وضع ہوئے۔ استعارے اور تشبیہ میں ان دونوں سے کام لیا گیا۔ ان دونوں کی مدح میں طرح طرح
کے راگ گائے گئے۔ یہ سب اس لئے کہ ان دونوں نے عربوں کو بہت ہی آرام پہنچایا تھا۔
خود انکے ملک کی چیزیں تھیں پھر کیا وجہ جو عربوں کو محبوب نہ ہوتیں۔ عرب کی آب و ہوا جس طرح
کے جذبات دلوں میں پیدا کرتی ہے وہی شعرائے عرب کے گلزارِ کلام کا شگفتہ چمن ہے
اب اگر کسی ملک کا باغ اس تختۂ چمن سے محروم ہو تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔

اقوام و امم کا مورخ جب عرب کی وادیوں میں قدم رکھتا ہے تو اُسے عربی قوم کے
خون کا نظام تمام اقوام عالم سے جدا اور عزت و شرافت انسانی سے مالامال دکھائی دیتا ہے۔
آزاد عرب حریت کے والہ و شیدا شجاعت و سخاوت کے دل دادہ جفاکشی و محنت کے عادی
غیرت و حمیت کے فدائی کاہلی و بزدلی سے نفور بخل و دنائت سے بمراحل دور۔ غرض یہ کہ محکومیت کے
شکنجے سے مامون رہ کر آزاد زندگی بسر کرنے والے اور فضائے حریت میں جذباتِ فطری کو
نشو و نما دینے کے عادی تھے۔ ہمت کی وہ پستی اور حوصلے کی وہ شکستگی جو مسلسل محکومیت سے
قوم میں پیدا ہو جاتی ہے اُس سے قطعاً آشنا نہ تھے۔

اس لئے ایام جاہلیت کے قصائد دوسروں کی تعریف میں بہت کم ہیں اور جو کچھ ہیں وہ
ممدوح کے واقعی اوصاف کے مظاہر ہیں۔ حرص و آز عرب کی قوتِ بیانیہ کو جنبش دے نہیں سکتے
تھے۔ جیسا کہ بنو تمیم نے جب ایک شاعر جاہلیت سلامہ بن جندل کے سامنے یہ درخواست

پیش کی کہ عِجّدنَا بِشِعرِکَ یعنی اپنے اشعار مدحیہ سے مجھے عزت بخش تو اس نے نہایت صفائی سے یہ جواب دیا کہ اِفعلُوا حتّیٰ اَقُولَ یعنی کچھ کر دکھاؤ تو ہم بھی کچھ کہیں۔

عربی شاعری کی بنیاد کمالات ذاتی پر ہے

عرب کی شاعری ہمیشہ اس عیب سے پاک و صاف رہی کہ اُس کی فصاحت و بلاغت اور اُس کا جوشِ بیان سلاطین و امرا کے خوف و طمع سے مرعوب و مرہون نہ رہا۔ عربوں میں شاعری کی ابتدا رجز خوانی سے ہوئی اور یہ صنفِ کلام کمالاتِ ذاتی چاہتی ہے، نہ ثنائے ملوک و اہل دول۔ اس لئے شعرائے عرب کے قصائد اُن کے محاسن و فضائل کے روشن آئینے ہیں جن میں جوہرِ ذاتی کے تمام خط و خال جھلک رہے ہیں اور اُن پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

نے گلِ نے بلبلِ نے شمع نے پروانہ ام ‌ ‌ ‌ عاشقِ حسنِ خودم بر حسنِ خود دیوانہ ام

عربی شاعری اسی پیمانے پر اُس وقت تک رہی جب تک عرب کا تمدن ایران کی دل فریب معاشرت سے ہم آغوش نہ ہوا۔ دیکھئے عرب جب بے یار و مددگار رہ جاتا ہے اور حوادثِ دہر اس سے خویش و اقارب احباب و اعزہ کو چھین لیتے ہیں تو وہ اپنی اس بیکسی و تنہائی کو بھی اپنی اُسی شجاعت و خودداری عزم و استقلال کے لہجے میں بیان کرتا ہے ؎

ذَهَبَ الَّذِينَ اُحِبُّهُمْ ‌ ‌ ‌ وَبَقِيتُ مِثْلَ السَّيْفِ فَرْدًا

(جن لوگوں کو میں دوست رکھتا تھا۔ وہ سب کے سب چل بسے اور میں مثل تلوار کے تنہا رہ گیا)

اسی طرح مصیبت کے وقت دوسروں کا دست نگر ہونا یا مضطرب و بے قرار ہو کر اپنے پائے استقامت و متزلزل کرنا عرب کی غیور طبیعت گوارا کر نہیں سکتی وہ شرافتِ نفس کو بدرجۂ غایت عزیز

رکھتا ہے اور حریت جیسے گراں مایہ جوہر کو سنگِ مصائب و اضطرار سے چکنا چور ہونے نہیں دیتا
وہ کہتا ہے ؎

فَلَوْ كَانَ يُغْنِي اَنْ يُرَى الْمَرْءُ جَازِعًا ۔۔۔ بِحَادِثَةٍ اَوْ كَانَ يُغْنِي التَّذَلُّلُ
لَكَانَ التَّعَزِّي عِنْدَ كُلِّ مُصِيبَةٍ ۔۔۔ وَنَائِبَةٍ بِالْحُرِّ اَوْلَى وَاَجْمَلُ

(اگر نزول حادثہ کے وقت مرد کا مضطر ہونا یا لوگوں کے روبرو ذلیل ہونا مفید معلوم ہو۔ تب بھی آزاد مرد کے لئے مصیبت میں صبر ہی زیبا تر و لائق تر ہے)

جنگ کی گرما گرمی میں جب کہ تلوار اور نیزوں کی چمک تیروں کی بارش لڑنے والوں کو فرار کی راہ بتا رہی ہو اُس وقت عرب کا شاعر یوں کہتا ہے ؎

فَلَسْنَا عَلَى الْاَعْقَابِ تُدْمَى كُلُومُنَا ۔۔۔ وَلٰكِنْ عَلَى اَقْدَامِنَا تَقْطُرُ الدِّمَاءُ

(یعنی ہم وہ نہیں ہیں جن کی ایڑیوں پر خون بہے۔ بلکہ ہمارے خون کے قطرے بہہ کر قدم پر گرتے ہیں)

عرب جس طرح کہ تذلیل نفس اور جبن و بزدلی کو اپنی شان کے خلاف جانتا ہے اُسی طرح بخل و مال اندوزی اُس کے علو ہمتی و شرافت عربی کے خلاف ہے۔ اُس کو مالکِ گنج و خزانہ کہنا اُس کی سخت توہین کرنی اور کھلی گالی دینی ہے ؎

اَعَيَّرْتَنَا اَلْبَانَهَا وَلُحُومَهَا ۔۔۔ وَذَالِكَ عَارٌ يَا ابْنَ رَيْطَةَ ظَاهِرٌ

(ہم پر اونٹوں اور اُن کے دودھ و گوشت کے بکثرت ہونے کا تو نے عیب لگایا ہے۔ اے ابن ریطہ اس کا مصرف جب ہم بیان کرینگے تو تیرا یہ الزام جاتا رہے گا)

نُحَابِي بِهَا اَكْفَائَنَا وَنُهِينُهَا ۔۔۔ وَنَشْرَبُ فِي اَثْمَانِهَا وَنُقَامِرُ

[اونٹوں کو ذبح کرکے اعزہ واقارب فقراء ومساکین کو کھلاتے ہیں اور ان کی قیمتوں سے ہم شراب پیتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں]

ایک دوسرا شاعر اپنے اور اپنے قبیلہ کی نفرت و بریت بخل سے یوں بیان کرتا ہے ؎

وَاللُّوْمُ دَاءٌ لِوَبْرٍ يُقْتَلُوْنَ بِهٖ ‏ وَلَا يُقْتَلُوْنَ بِدَاءٍ غَيْرِهٖ اَبَدًا

(یعنی بنی وبر کے لئے بخل ہی ایک قاتل مرض ہے۔ اور بجز اس درد کے کسی اور مرض سے کبھی نہیں مرتے)

ایک تیسرا شاعر اپنے عزم بالجزم کا اظہار کرتے ہوئے اس طرح قسم کھاتا ہے ؎

بَقِيْتُ وَفْرِيْ وَانْحَرَفْتُ عَنِ الْعُلٰى ‏ وَلَقِيْتُ اَضْيَافِيْ بِوَجْهٍ عَبُوْسٍ

(میں بہت مال چھوڑ کر مروں اور بلندی مراتب کی طلب سے انحراف کروں اور اپنے مہمانوں کا استقبال ناگواری ترش روئی سے کروں)

اسی طرح وہ شرافتِ نسب کو اپنے اخلاق و شریفانہ جذبات سخاوت و شجاعت کا محافظ جانتے تھے نسب کی بربادی کو اپنے لئے اپنے قبیلہ و خاندان کے لئے ایک مصیبتِ عظمیٰ جانتے اگر کہیں سلسلہ نسب میں کچھ بھی نقص نکل آتا تو ساری عزت کا خاتمہ ہو جاتا۔ اخلاق و سیرت میں نسب کا دخل و اثر وہ یہاں تک تسلیم کرتے تھے کہ گھوڑے اور اونٹ کا نسب نامہ بھی ان کے پاس ہوتا۔ اور حیوانوں میں بھی شریف و اعلیٰ نسب کو خراب و تباہ نہونے دیتے۔ عرب کہتا ہے ؎

لَعَمْرُكَ مَا اَخْزٰى اِذَا مَا نَسَبْتَنِيْ ‏ اِذَا لَمْ تَقُلْ بُطْلًا عَلَيَّ وَمَيْنًا

(تیری جان کی قسم میں رسوا نہ ہونگا جب کہ تو میرا نسب صحیح صحیح ٹھیک بلا دروغ و افترا بیان کرے گا)

مضامین کے اعتبار سے یہ وہ خصوصیات ہیں جن کو ایرانی شاعر اپنے آپ میں پا نہیں سکتا
صدیوں تک بیہم جو اُن پر زبردست حکومت رہی اُس نے اُن کے اُن جذبات کو فنا کر دیا
جو عرب میں بدرجۂ کمال موجود تھے اور جس کا تلاطم اُن کے سینوں میں جب موجیں مارتا تو ایسے
اشعار بے ساختہ اُن کے مُنہ سے نکلتے اور طرفہ یہ کہ اُن کے افعال اُن کے اقوال سے بھی
بڑھکر آزاد و غیور رہتے۔

آب و ہوا کا ایک اور اثر | ملکی آب و ہوا کا ایک یہ بھی اثر تھا جو عرب اپنے اسلوب بیان کا انداز
خاص رکھتا ہی۔ عموماً جب قصیدہ شروع کرتا ہی تو سامع کی دلچسپی اور اپنے مقصد کی دل آویزی
کے لئے پہلے دیارِ یار کا ذکر کرتا ہی۔ وہاں کے کھنڈروں اور آثار کو اپنی شاعرانہ نگاہ سے
دیکھتا ہی۔ خود روتا ہی دوسروں کو رولاتا ہی۔ شکستہ در و دیوار کو کبھی خطاب کرتا ہی اور کبھی
اُن پتھروں کو دیکھکر جن سے چولھے کا کام لیا جاتا تھا ایک نالۂ جگر دوز کرتا ہی۔ وہاں کی
ہودج نشین مستورات کا تذکرہ تصویر درد و غم ہو کر کرتا ہی۔ مصیبت کی داستان جب کہ ایسے
دل گداز پیرایہ میں بیان کی جائے تو سامع کی ہمدردی قائل کے ساتھ ہو ہی جاتی ہی۔ اب
وہ یہاں سے مضامین عشقیہ کی طرف رجوع کرتا ہی جسے اصطلاح شعرا میں نسیب کہتے
ہیں اِس میں اپنے عشق کے ولولے اور محبت کے جوش کو ظاہر کرتا ہی۔ فراق کے درد سے
آہ سرد بھرتا ہی۔ یہ عشق و حسن کی داستان اُن غم خوار سامعین کو اور بھی متوجہ و مائل
بنا دیتی ہے۔ وہ کونسا دل ہی جو حُسن کا خواہاں نہیں اور کس کا قلب ہی جس میں
عشق کی چاشنی نہیں۔ اِس قدر کلام کا حصہ جب سامع کو ہمہ تن گوش بنا دیتا ہی تو وہ

اپنے شعر میں سفر کرتا ہی۔ راتوں کی بیداری، تمازت آفتاب کی گرمی، لو کی لپٹ تندو تیز ہواؤں کے ہوش رُبا جھونکے، راستے کی ناہمواری، اونٹ کی مضبوطی و تیز روی اُس کی بعد مسافت و شدائد سفر سے اُس کی لاغری۔ غرض ایسی ایسی باتیں کہتا ہی جن سے اُس کی جفاکشی استقلال ہمت و مردانگی ظاہر ہوتی ہی۔ اب وہ اپنے قصیدے میں گریز کرتا ہی اور کہتا ہی جو کچھ کہنا چاہتا ہی۔ چاہے میدانِ جنگ کے اپنے شجاعانہ حملوں کا بیان کرے یا اپنی شرافتِ نسب و حریت کا خطبۂ بلیغ پڑھے یا اپنے ممدوح کو اپنے کلام سے عزت بخشے

عربی قصائد کے چند اور لوازم

عربی قصائد میں علاوہ ان باتوں اور اپنے ذاتی فخر و مباہات کے (جس کے وہ ہر طرح مستحق ہیں)، چند اور چیزیں ہیں ایک تو اُن کا وہی محبوب جانور اونٹ جس کا بیان ہزاروں طرح سے عرب کرتا ہی اور پھر بھی اُس کی طبیعت سیر نہیں ہوتی دوسرے پہاڑ اور ریگستان اور ان مقامات کے لوازم یہ وہ چیزیں ہیں جن کو وہ خوب کہتے ہیں۔ چوں کہ یہ سب چیزیں عرب کے پیشِ نظر ہیں اور ان کا ملک ان چیزوں کے سوا اور کچھ اُن کے سامنے پیش نہیں کرتا اس لئے کلام بھی اور چیزوں کے ذکر سے مستغنی ہی۔

مناظر قدرت

ہاں کبھی کبھی بارش اور موسلا دھار پانی کی روانی بھی اُن کے کلام میں پائی جاتی ہی۔ اگرچہ وہاں بھی اُونٹ اپنی ہیولانی صورت کے ساتھ پانی کا بند بنا ہوا معلوم ہوتا ہی۔ چنانچہ عرب کا مشہور شاعر ابن مطیر جب کہ والی مدینہ کے پاس پہنچا تو اُس روز وہاں پانی خوب برسا تھا۔ والی نے فرمائش کی کہ آج کی بارش کے متعلق کچھ کہو۔ ابن مطیر نے کہا کہ پہلے منظر اور سماں دیکھ لوں پھر کچھ کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ ایک بلند مقام

پر چڑھا اور ہر طرف نگاہ ڈال کر کیفیت ملاحظہ کی۔ پھر جو والی کے پاس آیا تو ایک قصیدہ
تیار تھا۔ لیکن بادل کی تشبیہ اونٹ سے دی گئی اور پورے قصیدے میں اسی کا تلازمہ رہا
اسی ذیل میں جو اشعار کہ گھنگھور گھٹا اور موسلا دھار پانی اور بجلی کے چمک میں کہہ گیا ہے وہ
عجب بلاغت کا نمونہ ہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

مُسْتَضْحِكٌ بِلَوَامِعٍ مُسْتَعْبِرٌ | بِمَدَامِعٍ لَمْ تَمْرِهَا الْأَقْذَاءُ
فَلَهُ بِلَا حُزْنٍ وَلَا بِمَسَرَّةٍ | ضَحِكٌ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ وَبُكَاءُ

(بادل بجلیوں کی چمک کے ساتھ ہنستا ہے اور لگاتار بارش سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خس و خاشاک میل کچیل سے
صاف و شفاف آنکھیں ہیں جو آنسوؤں سے رو رہی ہیں بلا خوشی کے ہنستا ہے اور بلا غم کے روتا ہے اس کی
ہنسی رونے سے ملی ہوئی ہے)

ذَابَ السَّحَابُ فَهُوَ بَحْرٌ كُلُّهُ | وَعَلَى الْبُحُورِ مِنَ السَّحَابِ سَمَاءُ

(سارے بادل گھل کر دریا کے دریا ہو گئے اور دریا پر بادل کا آسمان چھا گیا)

سُحْمٌ فَهُنَّ إِذَا كَظَمْنَ فَوَاحِمٌ | سُودٌ وَهُنَّ إِذَا ضَحِكْنَ وِضَاءُ

(وہ بادل بہت ہی سیاہ ہیں مگر جب پانی بھر لیتے ہیں تو اس وقت کوئلہ ہو جاتے ہیں سیاہ ہیں مگر جب
ہنس دیتے ہیں تو روشن ہو جاتے ہیں)

لَوْ كَانَ مِنْ لُجَجِ السَّوَاحِلِ مَاؤُهُ | لَمْ يَبْقَ فِي لُجَجِ السَّوَاحِلِ مَاءُ

(اگر سواحل کے عمق سے ان دریاؤں میں پانی آیا ہوتا تو سواحل خشک ہو جاتے اور ایک قطرہ بھی پانی کا ان میں
باقی نہ رہتا)

وہ اشعار جن میں بارش و باران ابر و سحاب کی تشبیہ اونٹنی اور اس کے شیر و حمل وغیرہ سے دی گئی ہے، ان کو پیش کرنا فضول سمجھا۔ ہند کی سرزمین میں اس کا بیان کیا لطف پیدا کر سکتا ہے۔ یہاں مقصود صرف اسی قدر ہے کہ شاعر جن چیزوں کو دیکھتا ہے اور جو اس جس طرح کے جذبات پیدا کرتے ہیں شاعر انھیں کو الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے عربوں کے کلام میں قصائد ہیں اور مراثی ہیں اور یہ دونوں صنفیں نظم کی بدرجۂ کمال پائی جاتی ہیں۔ اور ان دونوں سے مقصود اپنے خصائص و فضائل کو زندہ رکھنا اور آیندہ نسلوں کو رغبت دلانا تھا۔ غزل ان کے کلام میں اپنی مستقل حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ چاہیے تو تشبیب کو غزل کہہ لیجیے۔ اسی طرح مثنوی کے صنف سے بھی ان کا کلام خالی ہے۔ حالانکہ اس کا مواد جس اکثار و فراوانی کے ساتھ عربوں کے پاس تھا اس کا اقتضا یہ تھا کہ ایک عظیم الشان کتب خانہ آج ایام جاہلیت کی مثنویوں سے مزین و آراستہ ہوتا بہت سی باتیں عربی شاعری میں اسی وجہ سے نہ آسکیں کہ ان کا بیان صنفِ مثنوی کا خواہاں تھا ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم چناں کہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور

فارسی شاعری کی تاریخ اور تدریجی ترقی

اب فارسی شاعری کی تاریخ اور اس کی تدریجی ترقی اور ان خصوصیات پر نظر ڈالنے کی حاجت ہے جو اس میں باعتبار مضمون اور انداز بیان کے پائی جاتی ہیں۔ تاکہ استاد اور شاگرد کی خصوصیتِ خاصہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔ محققین السنۂ مشرقیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ فارسی زبان اپنے حسن و دل آویزی یعنی مرتبۂ شاعری تک پہنچنے کے لیے عربوں کی سی بازنگاہی کی محتاج نے شعر کی حقیقت اور اس کی

قوت و کیفیت سے اپنے تلامذہ کو آگاہ کیا اور کچھ ایسے خوش آیند لہجے میں دعوت شعر کی نغمہ سرائی کی کہ ایران کے تمام گوشے لبیک کی صدا سے گونج اُٹھے۔ یہ امر تو مسلّم ہو چکا کہ ایران میں شاعری کی ابتدا اکتسابی طور سے ہوئی۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ تعلیم یافتہ ایرانیوں نے پہلے پہل جو شاعری کے لئے زبان کھولی، وہ کلام کس زبان میں تھا۔ اگر معان نظر سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مشق شاعری کی عربی ہی زبان میں کی گئی تاکہ اُستاد کی اصلاح سے کلام مرصع ہو جائے اور نکاتِ شعریہ کے دقیق مسائل اچھی طرح حل ہو کر سمجھ میں آ جائیں۔ جب عربی میں شعر کی مشق ہو گئی اور شعر گوئی کا طریقہ اور صحت کی راہ معلوم ہو گئی تو اپنی ملکی اور مادری زبان کی طرف فوراً متوجہ ہو گئے۔ اس لئے کہ علم ہو یا فن جب تک اُس پر غیر زبان کا قفل چڑھا ہوا ہے اُس میں کمال بہم پہنچانا اگر محال عقلی نہیں تو محالِ عادی ضرور ہے۔ اس لئے اہلِ ایران نے اپنی بحور بھی علیحدہ قرار دیں اور انھیں جدید مقررکردہ بحروں میں اُنھوں نے شاعری کی داغ بیل ڈال دی۔ لیکن ابتدائی اشعار کی یہ حالت تھی کہ جس طرح ایک بھولا آدمی سیدھی سیدھی باتیں کرتا جاتا ہے اُسی طرح فارسی کے وہ اشعار تھے جن میں بہت جلد رنگینی و چستی پیدا ہو گئی۔ اس کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے اس طرح خیال کرنا چاہیئے کہ انسان کو کھانے کے لئے غذا، رہنے کے واسطے مکان، بدن ڈھانکنے کو ستر، حملۂ اعدا سے محفوظ رہنے کے لئے سپر اور حملہ آور ہونے کے لئے آلات درکار ہیں۔ اب انسان اپنی ان ضرورتوں کو جن چیزوں سے پورا کرتا ہے وہ دو قسم کی ہیں: ایک تو وہ جو اپنی موجودہ سادی اور خلقی صورت میں انسان کی

خدمت کے لئے زبانِ حال سے لبیک کی صدا بلند کر رہی ہیں جیسے غار و خندق سکونت کے لئے جنگلی برگ و بار غذا کے لئے، درختوں کے لمبے چوڑے پتے ستر پوشی کے لئے، پتھر کے ٹکڑے اور درختوں کی خشک و تر شاخیں اسلحہ بننے کے لئے ہر وقت طیار ہیں اور یہ وہ ادنیٰ مرتبہ انسان کے زندگی بسر کرنے کا ہے جسے خالق نے خود اُس کے لئے مہیا کر دیا ہے دوسری قسم یہ ہے کہ ان کی خلقی حالت پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ ان چیزوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے اس میں تغیر و تبدل، ترکیب و تحلیل کو عمل میں لائیں اور اس طرح ما یحتاج فی الحیات میں ایک نئی شان پیدا کریں۔ جس قدر ناز پروردگی بڑھتی جائیگی اور عیش و تنعم کا سامان بہم پہنچتا جائیگا اور محفوظ رہنے کے وسائل قوی ہوتے جائینگے اُسی قدر تمدن کا پلہ گراں ہوتا جائیگا وہی قوم جو اشیاء کا استعمال ابتدا میں اس طرح کرتی تھی کہ صنعتِ عبد کا اُس میں کوئی حصّہ نہ ہوتا تھا انتہا میں اگر اُن کے طریقِ استعمال کو دیکھا جائے تو صنعتِ عبد نے اس کی حقیقت بالکل گم کر دی ہوگی۔ اگر متمدن و غیر متمدن قوم کے مآکل و مشارب، ملابس و مساکن کو دیکھا جائے تو بہت اچھی طرح یہ حقیقت منکشف ہو سکتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال ایران کی شاعری کا سمجھنا چاہیے۔

حقیقت یوں ہے کہ پہلے پہل جس زبان میں شاعری کا آغاز ہوتا ہے اُس میں ابتدائی رفتار ہی آہستگی و سادگی سے ہوتی ہے۔ ورنہ نظم کمالِ سخن کی جگہ اہمال و لغویت کا دفتر بے معنی ہو جائے۔ ابتداءً شعرا کلام کو موزوں کرنے کی مشق کرتے ہیں پھر بہ تدریج ترقی کرتے جاتے ہیں، ورنہ اگر آغاز ہی میں بلند پروازی کی جائے تو یہ بجائے ملاء اعلیٰ پر پہنچانے

کے تحت الثریٰ تک لے جانے والی ہو۔

اُردو شاعری کی حالت بطور مثال کے | مثال کے لئے اُردو شاعری کی ابتدا اور پھر مرتبہ کمال تک پہنچنے پر غور کرنا کافی ہے۔ شاعری نے جب ہندوستان کی اُس زبان میں جو اَب یہاں پیدا ہوگئی تھی اپنی جلوہ آرائی کی اُس وقت اُردو میں شعر کہنے والے وہ باکمال حضرات تھے جن کی نگاہوں میں دونوں شاعریاں عرب و عجم کی موجود تھیں۔ لیکن اُردو میں چوں کہ کوئی نمونہ موجود نہ تھا اس لئے سادگی ہی کا جامہ اُس کے لئے مستحسن سمجھا گیا۔

اُردو میں وَلی کا وہی مرتبہ ہے جو رودکی کا فارسی میں ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ولی نے فارسی و عربی شاعری کا کافی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ پھر جو ولی کے کلام میں سادگی ہے اور الفاظ بغیر تراش و خراش کے ادا ہوتے ہیں، دور کے استعارات اور تشبیہات بھی نہیں پائی جاتیں وہ بجز اس کے اور کس کا نتیجہ ہے کہ اُردو میں شاعری اپنی طفولیت کا عہد بسر کر رہی ہے گویا بچوں کی طرح گھٹنوں گھٹنوں چل رہی ہے جس طرح کوئی راہ رو اس راستے کو طے کرے جو قبل سے قدموں کے نیچے نہ آیا ہو یا کوئی اجنبی ایسے مکان میں داخل ہو جس میں پہلے گیا نہ ہو، تو وہ قدم سنبھل سنبھل کر رکھے گا تیز روی و سرعت اس کے لئے بجائے منزل رساں ثابت ہونے کے سنگِ راہ ہو جائیگی۔

اسی وجہ سے ابتدا میں ایران کی شاعری محض موزوں فقرات سے شروع ہو کر بہت جلد اس قابل ہو گئی کہ اُس کو بزم شعرا میں پیش کیا جا سکے۔ فارسی شاعری پر یہ رودکی کا احسان ہے جس کی دایۂ فکر نے اس طفلِ شیرخوار کو اپنی جودتِ طبع اور حدت

ذہن سے پرورش کر کے حالم تمیز تک پہنچایا لیکن ابھی اس کو جوان اور جوانی کے ساتھ سنجیدہ و متین ہونا باقی ہے۔

سادگی کی تاثیر

طبقہ اول کے وہ شعرا جو دورِ اول میں گزرے اُن سب کا کلام ایک ہی انداز رکھتا ہے۔ بندش کی چستی نہیں مضمون کی بلند پردازی نہیں۔ ان کی نظم میں صرف محسوسات اور ان کے اصلی حالات ہیں۔ سادہ الفاظ میں سیدھی باتیں جو آپس میں بولتے ہیں اکثر و بیشتر اسی کو نظم کر دیتے ہیں۔ استعارہ و تکلفات سے بہت کم کلام کو آراستہ کرتے ہیں۔ مثلاً رودکی جب کہ بڈھا ہو جاتا ہے اور اُس کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں، ضعیفی اعضا پر چھا جاتی ہے، اُس وقت جوانی کی یاد میں ایک قصیدہ کہتا ہے۔ عمر کے آخر حصے میں جو کچھ کہتا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے سیدھی سادی باتیں ہیں جو نہایت سادگی سے وزن و قافیہ کے محاصرہ میں لے آئی گئی ہیں۔ مثال کے لئے تین پہلے شعر اس قصیدے سے حاضر ہیں

مرا بسود فرو ریخت ہرچہ دنداں بود	نبود دنداں ہا بل چراغ تاباں بود
یکے نماند کنوں زاں ہمہ بسود و بریخت	چہ نحس بود ہمانا کہ نحسِ کیواں بود
نہ نحس کیواں بود و نہ روزگار دراز	چہ بود منت بگویم قضائے یزداں بود

وزن و قافیہ کے ساتھ عہد شباب کا مرثیہ ہے اس لئے اسے شعر کہئے۔ مگر جو شعر کی حقیقت ہے اُس کا نام و نشاں تک نہیں۔ اگر آج کوئی اس طرح کا شعر کہے تو ہمارے شعرا اُس کی طرف بھول کر بھی ایک نگاہ غلط انداز نہ ڈالیں۔ مگر چونکہ یہ رودکی کا کلام ہے جس نے شاعری کو بزم شعرا تک آنے کے قابل بنایا ہے اس لئے یہ اشعار کتابوں میں ارباب ذوق کی زبانوں

پر جاری و مکتوب ہیں۔ رودکی کے کلام میں سب سے مشہور اور بہترین نمونہ وہ اشعار ہیں جو شاہ بخارا کو ہرات سے مضطربانہ بخارا لے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اُن اشعار میں لذت ہے اور لطف و ذوق سے بھی خالی نہیں لیکن شبنم سے ایک پیاسے کی کیا تسکین ہو سکتی ہے۔ واقعہ اُن اشعار کا یوں ہے کہ شاہِ بخارا ہرات پہنچتا ہے اُن اطراف کی نزہت فزا آب و ہوا اُس کے دامن گیر ہو جاتی ہے۔ ایک خوش گوار و روح پرور موسم جب گزر جاتا ہے تو دوسرے موسم کا اشتیاق پاؤں کا زنجیر ہو جاتا ہے۔ ہرات کے سرسبز و شاداب خطے اور سیستان و مازندران کے لذیذ و خوش بو میوے چار برس تک بادشاہ کی مہماں نوازی کرتے رہے۔ اس مدت دراز میں اعیانِ دولت و وابستگانِ سلطنت وطن کی دوری اور سفر کی زندگی سے چیخ اُٹھے رعب شاہی سے کسی کو لب ہلانے کی طاقت بھی نہ تھی۔ رودکی دربار شاہی کا شاعر تھا او گانے میں بھی بدرجۂ کمال ماہر تھا۔ سبھوں نے مل کر پانچ ہزار اشرفیوں کا وعدہ رودکی سے اس شرط پر کیا کہ وہ اپنی نظم دل گداز اور نغمۂ داؤدی سے بادشاہ کو وطن کی یاد دلائے۔ رودکی بادشاہ کی مجلس میں اُس وقت جب کہ وہ جام و صراحی سے داد انبساط دے رہا تھا حاضر ہوا اور اپنے درد بھرے لحن میں اپنا برجستہ کلام یادِ وطن میں گانا شروع کیا۔ یہ سحرِ حلال بادشاہ پر چل گیا۔ اُس کی بے چینی بڑھی اور ایسا مضطربانہ گھوڑے پر سوار ہوا کہ موزہ بھی پھن نہ سکا۔ رہوار تیز رفتار کو خیز کیا اور جب تک ایک منزل طے نہ ہوئی گھوڑے کی باگ نہ روکی۔ وہ اشعار بہت تھے لیکن افسوس کہ اب بجز چند اشعار کے جو تذکروں میں منقول ہیں یاد نہیں ملتے۔

بوے جوے مولیاں آید ہمی	یادِ یارِ مہرباں آید ہمے
ریگِ آموں با درشتی ہاے او	زیرِ پایم پرنیاں آید ہمے
آبِ جیحوں باہمہ پہناوری	خنگِ ما را تامیاں آید ہمے
اے بخارا شاد باش شاد زی	شاہ سویت میہماں آید ہمے
شاہ سرو ست و بخارا بوستاں	سرو سوئے بوستاں آید ہمے
شاہ ماہ ست و بخارا آسماں	ماہ سوے آسماں آید ہمے

یہ دلکش قصیدہ ایک مدت تک مقناطیس کی طرح لوگوں کے قلوب کو اپنی جانب کھینچتا رہا۔ بعض شعرانے اس پر طبع آزمائی بھی کرنی چاہی لیکن اس کے مقابل میں نہ آسکے۔ وجہ اس کی صاف ہی شاعر خود چار برس تک وطن سے دور رہا، یادِ وطن جس جس طرح دل میں چٹکیاں لیتی ہوگی اس درد کی لذت کسی غریب الوطن سے پوچھنی چاہیے۔ اس پر پانچہزار اشرفیوں کا وعدہ۔

زر کا اثر جذبات پر

حطیہ جو عرب کا مشہور شاعر ہی اُس سے کسی نے سوال کیا کہ سب میں شاعر کون ہوتا ہی، تو اُس نے اپنی زبان باریک مثل سانپ کے نکال کر کہا کہ یہ جس وقت زر سے لذت آشنا ہو جائے۔ اسی طرح احمد بن یوسف نے ابو یعقوب شاعر سے کہا کہ کاتب ملہ محمد بن منصور بن زیاد کی شان میں تیرے مدائح بھی ہیں اور مراثی بھی۔ لیکن جو جودت شاعرانہ تخیل کہ مدح میں ہو مراثی اُس سے بالکل خالی ہیں۔ ابو یعقوب نے کہا کنا یومئذ علی الرجاء و نحن الیوم نعمل علی الوفاء و بینہما بون بعید۔ (یعنی اُس وقت جو ہم مدح کہتے تھے تو اُمیدیں وابستہ تھیں اور اب جو مرثیہ کہتے ہیں یہ تو محض وفاداری ہو اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہی)

پھر پانچ ہزار اشرفیوں کی جھنکار نے اگر رودکی کے شاعرانہ جذبات و احساسات کو تیز کر دیا تو کیا تعجب ہے۔ وطن کی یاد پردیس کی تکلیف اور اشرفیوں کی اُمید نے تڑپ تڑپ کر ان اشعار کی صورت اختیار کی۔ اِس لئے ان میں اُس وقت بھی لذت و لطافت تھی اور آج بھی ذوق سے خالی نہیں۔ ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

لیکن اگر تامل صادق سے کام لیا جائے تو دورِ اوّل کے پہلے شاعر کی خصوصیت یہاں بھی نمایاں ہے۔ رودکی نابینا ہے وہ پانی کی لہروں اور موج کے تلاطم کو دیکھ نہیں سکتا اُس کی حس باصرہ لب دریا کے سبزہ زار اور وہاں کی شادابی سے خنک نہیں ہوتی۔ پس اُس کا دماغ اُس تخیل سے بالکل صاف ہے۔ قوت شامہ موجود ہے وہ اپنا کام کرتی ہے پانی کی مہک سے نکھتا ہے لیکن اُس کی روانی و سیلاب کا پتہ بھی نہیں۔ دریا کے ریگ پر گزرتا ہے لیکن یہاں بھی آنکھ کا کام وہ اپنے قدم سے لیتا ہے۔ موٹے موٹے ریت کے دانے نہ سخت معلوم ہوتے ہیں نہ پاؤں جلاتے ہیں نہ تلووں میں چبھتے ہیں بلکہ نرم ہو کر قدموں کے نیچے پرنیاں کے فرش ہو جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ حبِ وطن کا ہے۔ دیگر اشعار کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے لیکن کیا اگر طبقۂ ثانی کے شعرا ہوتے تو اپنے وطن کا راگ اسی سادے لحن میں گاتے؟ نہیں کبھی نہیں۔ وہ کم از کم ریگ کے ایک ایک ذرہ کو آفتاب اور ہر ایک سبزہ کو گلستانِ ارم و باغ جناں بنا دیتے۔ موج و حباب کو جب بیان کرتے تو ایک دریا بہا دیتے رودکی بڑا پرگو شاعر گزرا ہے۔ اُس پر بادشاہوں کی قدردانی عزت افزائی، درہم و دینار کی بارش نے کبھی اُس کو خاموش بیٹھنے نہ دیا۔ ایک لاکھ تک اُس کے اشعار کا شمار بعضو

نے کیا ہی۔ یہ ظاہر ہی کہ جب اشعار کی تعداد اس قدر ہو تو پھر اُس میں سب طرح کے مضامین ہونگے۔ تذکروں میں جو رودکی کا کلام منقول ہی اُس میں ہر جنس موجود ہی۔ جا بجا مضمون آفرینی بھی ہی۔ کہیں کہیں تشبیہ و استعارے کا بھی لطف ہی۔ اخلاق و موعظت کے پاک و شیریں مضامین بھی موجود ہیں۔ کہنہ مشق دیرینہ سال شاعر کا جب جی چاہتا ہی تو عشق و حسن کے ناز و نیاز بھی کرلیتا ہی۔ قصیدے کی تشبیب میں غزل کا لطف آجاتا ہی۔ اور گریز میں بھی اس کی قوت و قابلیت نمایاں ہی لیکن با ایں ہمہ شاعری کو ابھی بہت کچھ ہونا ہی اس لئے وہ اپنا قدم نہایت سرعت و تیزی سے آگے بڑھائے جاتی ہی۔

فردوسی اور اسدی طوسی اس دور کا آخر شاعر فردوسی ہی۔ اس نے شاہنامہ کیا لکھا اپنی اُس قوتِ دماغی اور جودت ذہن کا جو بشر میں ایک عطیۂ الٰہی ہی کامل ثبوت دیا ہی۔ اس نے یہ مثنوی لکھکر ثابت کردیا کہ انسان کی دماغی قوت اعلیٰ نمونہ صانع بیچوں کے صنعت کا ہی۔ میدانِ جنگ کی تصویر تو ایسی کھینچتا ہی کہ ہو بہو فوٹو ہوتا ہی۔ اس کا کلام و کمال کسی کی تحسین اور روشناسی کا محتاج نہیں۔ ع

حاجتِ مشاطہ نیست روے دل آرام را

یہ کہنا ایک امر واقعی کا بیان کرنا ہوگا کہ فردوسی ہی کی بدولت معانی کی کلی انتہاے کمال پر پہنچکر اپنی شان کا جلوہ دکھانے لگی لیکن الفاظ اپنے بناؤ سنوار کے لئے ہنوز مضطر ہیں۔ گو بہت سے الفاظ متروک ہوچکے محاورات بھی بدل گئے لیکن پھر بھی شعر کی نزاکت و لطافت ان ثقیل الفاظ کے بوجھ سے دبی جاتی ہی۔ مثلاً فردوسی کہتا ہی ؎

برستم دہم تخت و گنج و کلاہ نشانمش بر جاے کاؤس شاہ

یہاں متحرک کا ساکن ہونا فصاحت پر کس قدر ناگوار ہے۔

سیاہ تک برآمد برہنہ تنا ولہ بیا و یحت با پور اہرمنا

الف کی زیادتی قافیہ میں کیسی بدنما ہے۔

ایک موقع پر چاند سے خطاب کر کے بہت سے شعر لکھے ہیں اُن میں کا ایک شعر یہ ہے

بہ سی روز گیتی بہ پیمایدا ولہ دو روز و دو شب روے ننمایدا

یہاں فعل میں الف کی زیادتی اُسی طرح بھدی ہے۔

کہ درمان این کار یزدان کند ولہ مگر کین غمان بر تو آسان کند

اگر عمر باشد مرا سالیان بہ خدمت بہ بندم کمر بر میان

جمع کا الف جہاں چاہتا ہے لگا دیتا ہے چاہے فصاحت اس زیادتی کو برداشت کرے یا نہ کرے اگرچہ ضرورتِ شعری ایک ایسی ضرورت ہے جس کے لئے ہر نا روا روا ہے لیکن الفاظ کا یہی بھدا پن آخر دَور میں قطعاً ناجائز قرار دیا گیا۔ اسی دَور اول کا شاعر اسدی طوسی ہے جس کے کمال نے یہ بے بنیاد روایت وضع کرائی کہ یہ فردوسی کا اُستاد ہے اور شاہنامہ کی تکمیل اسی کے زبردست قلم کا نتیجہ ہے۔ اسدی طوسی فردوسی کا استاد تھا یا نہ تھا اس وقت اسے جانے دیجئے لیکن یہ تو محقق ہے کہ شاہنامہ اُس کے زورِ قلم کا مرہون نہیں بہرحال دو چار شعر اُس کے بھی ملاحظہ ہوں۔ اسدی طوسی ؎

چو خورشید آں چادرِ قیر گون بدرید و از پردہ آمد برون

ہوا ابر گشت از بخور عبیہ بخندید بم و بنالید زیر

الفاظِ فارسیہ میں تشدید زبان پر کس طرح اجنبی معلوم ہوتی ہی۔ اسدی طوسی سبب تالیف کتاب میں کہتا ہی ؎

بسازم یکے بوستاں چوں بہشت کہ خندد زخوشی برارد بہشت

یہاں بھی وہی تشدید کی ثقالت فصاحت کو دبائے دیتی ہی۔

پہلا دور ختم ہوا۔ رودکی۔ اسدی طوسی۔ عنصری۔ فرخی۔ فردوسی اس دور کے باکمال شعرا تھے جن میں رودکی کو اوّلیت کی فضیلت حاصل ہی اور فردوسی کو خاتمیت کا فخر ہی۔

دوسرا دور — اب شاعری کا دوسرا دور شروع ہوتا ہی اس طبقے میں خاقانی، انوری، نظامی، حکیم سنائی۔ مولانا روم و عمر خیام وغیرہ گزرے۔ دونوں دور کے شعرا میں یہ فرق ہی کہ پہلے طبقے کے شعرا قدرتی طبیعت سے شعر کہتے تھے پاس کی چیزوں سے تشبیہ لاتے اور پیش نظر اشیا سے استعارہ لیتے لیکن دورِ ثانی میں جنھوں نے زیادہ غور پیدا کیا۔ عرب کے علوم ملک میں عام ہو گئے تھے۔ بلاغت کی کتابیں فارسی میں لکھی جا چکی تھیں اس لئے عربی الفاظ کا قبضہ زیادہ ہوا پھر الفاظ و معانی کو صنائع و بدائع نے علمی رنگ دیا۔ دورِ اوّل میں سادگی سنگینی و استواری تھی اب رنگینی لطافت اور ملائمت پیدا ہو گئی۔

خاقانی۔ خاقانی ابتدائی کیفیت اور خاتمۂ مطالب کو نہایت خوبی کے ساتھ نظم کرتا ہی قصائد اس کے لاجواب ہیں حسّان العجم کا اس کو لقب حاصل تھا۔

نظامی۔ نظامی مثنوی کے بادشاہ ہیں ان کے کمال کی شاہد ان کی پانچ مثنویاں ہیں جو خمسہ نظامی کے نام سے مشہور ہیں۔ اُنھوں نے نظم نگاری میں نیا رنگ پیدا کیا۔ تشبیہ و استعارے کو رنگینی و قوت کے ساتھ برتا۔ ان کے بیچ میں بھی بانکپن ہے ان کا کلام تمام لطافت و نزاکت سے لبریز ہے۔ فردوسی کے بعد رزمیہ مضمون کوئی دوسرا ان سے بہتر تو کیا برابر بھی نہ لکھ سکا۔

انوری۔ انوری نے کلام میں مضمون آفرینی پیدا کی استعارہ کو لیا اور خوش ادائی سے برتا۔ قصیدہ کہنے میں اُستاد ہے۔

حکیم سنائی۔ حکیم سنائی پہلے شخص ہیں جنھوں نے تصوف کو مستقل طور پر نظم میں لکھا ہے۔ حدیقہ ان کی مشہور کتاب ہے۔ پختگی برجستگی اور صفائی میں ان کا کلام تمام معاصرین سے ممتاز ہے۔

مولٰنا رومی۔ مولٰنا رومی تصوف کے بادشاہ ہیں علم کلام و تصوف کے اہم ترین مسائل دل گیر و دل پذیر طریقے سے بیان کرتے ہیں مثنوی آپ کی چھ جلدوں میں شش جہات عالم میں فیض رساں ہے۔ عربی فارسی میں متعدد شرحیں لکھی گئیں ارباب سلوک آج تک اس کا درس دیتے ہیں۔ اور حق تو یوں ہے کہ مرد راہ رفتہ کے سوا کوئی دوسرا اُسے سمجھ بھی نہیں سکتا۔

عمر خیام۔ عمر خیام علوم عقلیہ میں کمال رکھتا تھا اقسام شعر میں اس کی رباعیاں ہیں جنھوں نے اس کو زندہ رکھا ہے مسلمانوں سے بڑھکر اہل یورپ نے اس کے ساتھ اعتنا کیا

تیسرا دور

دوسرا دور بھی ختم ہوتا ہے معانی والفاظ دونوں ترقی پاکر اس دور میں کامل ہو چکے ہیں اب تیسرا دور شاعری کا شروع ہوتا ہے۔ اس طبقے کے بہترین نمونہ سعدی۔ امیر خسرو اور حافظ ہیں اس عہد میں غزل خوانی کی بڑی دھوم مچی۔ سلاطین و اُمرا کی خوشامد دل میں خوب قصیدے لکھے جانے لگے عاشقانہ مثنویوں کا رنگ گہرا ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چنگیز خاں کے مشہور حملہ نے جو ۶۱۶ھ میں واقع ہوا دلوں کو ایسا سرد کر دیا تھا کہ بہادری و شجاعت کا خیال سروں سے جاتا رہا۔ شعرا غزل و قصائد سے دلوں کو خوش کرنے لگے۔ مردانہ خیالات اس وقت سے جو مٹنے لگے تو آخر نیست ہو کر ہی رہے۔

پانچویں صدی کی شاعری

پانچویں صدی میں حسینوں کی بزم ہر طرح کے سامان اسلحہ سے آراستہ پائی جاتی تھی۔ ابرو کمان تھے جن سے تیر مژگاں چل کر دلوں میں ترازو ہو جاتے تیوری بدلی اور ابرو خنجر ہو گئے۔ مژگاں نیزے بن گئے غرض معشوقوں کی بزم میں عشاق کے کھینچنے کی دیر تھی۔ یہ پہنچے اور رستم اور اسفندیار کے میدانِ جنگ گرد برد۔ لیکن چھٹی صدی میں رنگینی و نزاکت بڑھی، مزاجوں میں تغیر پیدا ہوا طبیعت میں چستی و شجاعت نہ رہی راحت پسندی غالب آئی۔ آخر اس کا اثر کلام پر بھی پڑا رفتہ رفتہ ایک وہ وقت پہنچا کہ رزمیہ کلام میں بھی ساغر و مینا کے دور چلنے لگے تشبیہیں بدل گئیں۔ اب سپاہی میدان کارزار میں بھی جو پہنچتا ہے تو عشق کے نشہ میں چور جاتا ہے۔ قدسی، ابو طالب کلیم، علی قلی

تسلیم کی رزمیہ مثنویاں اس پر گواہ ہیں۔ بہرکیف یہ دور بھی ترقی سے خالی نہ رہا۔ زبان زیادہ صاف ہوگئی اور مضمون آفرینی نے بہت ترقی کی۔ خاقانی و انوری وغیرہ جو علمی اصطلاحات سے زبان کو زیربار کرتے تھے یہ بات جاتی رہی۔

سعدی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ اس طبقے کے نہایت شیریں کلام شاعر ہیں ان کا مضمون آج تک پھیکا نہوا نظم ہو یا نثر اصنافِ سخن پر قدرت رکھتے ہیں ان کے کلام میں استعارے بھی ہیں لیکن پیچیدہ نہیں۔ صفائی دکھاتے ہیں اور لطف بڑھاتے ہیں مبالغہ و استغراق سے کام نہیں لیتے۔ ان کا کلام دین و دنیا کی سودمند نصائح سے پُر ہے۔ اخلاقی مضامین کو ان کے مثل کسی نے نہیں ادا کیا۔ مخلوق کی دردمندی ان کے ہر رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ تجربہ کامل تھا اور سیاحت وسیع اس لئے جو ان کی زبان سے نکلتا ہے وہ دل میں جا بیٹھتا ہے۔ گلستان، بوستان، دواوین و قصائد ان کی مشہور تصانیف ہیں لیکن غزل کا رنگ بدلنے والے، اور سوز و گداز کے ساتھ وقوعہ گوئی کی بنیاد ڈالنے والے بھی شیخ سعدی ہی ہیں اس لئے من حیث شاعر انھیں غزل کا استاد تسلیم کیا گیا ہے۔

امیر خسرو۔ امیر خسرو کے والد امیر سیف الدین ترکستان سے آئے تھے۔ امیر خسرو نے گو ہندوستان میں ولادت اور تربیت پائی تھی، مگر دماغ ید قدرت سے وہ ودیعت ہوا تھا کہ ایجادِ مضامین کا طلسم خانہ تھا۔ اُنھوں نے صنائع لفظی و معنوی کا عجائب خانہ کھول دیا۔ تصانیف کی یہ کثرت ہے کہ ہمیشہ اُن کا سمیٹنا دشوار رہا اور آج دشوار تر ہے۔

حافظ۔ خواجہ حافظ کا دیوان مشہور ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ چند قصیدے

برلے نام ہیں مگر غزل ایسی لکھ گئے کہ آج تک ان کا جواب نہیں۔ نہ تصنع ہے نہ تکلف جیسی گزری ہے ویسا لکھا ہے۔ عرفان دحقائق کا ایک بے بہا گنجینہ ہے جس پر نقوش و حروف کے قفل چڑھے ہوئے ہیں! ارباب بصیرت عینک کی طرح اپنی نگاہوں پر لگائے پھرتے ہیں۔

جامی۔ جامی علیہ الرحمہ کا زمانہ ۸۹۸ھ ہجری ہے۔ ناظم ہروی نے امیر خسرو کے بعد شاعری کو ان پر ختم کردیا ہے جیسا کہ اس کے ایک شعر سے ظاہر ہے

زخسرو چو نوبت بجامی رسید ——— زجامی سخن را تمامی رسید

علاوہ عام شاعری کے صوفیانہ طرز میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ نقشبندیہ طریق کی تعلیم و مراقبات کی طرف عجب لطف سے اپنے کلام میں اشارہ کرتے ہیں۔

چوتھا دور | اب تیسرا دور بھی ختم ہوا اور شاعری کے لئے گرانمایہ متاع چھوڑ گیا۔ ۹۰۰ھ کے بعد چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔ فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، ابوطالب کلیم، مرزا صائب اس دور کے ممتاز ارکین ہیں۔ اگرچہ اس دور میں قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی ان تمام اصناف کا بڑا ذخیرہ پیدا ہوگیا لیکن فی الحقیقت یہ عہد ترقی غزل کا انتہائی اور آخری زینہ تھا اس دور کی یہ خصوصیت ہے کہ جو بات کہتے ہیں وہ پیچ دیکر کہتے ہیں۔ دُور کی راہ سے سامعین کی فہم کو مطالب تک لاتے ہیں اور داد لیتے ہیں استعارہ کو استعارہ در استعارہ اور مجاز کو مجاز اندر مجاز کر کے معنوں میں نزاکت اور باریکی پیدا کرتے ہیں اس لئے بہت سے اشعار کی باریکی معشوقوں کی کمر کو بھی بار نزاکت سے خم کردیتی ہے۔ اور کبھی گم بھی ہو جاتی ہے مثال کے لئے کسی شاعر کا ایک شعر کفایت کرتا ہے

تا کے از عکسِ تو آیینہ گلستاں گردد　　سوئے عاشق نگہے تا ہمہ تن جاں گردد

اس شعر کے سمجھنے کے لئے پہلے ان باتوں کو ذہن میں مجتمع کر لیجئے۔ معشوق کا قد سرو شمشاد ہے، آنکھیں نرگس کے پھول ہیں، رخسار گلابِ شگفتہ ہے، زنخداں سیب ہے، خط سبزہ ہے، زلف تختۂ سنبل ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب جو معشوق آئینہ دیکھتا ہے اور اس کا عکس شیشے پر آتا ہے تو گویا آئینہ گلستان ہو جاتا ہے یہ تو پہلے مصرع کا حال ہوا۔ دوسرا تو اس سے بھی زیادہ دشوار ہے۔

اسی طرح اس دور میں مضامین کی بنیاد محالات اور دور از قیاس ایہام پر ہے۔ الفاظ کی نئی تراشیں اور نئی ترکیبیں کثرت سے پیدا ہو رہی ہیں حقیقت و واقعیت سے بیگانگی اور بے بنیاد خیالات سے رشتہ جوڑا جا رہا ہے مثلاً پہلے میکدہ و آتش کدہ وغیرہ مستعمل تھے اب نشترکدہ و مرہم کدہ وغیرہ ترکیبیں پیدا ہوئیں۔ پہلے یک گلشن گل کہتے تھے اب "یک آغوشِ گل" کہنے لگے۔ اس طرح کی ترکیبیں فیضی اور عرفی نے کثرت سے پیدا کیں مثلاً

مصرع　شکن بروے شکن خم بروے خم چیند

مصرع　موج بر موج شکستم چو بہ عماں رفتم

مصرع　رے بروے حسن کن دست بدستِ نازدہ

اس دور میں عرفی کی قصیدہ خوانی ایک خاص خصوصیت رکھتی ہے۔ غزلیں بھی اس کی باسوز و گداز ہیں لیکن صائب کا کلام پھیکا اور سیٹھا ہے۔ اس نے شاعری کیا کی ہے خشک علمی مباحث ردیف و قافیہ میں بیان کئے ہیں۔ یہ دور بھی ختم ہوا اور اس کے ساتھ ہی ایران میں شاعری

بھی ختم ہوئی۔ اب ہند کی سرزمین میں حافظ وسعدی کا انداز آگیا تھا۔لیکن الفاظ ایک ہی طرح میں گردش کرتے کرتے اپاہج ہوگئے تھے۔کسی طرح کی کوئی ترقی نہ ہوسکی۔ ہندیوں نے ایرانی انداز کو زندہ رکھا مگر زندگی کے آثار اس میں نہ پیدا کرسکے۔پھر بھی فارسی شاعری اہل ہند کی ایرانیوں سے زیادہ مرہونِ منت رہی۔ دہلی، بلگرام، پٹنہ وغیرہ میں ایسے باکمال شعرا اُٹھے جن کا کلام اپنے اپنے وقت میں سکۂ رائج الوقت سمجھا گیا۔ مرزا عبدالقادر بیدل، میر غلام علی آزاد بلگرامی اور بادشہ سخن خاتم الشعرا غالب دہلوی۔ کیا کچھ احسان فارسی زبان پر نہ کرگئے۔ مدتوں بعد ایران میں قاآنی پیدا ہوا۔اور اُس نے شاعری کی کایا پلٹ کرنی چاہی لیکن اس کی شاعری کوئی نئی شاعری نہ تھی۔ وہی چبائے ہوئے نوالے تھے جو پھر منہ میں پھیرے جاتے تھے۔اس نے قصیدے خوب خوب کہے۔شوکت الفاظ کا بادشاہ ہے۔ بہاریہ مضمون خوب ہی کہتا ہے۔ بہرحال ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند تہی خم خانہا کردند و رفتند

فارسی شاعری کی لفظی ومعنوی خصوصیات

اس کے بعد کہ نظم فارسی کی آفرینش اور عہد بعہد ترقی وکمال اور پھر اس کے زوال کی تاریخ معلوم ہوچکی اب ایک اجمالی نظر اُن خصوصیات پر ڈالنی چاہئے جو فارسی شاعری میں باعتبار معانی والفاظ پائی جاتی ہیں۔ایران میں شاعری نے جب آنکھیں کھولیں تو اس وقت عرب کی شاعری بالکل متبدل ومتغیر ہوچکی تھی اس کی یہ وجہ تھی کہ مقدس اسلام جب سرزمین عرب پر بارانِ رحمت ہوکر برسا تو کلام مجید کی فصاحت وبلاغت شیرینی ولطافت دل آویزی وروح پروری کے سیلاب نے شاعری کو

خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت کا مشہور شاعر لبید بن ربیعۃ العامری جو سبعہ سیارگان معلقات میں مثل آفتاب کے درخشاں ہے مشرف باسلام ہو کر نظم قرآنی کا ایسا دالہ و شیفتہ ہوا کہ فاروق اعظم نے اپنے عہدِ خلافت میں جب کہ اُس شاعرِ غرا کے پاس یہ پیام بھیجا کہ کچھ تازہ کلام اپنا بھیجو تو اُس نے جواب دیا کہ جاہلیت کے رزمیہ و بزمیہ ہر طرح کے کلام موجود ہیں جس قدر آپ فرمائیں بھیجدوں لیکن اب کہ قرآن میرے سامنے ہے اس کے آگے تمام شاعری عرب کی بے مزہ اور پھیکی ہے۔ اُس کی تلاوت میں وہ حلاوت ہے کہ شعر گوئی سے طبیعت سیر ہے۔ اس واقعہ سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسلام کی برکتوں نے حکمت نظریہ و عملیہ کی طرف عربوں کو ایسا مصروف کر لیا کہ شاعری کے بازار سرد ہو گئے لیکن بوقت ضرورت جب کوئی کچھ کہتا تو اُس میں وہی عربی شان ہوتی۔ بنو اُمیہ کے عہد میں خلافت نے صورت سلطنت کی اختیار کی۔ اس کا بہت ہی بُرا اثر ملک اور اہل ملک کے جذبات پر پڑا لیکن پھر بھی سلف کا ایک دھندلا سا نشان ہنوز باقی تھا۔ مگر جب کہ خلفاے عباسیہ کا دورہ آیا اور ان کے عہد میں عجمی معاشرت اور اہل عجم کی ہمہ گیری تمام دربار پر چھاگئی مسلمانوں کا امیر عجمی سلاطین کے نقش قدم پر گام فرسا ہونے لگا تو پھر اُس وقت شاعر شاعر نہ رہا۔ بلکہ بھانٹ بن گیا۔ اور یہی وہ عرب تھے جو اہل ایران کو شاعری کا سبق دیتے تھے۔

جوہر ذاتی کا فقدان فارسی شاعری جب اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئی تو اس نے نظر اُٹھا کر جو دیکھا تو اپنے ہی عجمی اخلاق و سیرت کو عربی لباس پہنے ہوئے نظموں میں

چلتے پھرتے پایا۔ اساتذہ کو انہوں نے دولت و سلطنت قوت و طاقت کے آگے شرافت انسانی و کرامتِ ذاتی کو نہایت فیاضی سے نثار کرتے ہوئے پایا۔ پھر اہل ایران تو صدیوں سے محکوم رہکر فضائلِ انسانی کو نہایت بے جگری سے تصدق کرنے کے عادی ہی ہو رہے تھے اور اس میں ان کی مشق پشتہا پشت سے چڑھی ہوئی تھی۔ انہوں نے سلاطین و اُمرا کی شان میں قصیدے کہے اور بے ضغطہ زبان جو چاہا وہ کہہ گزرے اور جس حد تک قوتِ بشری نے اُن کی یاوری کی قصائد میں اپنی پستی و تذلل کا اظہار کیا۔ اس لئے فارسی شاعری میں جوہر ذاتی کا بیان آپ کو خال خال بھی نہ ملے گا۔ کوئی نظم ایسی نہ ہوگی جس نے ملک کے حق میں یا قوم کے حق میں شریف و باوقار انقلاب پیدا کیا ہو۔ کسی شاعر کا کلام باوجود جستجو کے بھی ایسا نظر سے نہیں گزرے گا جس سے خودداری غیرت حمیت ابا نفس زندگی کے صحیح آثار پائے جائیں۔ غرض کہ عربی شاعری کی وہ خصوصیات معنوی جو اوپر گزر چکیں اُس کا نام و نشان بھی ایران کی شاعری میں نہیں۔ اور حق تو یوں ہے کہ ہو بھی کیوں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ محکوم و مفتوح قوم اپنے لئے نہیں پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کے وجود اور کمال کا صرف یہ مقصد رہ جاتا ہے کہ وہ سلطنت اور اُس کے ارکان و اعیان کی گردشِ چشم و ابرو کو دیکھا کرے۔ اُس کو اپنی ذات سے نہ کسی سے جنگ ہے نہ صلح اُس کے کمالاتِ اکتسابیہ نہ ملک کے لئے ہیں نہ قوم کے لئے بادشاہ کا حکم اس کو میدانِ قتال میں پہنچاتا ہے اور اُس کا قہر و غضب اُسے شجاع و بہادر بناتا ہے۔ پھر اُسی کا حکم اُس کو صلح پر آمادہ کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کے کمال کا تعدیہ اور نفع اُسی جگہ اور اُسی مقدار میں پہنچتا ہے جس قدر

چلتے پھرتے پایا۔ اساتذہ کو اُنھوں نے دولت و سلطنت قوت و طاقت کے آگے شرافت انسانی و کرامتِ ذاتی کو نہایت فیاضی سے نثار کرتے ہوئے پایا۔ پھر اہل ایران تو صدیوں سے محکوم رہکر فضائلِ انسانی کو نہایت بے جگری سے تصدق کرنے کے عادی ہو رہے تھے اور اس میں ان کی مشق پشتہا پشت سے چڑھی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے سلاطین و اُمرا کی شان میں قصیدے کہے اور بے ضغطہ زبان جو چاہا وہ کہہ گزرے اور جس حد تک قوتِ بشری نے اُن کی یاوری کی قصائد میں اپنی پستی و تذلل کا اظہار کیا۔ اس لئے فارسی شاعری میں جوہر ذاتی کا بیان آپ کو خال خال بھی نہ ملے گا۔ کوئی نظم ایسی نہ ہوگی جس نے ملک کے حق میں یا قوم کے حق میں شریف و باوقار انقلاب پیدا کیا ہو۔ کسی شاعر کا کلام باوجود جستجو کے بھی ایسا نظر سے نہیں گزرے گا جس سے خودداری غیرت حمیت ابا نفس زندگی کے صحیح آثار پائے جائیں۔ غرض کہ عربی شاعری کی وہ خصوصیات معنوی جو اوپر گزر چکیں اُس کا نام و نشان بھی ایران کی شاعری میں نہیں۔ در حق تو یوں ہے کہ ہو بھی کیوں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ محکوم و مفتوح قوم اپنے لئے نہیں پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کے وجود اور کمال کا صرف یہ مقصد رہ جاتا ہے کہ وہ سلطنت اور اُس کے ارکان و اعیان کی گردشِ چشم و ابرو کو دیکھا کرے۔ اُس کو اپنی ذات سے نہ کسی سے جنگ ہے نہ صلح اُس کے کمالاتِ اکتسابیہ نہ ملک کے لئے ہیں نہ قوم کے لئے بادشاہ کا حکم اُس کو میدانِ قتال میں پہنچاتا ہے اور اُس کا قہر و غضب اُسے شجاع و بہادر بناتا ہے۔ پھر اُسی کا حکم اُس کو صلح پر آمادہ کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کے کمال کا تعدیہ اور نفع اُسی جگہ اور اُسی مقدار میں پہنچتا ہے جس قدر

اور جس جگہ منشا سلطانی ہو پس ایران کی شاعری اگر ایسے مضامین عالیہ سے خالی و عاری رہی تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔ صدیوں کی مسلسل محکومیت اسی کی مقتضی تھی کہ ان کی زبانیں ثنائے ملوک و اہل دول و ارباب سطوت کے لئے وقف ہوں حکومت کے مقابلہ میں ہمیشہ وہ اپنے نفس کو ذلت و پستی میں دیکھکر خوش ہوں۔

(۱) پند و موعظت

ایرانی شاعری کی خصوصیات ایجابی

ہاں بعض مضامین فارسی میں ایسے بھی ہیں جن سے نظم عربی کا سلک خالی ہے۔ اور یہی فارسی نظم کی ایجابی خصوصیت ہے اور بہت بڑی خصوصیت ہے۔ اور وہ تاریخ موعظت و اخلاق اور صوفیانہ کلام ہے۔ فارسی شعرا میں کثرت سے ایسے باکمال آپ کو ملیں گے جنھوں نے اپنی شاعری کی قوت انھیں مواعظ حسنہ پر خرچ کی۔ اور ان پاکیزہ مضامین کو کچھ ایسے اخلاص اور درد بھری آواز سے کہہ گئے ہیں کہ نفوس قدسیہ اس کو پڑھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔ نظم میں تاریخیں لکھ گئے جن سے واقعات اور اس کے ساتھ بہت سے جزئیات معاشرت تمدن و طرز جنگ کے متعلق حیات جاوید پا گئے۔ ایسے مضامین کا بیان مثنوی کا مقتضے تھا۔ اور یہ صنف عرب کی شاعری میں نہ تھی۔ اس لئے عربی شاعری ایسے مضامین سے محروم رہی۔ حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ کے کلام پاک کے مجموعے یا ابن الفارض محی الدین عربی و ابن الوردی کے کلام سے ہم ناآشنا نہیں۔ لیکن فیما نحن فیہ سے اس کا کیا علاقہ۔

قصائد عربیہ بہت کچھ وضع لباس معاشرت ملکی جغرافیہ صلح و جنگ پر روشنی ڈالتے

ہیں مگر تاریخ کا منصب اُنھیں کسی طرح نہیں دیا جاسکتا۔ اس کی وجہ جو کچھ بھی ہو لیکن یہ کہنا کہ مثنوی کی ایجاد اہل ایران کی خصوصیات میں سے ہے ایک امر واقعی کا اظہار ہوگا۔

(۲) غزل

دوسری خصوصیت نظم فارسی کی غزل سرائی ہے۔ اس کے ایجاد و ایزاد کا سہرہ بھی اہل فارس ہی کے سر بندھا۔ عربی زبان میں غزل تو اُس راز و نیاز کی گفتگو کو کہتے ہیں جو خود عورتوں سے کی جائے یا اُن کے متعلق کی جائے لیکن فارسی میں نظم کی ایک صنفِ مستقل کا نام ہے جس میں واقعات و کیفیات و جذبات عشق و عاشقی کو سوز و گداز سے بیان کرتے ہیں۔ عربی میں قصائد کی تشبیب و نسیب کو چاہے غزل کہدیا جائے۔ لیکن حق تو یوں ہے کہ وہ غزل نہیں ہے۔ یہ اہل ایران کی ایجاد ہے۔ اور وہی اس کو کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ بوالہوس اپنی ہوسناکیوں کو غزل میں الاپتے ہیں اور اہل دل صوفی اپنی واردات قلبیہ کو اسی عشق و حسن وصل و فراق کے استعارے میں کہہ گزرتا ہے۔ عارف کو اُن اشعار سے راہ ملجاتی ہے اور ناآشنا خط و خال میں اُلجھ کر اُس سے بے خبر رہ جاتا ہے۔ سچ فرمایا مولنا روم علیہ الرحمہ نے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر   گرچہ ماند در نبشتن شیر و شیر

مدارج محل محبت مختلف ممالک میں

یوں تو عشق کی عالمگیری و ہمہ گیری ظاہر ہی ہے۔ لیکن اس نے جو وسعت کہ ایران میں آکر پائی وہ اُسے کسی دیار میں نصیب نہوئی۔ ہند کی سرزمین میں عورت مرد پر عاشق ہے۔ اور اکثر وہ مرد اُس کا شوہر ہی ہوتا ہے۔ اس سرزمین کا خاصہ

ہی کہ عورت میں وفاداری واطاعت شعاری بے انتہا ہو جب تک شوہر زندہ ہی اُس کی راحت
خدمت میں وقف ہی۔ جب وہ مرا تو اُس کے ساتھ جل کر اپنی وفا و عشق کا ثبوت دیا۔ پس
یہاں کی شاعری میں قبل اسلام جو عورت مرد پر عاشق ہوتی ہی وہ یہاں کی عورت و
مرد کے تعلقات اور اس کے لوازم کی روشن برہان ہی۔

عرب میں مرد عورت پر عاشق ہی جو بالکل فطرتی و خلقی ہی لیکن ایران کا عشق فطرت پر
کب قناعت کرنے والا تھا یہاں اُس نے یہ سب مراحل و منازل طے کرتے ہوئے مرد کو مرد پر
عاشق کیا اور اس طرح عشق و لوازمات عشق کے لئے گوناگوں رنگینیاں پیدا ہوئیں
جن کا قبل میں نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر کیا تھا ؎

یہ عشق کی بیباکی سب تجھکو سکھا دیگی　　　اے حسن حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی

کمالِ عشق تو یہ ہی کہ لڑکا ابھی مکتب میں ہی حرف شناسی بھی اُسے نہیں آتی لیکن
عشاق ہیں کہ پروانوں کی طرح گرے پڑتے ہیں شعر ملاحظہ ہو ؎

تعلیم جفا کردہ وفا ہیچ نیاموخت　　　زیں درسِ غلط بحث براوستادِ تو دارم

دوسرا شعر ؎

بمکتب میرود طفلِ پری زاد　　　مبارک باد مرگِ نو باُستاد

اب معشوق کے عہد طفلی سے متعلق انواع و اقسام کے مضامین پیدا ہو گئے۔

خدا خدا کرکے وہ لڑکا جسے شعور سے پہلے معشوق بننا پڑا تھا اور علم شروع کرنے سے بہت
قبل اُسے سند معشوقیت بارگاہِ عشاق سے دی گئی تھی جوان ہوتا ہی۔ مسیں بھیگتی ہیں

خط نمودار ہوتا ہے اُس وقت عشاق آتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر کہتے ہیں

گفتم زغمت وارہم از سبزہ و میدان | دردا کہ زخط حسن رخت گشت دوبالا

دیگر

حسنِ سبزِ بخطِ سبز مرا کرد اسیر | دام ہم رنگ زمیں بود گرفتار شدم

خط و سبزہ کے مضامین

اسی خط اور سبزہ سے شعرا نے گوناگوں مضامین پیدا کئے۔ عرب غریب ان باتوں کو کیا جانے یہ تو خصوصیات ایران ہیں۔ اب اس سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو بچہ بد شعور سے پہلے معشوق بنا ہو اور جوانی تک معشوق رہا ہو وہ جب عاشق بن کر شعر و سخن کے میدان میں اُترے گا تو بالیقین اُس کے کلام میں نزاکت و لطافت اور ایک طرح کی لچک و شیرینی ہوگی۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جن سے ایک غزل کی آرایش ہوتی ہے یہ ظاہر ہے کہ ایسے شاعر کے منہ سے جو بات نکلے گی وہ نازک و لطیف ہی بن کر نکلے گی عشق اور اُس کے معاملات و واقعات کو اس سے بہتر کون جان سکتا ہے مصرع

باشیر اندروں شد باجاں بدر برآید

انہا اکبر من نفعہا

یوں تو عاشق و معشوق کے ناز و نیاز کو ہر دل جانتا ہے۔ مگر اس جاننے اور اس جاننے میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ یہاں خود حدیثے نقد حال ماست آں کا قصہ ہے وہاں دوسروں کی سُنی سُنائی باتوں پر اکتفا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ غزل کی ایجاد اور دتوعہ گوئی کی ایزاد نے فارسی شاعری میں چار چاند لگا دئے زبان سے الفاظ کیا نکلتے ہیں فصاحتِ شیراز کا شیرہ بہتا ہے۔ شہد و شیر کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہے۔ لطیف سے لطیف تر محاورات پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن دوستو انصاف شرط ہے۔ اسی شاعری و

عشقبازی نے اخلاق کا آخر میں خاتمہ کر دیا۔ بوالہوسوں کی آتش ہوس اس سے بھڑک اُٹھی تمام دفاتر اخلاق و موعظت کی کتابوں میں یادرس میں رہ گئے۔ رفتہ رفتہ عملی زندگی پر تو اسی شاعری کا قبضہ ہوتا گیا۔ اس کا نتیجہ ملک کی بے رونقی علم کا فقدان تمدن کا فنا ہونا لازمی تھا۔ وہ ایران کے لئے نوشتۂ تقدیر ہو کر اسی شاعری کی بدولت سامنے آیا۔ خیر یہ ایک اور ہی بحث ہے جس کا یہ محل نہیں۔

رقیب و رقابت کے مضامین

یہاں تو یہ بیان کرنا ہے کہ عشق کے لئے سرزمین ایران کی آب و ہوا بہت ہی موافق آئی اگر مرد مرد پر عاشق نہ ہوتے تو یہ مضامین کہاں سے شعر کی صورت میں آج دکھائی دیتے۔ شعرا کو مردوں کے معشوق ہونے سے ایک رقیب ملا۔ عربی میں رقیب کے معنی نگہبان کے ہیں۔ خیام و اہل خیام کی محافظت پر جو مقرر ہوتے انھیں رقیب کہتے تھے۔ لیکن فارسی میں اس کا استعمال جن معنوں میں ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس تبدیل معنی نے آفرینش مضامین کے لئے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ رقیب و رقابت سے ایسے ایسے تخیل پیدا ہوئے کہ اُن کی داد نہیں دی جا سکتی۔ فارسی اشعار کے مطالعہ کرنے والوں سے اس کا لطف مخفی نہیں۔ عرب جاہلیت کی شاعری اس وسیع مضمون سے بھی خالی ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کے وہ چند اشعار خصوصیت کے ساتھ شہرت رکھتے ہیں جو اُس نے قاصد کو مخاطب بنا کر کہے ہیں۔ لیکن اہل ایران کے اشعار سے ان اشعار کو کیا نسبت مرد معشوق ہے بازاروں میں نکلے گا۔ محفل و مجلس میں پہنچے گا مجامع میں اُس کا گزر ہو گا پھر رقیبوں کی کثرت ہو گی اور رقابت میں تنوعات ہوں گے یہاں یعنی عرب میں باوجود

آمیزش ایران بہت جدت کی تو قاصد کی قسمت پر رشک آگیا۔ مامون الرشید کے وہ اشعار یہ ہیں ؎

بَعَثْتُکَ مُشْتَاقًا فَفُزْتَ بِنَظْرَۃٍ   وَاَغْفَلْتَنِیْ حَتّٰی اَسَاْتَ بِکَ الظَّنَا

(میں نے تجھے کس اشتیاق سے قاصد بنا کر بھیجا پس تیری نظریں تو اُس کے دیدار سے بہرہ اندوز ہوگئیں اور میری جانب سے تو ایسا غافل ہوگیا کہ اپنے بارے میں تو نے میرا خیال بُرا کر دیا)

وَنَاجَیْتَ مَنْ اَھْوٰی وَکُنْتَ مُقَرَّبًا   فَیَا لَیْتَ شِعْرِیْ عَنْ دُنُوِّکَ مَا اَغْنٰی

(تو نے اُس سے سرگوشیاں کیں جسے دل چاہتا ہے اور اُس سے نزدیکی حاصل کی اے کاش تیری اس نزدیکی کی مجھے خبر ہوتی اور میں اس سے بے پروا ہوتا)

وَرَدَّدْتَ طَرْفًا فِیْ مَحَاسِنِ وَجْھِھَا   وَمَتَّعْتَ بِاسْتِمَاعِ نَغْمَتِھَا اُذْنًا

(تو نے بار بار اپنی نگاہ اُس کے چہرے کی خوبصورتیوں کی طرف ڈالی اور تو نے اپنے کان کو اُس کے خوش آیند نغمات سے لذت گیر بنایا)

اَرٰی اَثَرًا مِنْھَا بِعَیْنَیْکَ لَمْ تَکُنْ   لَقَدْ سَرَقَتْ عَیْنَاکَ مِنْ وَجْھِھَا حُسْنًا

(تیری آنکھوں میں ایسی علامت میں دیکھتا ہوں جو پیشتر نہ تھی البتہ تیری آنکھوں نے اُس کے زیبا چہرے سے حسن چرایا ہے)

خلاصہ یہ کہ عرب کی شاعری جب مٹ گئی اور عجم کی تقلید اُس میں آگئی اُس وقت بھی عشق کو وہ رتبہ نہ ملا جو اُسے ایران میں حاصل تھا۔ یہ ایرانی ہی شاعر میں کمال ہے کہ وہ ادائے معشوقانہ کو بیان کرتا ہے بیان کرتا ہے جب جھک جاتا ہے توضیق بیان کو اس طرز میں کہہ جاتا

ہو کہ ہزاروں وسعتِ بیان اُس پر قربان ہیں مثلاً

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست | بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

اب ہم بھی اس بیان سے تھک گئے ہیں

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز و دم درکش | حسن ایں قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

(۲) باغ و راغ

اب مضمون کی دوسری قسم لیجئے جسے خصوصیت ملکی نے اہل ایران کے ساتھ مخصوص کردیا ہی وہ باغ و بہار کا مضمون ہی۔ ایران کا خطہ ہرا بھرا لہکتا مہکتا چمن ہی۔ بہار کا موسم وہاں عجب مستی و حسن و جمال کے ساتھ آتا ہی۔ اُس وقت وہاں کا ایک ایک چپہ سوسو مُنہ سے خندہ زن ہوتا ہی دلوں پر موسم کی کیفیت سے سرور و مستی چھا جاتی ہی۔ خوشنوا چڑیوں کا چہچہانا بلبل کا چہکنا درختوں کا سرسبز و شاداب ہونا اور پھولوں کی شگفتگی پھر اُن کی شامہ نواز لپٹ صل و جبل اُس وقت اُن کی تازگی و رنگا رنگی سے دلوں میں سرور دماغ میں راحت آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہی۔ ایرانی شاعر اپنے گرد و پیش باغ جناں کا نقشہ دیکھتا ہی۔ اپنے ملک اپنے وطن کو جب ایک عروس زیبا کی طرح بنا سنورا پاتا ہی تو بے اختیار مست و سرشار ہو جاتا ہی۔ پھر اُسی کیف میں جو اُن چیزوں کا بیان شروع کرتا ہی تو اس قوت و قدرت سے الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہی کہ سُننے والا بھی تھوڑی دیر کے لئے مدہوش و بے ہوش ہو جاتا ہی۔

عرب ریگستانی و کوہستانی ملک کے رہنے والے باغ و بہار کا نام و نشان تک نہیں جانتے۔ اس لئے وہاں آپ نہ تو سنبل سونگھیں گے، نہ نرگس کی مستی دیکھیں گے نہ لالہ کا ساغر آپ کو ملے گا۔ چوں کہ آنکا جزیرہ نما ملک ان چیزوں کے پیش کرنے سے قاصر ہے اس لئے عربی شاعری میں نہ تو ان چیزوں کا بیان ہے نہ ان سے تشبیہ اور استعارے کا نشان۔ بہاریہ مضمون ایران کا حصہ ہے۔

بہار کا نمونہ خزاں میں

اس دورِ آخر میں جب کہ ایران ایران نہ رہا، نہ ملک کی طرف توجہ رہی نہ اس کی آبادی و شادابی کا خیال رہا، سلطنت غافل، اہل ملک کاہل۔ اس پر بھی قاآنی نے جو بہاریہ قصائد لکھے ہیں اس سے سمجھنا چاہیئے کہ ایران جب زندہ ہوگا تو شعرا کیسے کیسے مضامین کا چمن کھلاتے ہونگے۔ ہم چند شعر قاآنی کے محض لطفِ ناظرین کی غرض سے پیش کرتے ہیں ؎

بہار آمد کہ از گلبن ہمی بانگِ ہزار آید ۔۔۔ بہر ساعت خروشِ مرغِ زار از مرغزار آید

تو گوئی ارغنوں بستند بر ہر شاخ و ہر برگے ۔۔۔ زبس بانگِ تذرو و صلصل و دراج سار آید

بجوشد مغزِ جاں چوں بوئے گل از گلستاں خیزد ۔۔۔ بپرد مرغِ دل چوں بانگِ مرغ از شاخسار آید

یکے گیرد بکف لالہ کہ ترکیبِ قدح دارد ۔۔۔ یکے بر گل کند تحسیں کز و بوئے نگار آید

یکے با دلبرِ سادہ بطرفِ بوستاں گردد ۔۔۔ یکے با ساغرِ بادہ بطرفِ جوئبار آید

یکے بر لالہ با گوید کہ تی ہی رنگ می دارد ۔۔۔ یکے از گل بوجد آید کزوہ بوئے یار آید

یکے اینجا گسار دمی یکے آنجا نواز دنے　　صدائے ہائے و ہوئے ہی زہر سوئے بر آید

زہر سوئے صدائے ارغنون و چنگ و نے خیزد　　زہر سوئے صدائے بربط و طنبور و تار آید

یکے بر لالہ می غلطد، یکے در سبزہ می رقصد　　یکے گاہے رود از ہوش یکے گہ ہوشیار آید

الا یا ساقیا مے دہ بجانِ من بیا پے دہ　　دما دم ہی خورد ہی دہ کہ می ترسم خمار آید

یہ ہیں خصوصیات فارسی شاعری کی نہیں نہایت اختصار کے ساتھ میں نے اِس مختصر تحریر میں بیان کیا اب دو ایک باتیں الفاظ کے متعلق بھی گزارش کر دوں تو یہ تمہید ختم ہو اور آغازِ مقصد ہو جائے۔

فارسی الفاظ | فارسی زبان میں الفاظ کم ہیں اور مصادر بہت ہی کم۔ اس لیے انہوں نے اپنے الفاظ کی کمی مرکبات سے پوری کی ہے۔ ایک ہی اسم کو مختلف مصادر سے ترکیب دے کر طرح طرح کے دل فریب مطالب یا ایک اسم کو دوسرے سے ملا کر معانی مختلفہ پیدا کیے ہیں۔ مثلاً اُن کا ملک رنگین ہے۔ طبیعتیں بھی رنگین پائی ہیں اس پر تعلیم و تمدن نے اور بھی رنگ گہرا کر دیا ہے۔ اب جو بات مُنہ سے نکلتی ہے رنگین ہو کر نکلتی ہے۔ رنگ انھیں بہت مرغوب و محبوب ہے۔ اس لفظ کو مختلف مصادر سے ترکیب دینگے اور رنگا رنگ معنی پیدا کرتے جائیں گے۔ مثلاً رنگ ریختن، رنگ بردن، رنگ برخاستن وغیرہ۔ اسی طرح ان کا ملک سرد ہے۔ گرمی اور آگ انھیں محبوب اور راحت رساں ہیں۔ دو مہینے سرما کے ایسے بسر ہوتے ہیں کہ انسان تو انسان چرند و پرند کا کہیں نشان تک نہیں ملتا ہے کاروبار بند آمد و رفت مسدود۔ اہل صنعت و حرفت کے پیشے

اُن کے ہاتھوں سے سوا ٹھنڈے۔ اُس وقت یہی آگ اُنھیں راحت پہنچاتی ہے۔ اور حیات کو خوشگوار رکھتی ہے۔ اب لفظ آتش کو وہ مختلف اسما سے ترکیب دینگے اور ایسے معانی پیدا کرینگے جن سے چستی رونق و قدر وغیرہ کے مفہوم سمجھے جائیں مثلاً آتش بیان آتش لبا آتشِ بے دود وغیرہ۔ اس گرمی کی ضد سردی ہے۔ وہ اُنھیں نامرغوب ہے۔ تو اس سے جس قدر مرکب بنائیں گے اُن میں بے رونقی و سستی و کاہلی کا مفہوم ہوگا۔ مثلاً سرد مہر۔ سرد نفس سرد رو وغیرہ۔ یہ الفاظ کی ترکیب اہل فارس سے مخصوص ہے۔ عربوں کو اس طرح ترکیب دے کر الفاظ میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اوّلاً اُن کے پاس اس قدر اکثار الفاظ ہے جو اُنھیں ایسی ضرورتوں سے محفوظ رکھتا ہے پھر اُن کی زبان ایک بولتی زبان ہے۔ لفظ اپنا مفہوم اور فلسفہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ آج حیرت ہوتی ہے کہ خداوندا وہ بھی آخر بشر ہی تھے جنھوں نے ایسی زبان وضع کی۔ ثانیاً ایک ہی مادّے کو مختلف ابواب میں لے جا کر عجیب معانی پیدا کرتے ہیں۔ ثالثاً اسم ظرف و اسم آلہ وغیرہ مشتقات اپنا وسیع دامن رکھتے ہیں۔ انھیں وجوہ سے عربوں نے دیگر السنہ کو عجم کہا اور ہیچ کہا۔ عربی الفاظ کی بحث بہت ہی نادر و لطیف بحث ہے لیکن یہاں جس قدر بیان کرنا ضروری سمجھا گیا اُس قدر عرض کر دیا۔

تفصیل کے لئے دوسری ملاقات چاہیئے ؎

مل رہینگے ترے کوچے میں کبھی ڈال کے ہم　　　یار باقی ہے تو صحبت ہے دل آرا باقی

حضرت امیر خسرو کی شاعری

فارسی شاعری اور اُس کے عروج و نزول کی تاریخی بحث اور اُس کے ہر دَور کی خصوصیات وغیرہ ایک مختصر طریقے پر جب کہ معلوم ہو چکیں تو اب اصل مدعا یعنی امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری پر ایک تنقیدی نظر ڈالنی چاہیئے۔

خسرو اور انواع کمال

خسرو علیہ الرحمہ کو جو جامعیت کہ مبدءِ فیاض سے عطا ہوئی ہے اس طرح کی بخششیں صفحات تاریخ میں بہت ہی کم یاب و نادر ہیں۔ خصوصاً سرزمین ہند کے لئے تو ان کی ذات ایک بے مثل مایۂ ناز و فخر ہے۔ مختلف پہلوؤں سے ان کی ذات باکمالوں کی صف میں صدر نشین پائی جاتی ہے۔

اگر صوفی کی حیثیت سے دیکھو تو فانی فی اللہ۔ ندیم کی حیثیت سے دیکھو تو ارسطوئے زمانہ۔ عالم کی حیثیت سے دیکھو تو متبحر علامہ۔ موسیقی کی حیثیت سے دیکھو تو امام المجتہد۔ مورخ کی حیثیت سے دیکھو تو بے نظیر محقق۔ شاعر کی حیثیت سے دیکھو تو ملک الشعرا۔ ان کے ہر کمال کا دامن نہایت وسیع ہے اور اپنے بیان میں نہایت طوالت پذیر۔ سچ ہے ؎

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

(قدرت خداوندی سے کیا بعید ہے اگر وہ ایک عالم ایک ہی شخص میں جمع کر دے)

ب ہر حیثیت اور کمال کے ہر پہلو سے بحث تو ان کے سوانح نگار کا فرض ہو گا۔ مجھے تو صرف ... کے ایک کمال یعنی شاعری کا ایک رسالہ نمونہ پیش کر دینا ہو جس سے خسرو علیہ الرحمت

کی خسروی تمام اصناف نظم پر من وجہ ظاہر ہو جائے۔

ارباب فن نے کلام منظوم کی جو قسمیں کی ہیں اُن میں پانچ قسمیں اصل ہیں۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی اور قطعہ پھر ان میں بھی باعتبار مضامین تنوعات گوناگوں پائے جاتے ہیں۔ جن کا بیان اپنے اپنے موقع پر آئندہ آئے گا۔ لیکن ناصحانہ، حکیمانہ، عشقیہ، رزمیہ اخلاقی جذبات کی مصوری اور مناظر کی نقاشی یہ وہ اقسام ہیں جہاں شاعر کی طبیعت کا اصل جوہر کھلتا ہے۔

کلام خسرو اور ہر دور کے محاسن

خسرو علیہ الرحمۃ میں یہ کمال ہے کہ نظم کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جس میں ان کے قلم کی روانی دریا کی موجوں کی طرح لہریں نہ مارتی ہو۔ اگرچہ ان کا وجود دورِ ثالث کے شعرا میں پایا جاتا ہے لیکن ان کے کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر دور کے محاسن ان کے کلام میں موجود ہیں۔ سادگی سنگینی و استواری جو دورِ اول کی ممتاز خصوصیت ہے ان کے کلام میں بکثرت اس کے نمونے پاؤ گے رنگینی لطافت اور ملائمت جو دورِ ثانی کا کمالِ ہنر ہے اس آرائش سے بھی کلام خسرو بہ تمام و کمال مزین و مرصع ہے۔ ہر طرح کے اساس مضامین فراوانی و اکثار کے ساتھ خزانۂ خسروی میں پائے جاتے ہیں۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ خسرو کا دور ایسے زمانے میں آتا ہے جب کہ نظم پوری آرائش سے آراستہ [illegible] ہی سیاسی [illegible] مضامین کا احاطہ کر لیا ہے زبان بھی

صنائع و بدائع سے مرصع ہو چکی ہے۔ شاعری کی بحث میں ابھی تم پڑھ چکے ہو کہ معانی کی کمی فردوسی نے پوری کر دی۔ الفاظ میں تراش و خراش اور رنگینی دورِ ثانی کے شعرا کر چکے اب اس تیسرے دَور کے لئے کیا رہ جاتا ہے۔ بقول خود امیر خسرو ؂

درمحفلِ وصالت دریاکشند مستاں　　چوں دورِ خسرو آمد مے در سبو نماند

باوجود اس تنگی و کشاکش کے یہ صرف خسرو ہی کا کمال ہے کہ نہایت قادر الکلامی سے ایسا سدا بہار چمن کھلا گئے جس کے پھول آج تک نہ کملائے اور اُس کی شامہ نواز لپٹ عطر مجموعے کی طرح گوناگوں خوشبو سے اربابِ ذوق کے دماغ کو معطّر کرتی رہی۔

خسرو شاعر گر تھے | اگر خسرو علیہ الرحمہ کی صرف شاعرانہ حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بحث و نقد کا سلسلہ چھیڑا جائے تو اچھی ضخیم اور پُر مغز و مفید کتاب طیار ہو سکتی ہے اس لئے کہ کل انواع شاعری پر صرف اِنھیں کا قلم ہے جس نے حسن و لطافت زور و قوت کے ساتھ سیر کی ہے۔ ان کی اسی ہمہ گیری کو دیکھتے ہوئے ایک سخن شناس جب ان کے مجموعۂ کلام کا امعان نظر سے مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ خسرو صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ شاعر گر۔ گو یہ اپنی تصانیف کے ہر پڑھنے والے کو شاعر نہ بناتے ہوں تاہم اس میں کوئی کلام نہیں کہ جو شخص فطرتاً شاعری کا مادّہ رکھتا ہے اُس کے اُس مادّے میں یہ ایک تحریک سی ضرور پیدا کر دیتے ہیں۔ چوں کہ نظم کی ہر صنف ان کے کلام میں موجود ہے اور طرح طرح

کے اسلوب سے بیان ہوئی ہو اس لئے جس کی طبیعت جس سے مناسبت رکھتی ہوگی
اُس میں ایک جنبش کا پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہو اس حساب سے ان کو شاعر گر کہنا کچھ بیجا
نہ ہوگا ؎

فیض پہنچا تا ہی ہر اِسلیم کو اُس کا قلم نفع بخشِ خلق ہو جو کچھ کیا اُس نے رقم

اب ہم بعض نمونے کلام خسروی کے نمونۃً پیش کرتے ہیں تاکہ اس اجمال کی تفصیل ہو جائے
اگرچہ ان کا سارا کلام بجائے خود نمونہ ہو جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھ لو، کچھ انتخاب کرنے کی
حاجت نہیں۔ لیکن چوں کہ اس کتاب کے پڑھنے والے کی سہولت اور خسرو کی شاعری سے
اُس کی ایک عام واقفیت مقصود ہو۔ اس لئے جا بجا سے مختلف نمونے لے کر یکجا
جمع کر دیے جاتے ہیں۔

کلام خسرو کا ناصحانہ پہلو

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہو کہ نصیحت گری بادی النظر میں جس قدر سہل و
آسان معلوم ہوتی ہو فی الحقیقت اُسی قدر اہم و معرکۃ الآرا ہو۔ ناصح اگر ان
نکات سے آگاہ نہیں ہو جس سے نصیحت کی تلخی و ناگواری دُور ہو کر گوارا بلکہ خوش گوار
ہو جاتی ہو تو ہمیشہ اُس کی نصیحت مقبولیت سے محروم رہیگی بلکہ بعض اوقات اُس کا سننا بھی
گراں گزرے گا۔

خسرو علیہ الرحمہ کے ناصحانہ اشعار میں قطع نظر شاعرانہ صنائع بدائع کے یہ بھی بڑا کمال
ہو کہ ہر نصیحت ایسی دل گیر و دل پذیر طرز میں پیش کرتے ہیں کہ بے اختیار دل لبیک کہہ اُٹھتا

ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکیمانہ آنکھ سے ہر جزوِ عالم پر نظر رکھتے ہیں اور ہر دلچسپ نکتے کا تُلا
اثر لیتے ہیں ان کی طبع رسا عجائب باتیں گھڑتی رہتی ہے۔ یہ ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں
سے بھی اخلاقی سبق لیتے ہیں اور پھر ان کو نہایت قبول صورت میں اپنے ناظرین کے سامنے
پیش کر دیتے ہیں۔ تعلیم اخلاق کا دامن ان کے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوٹتا اور پند و نصائح
کا دروازہ اُن کے ہاں برابر کھلا رہتا ہے۔ قدم قدم پر پند و نصائح کے موتی رولتے جاتے ا
اور سلکِ نظم میں اُسے پروتے جاتے ہیں۔

مثالِ اوّل تواضع و خاکساری

مثلاً اُنھیں یہ کہنا ہے کہ انسان کو فرائضِ انسانیت سے غفلت نہ چاہیے
باوجود بے شمار دولت کے بھی متواضع و خاکسار ہی رہنا زیور انسانیت کے
کام وہی کرنا چاہیے جس میں صلاح و فلاح ہو۔ ان مضامین کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں

سرمایۂ مردمی مکن گم | کز مردمی ست نورِ مردم
گرچہ زرت از عدد بود بیش | درویش نواز باش و درویش
در ہرچہ ترا شمار باشد | آن کن کہ صلاحِ کار باشد
بینائیِ عقل پیش می دار | بیناشو و پاسِ خویش میدار

مثالِ دوم ہنر کی رغبت اور کاہلی کی برائی

یا مثلاً اُنھیں ہُنر کی طرف مائل کرنا ہے تو اسے عملیہ کو بے کار و معطل رکھنے
سے منع کرنا ہے تو اُس کو اس طرح کہتے ہیں ؎

آں کو بہ ہنر نہ شد طلب گار | چوں بے ہنراں بود قفا خوار
آں خواجہ کہ کاہلی ست خُویش | کاہل تر از دست آرزد ریش

جاں کن کہ غرض بہ جنگ یابی   کاں کن کہ گہر بہ سنگ یابی

ز اندیشہ دقیقہ نغز خیزد   وز بیختن آرد مغز ریزد

یک شاخ کہ میوہ دہد تر   بہتر ز ہزار باغِ بے بر

مثال سوم۔ بلندی ہمت و پستی حرص

یا مثلاً انہیں ہمت کی بلندی اور حرص و پست ہمتی کی مذمت مقصود ہے تو اُسے اس طرح پیش کرتے ہیں ؎

ہیچ کسے رہ سوئے بالا نیافت   تا قدم از ہمتِ والا نیافت

پرّیِ دل سوئے بلندی کشد   پستیِ ہمت بہ نژندی کشد

تشنگی آبِ رود ز آب جو   تشنگیِ چشم برد آبرو

دیکھو یہ پیش پا اُفتادہ مضامین ہیں۔ شعرائے سلف انھیں طرح طرح سے بیان بھی کر چکے ہیں پھر اب اس انداز سے بیان کرنا کہ طبائع متوجہ ہو جائیں اور سامع اُسے فرسودہ سمجھ کر غفلت نہ کرنے پائے بیان کا کمال نہیں ہے تو کیا ہے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ کاہلی اچھی چیز نہیں مگر خسرو نے جس شان سے اس کی بُرائی دکھائی ہے وہ ایک بے نظیر فلسفہ ہے ؎

آں خواجہ کہ کاہلی ست خویش   کاہل تر از دست آرزویش

یعنی قوائے عملیہ کے تعطل کا اثر جذبات پر پڑتا ہے انسان جب سست و کاہل ہو جاتا ہے تو یہی نہیں کہ کام نہیں کرتا ہے بلکہ آرزو و تمنا حوصلے و ولولے یہ سب فنا ہو جاتے ہیں نہ دل میں اُمنگ باقی رہتی ہے نہ حوصلہ۔ جس قدر اس شعر پر زیادہ غور کیا جائے

اُسی قدر اُس کا لطف زیادہ آئے گا۔ دیگر مضامین کا بھی یہی حال ہو کہ باتیں وہی معمولی ہیں جنھیں ہر شخص جانتا ہو۔ مگر اُن سے جو نتایج نکالے ہیں یا جو اُن کی مثالیں دی ہیں یا جس انداز سے الفاظ باہم ترکیب و ترتیب دیئے ہیں اور بیان کا جو اعجوبہ اسلوب اختیار کیا گیا ہو ان باتوں نے قدیم خیالات کو ایک نیا جامہ پہنا دیا ہو۔ اور یہی شاعر کا اصل کمال ہو۔

مثال چہارم شرافت انسانی اور ایک جاں نواز نصیحت

دیکھو ایک جگہ اسی بات کو کہ انسان کو منہیات شرعیہ سے بچنا چاہیئے اس کے عبادات و معاملات میں فتور نہ آنا چاہیئے کس دردمندی سے سمجھاتے ہیں۔ پہلے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کو جتاتے ہیں عالم علوی سے عالم سفلی تک کی اشیاء کو اُس کا خدمت گزار و مطیع ثابت کرتے ہیں پھر اُس دولت کی جو بارگاہ خداوندی سے خاص اُس کے لئے مخصوص ہوئی ہو یاد دلاتے ہیں۔ اس قدر کہہ لینے کے بعد اب نصیحت کرتے ہیں اور صرف ایک مصرعہ میں ایک دفتر کا دفتر کہہ جاتے ہیں۔ اس مضمون کے اشعار التقاط کر کے یہاں درج کئے جاتے ہیں ؎

اے ز ازل گوہر پاک آمدہ	گوہر تو زیورِ خاک آمدہ
چنبرۂ چرخ بسے بیخت خاک	تا تو بروں آمدی اے دُرِّ پاک
آں خلفے تو کہ ز روزِ نخست	کون بہ مہمانیِ شش روزہ نست
خود ز پدر گرچہ کنوں آمدی	با پدر از جملہ بروں آمدی
دفترِ معنی نہ ز بر خواندۂ	تختۂ اسرار ز پدر خواندۂ

عرصۂ عالم بہ مسافت ترا ست | دولتِ عالم بہ خلافت ترا ست
حبلِ ورید تو فگندہ بلند | در شرفِ کنگرہ ماند کمند
نورِ تو ہنگامۂ انجم شکست | دستِ تو تسبیح ملائک گسست
جانِ جہانِ ہمہ عالم توئی | وانچہ نگنجد بجہاں ہم توئی
توشۂ اقلیم تو ہر دو سرائے | تو ملکے تختِ تو شد چارپائے
گنج خدا را تو کلید آمدی | نہ از پئے بازیچہ پدید آمدی
چرخ کہ از گوہر احسانت ساخت | آئینۂ صورتِ رحمانت ساخت
آئینہ زیں گونہ کہ داری بچنگ | آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ

اشعار مذکورۂ بالا میں جو صنائع عجیبہ و تلمیحات لطیفہ ہیں اُس کے بیان کا کہاں موقع۔ شعر و سخن سے اگر کچھ بھی مذاق آشنا ہی تو خود ہی سمجھ لو۔ کرامتِ انسانی کا جو فلسفہ بیان کیا ہی وہ شاعر کے غواص سخن و شناور فن ہونے کی دلیل ہی۔ اس حکیمانہ انداز سے اس بیان کی بداءت نہایت کی گئی ہی کہ جس کی داد دی نہیں جاسکتی۔ صرف اسی ایک پہلو کو لو کہ جس طرز سے اس نصیحت میں مرصع کاری کی گئی ہی اس سے فلسفۂ نفسیات پر خسرو کا کیسا ملکہ ظاہر ہوتا ہی۔ عالم فلسفۂ نفسیات سے یہ امر مخفی نہیں کہ جب کسی کے ساتھ محقرانہ برتاؤ و رسوا کن انداز سے گفتگو کی جاتی ہی تو اُس سے مخاطب میں قطع نظر نفرت کے ایک طرح کی پست ہمتی اور پست ہمتی سے شریف جذبات کا فنا اور اُس کے فنا سے کمینہ عادتوں کا نشو ونما شروع ہو جاتا ہی۔

برخلاف اس کے اگر کسی کی عادات رذیل بھی ہوں لیکن جماعت اور اُس کے
احباب اگر اُس سے اس طرح ملنا شروع کریں کہ کسی کے انداز میں یہ نہ پایا جائے کہ وہ اُسے
رذائل سے آلودہ جانتا ہے اور اخلاقی حیثیت سے اُسے حقیر سمجھتا ہے تو یہ طریقہ اُسے شریف
عادات کی طرف مائل کر دے گا۔

تاریخ کی کتابوں میں ایسے واقعات بہت ملیں گے جن سے فلسفۂ نفس کے اس
اہم مسئلہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس مقام پر خسرو علیہ الرحمہ کی اس طرزِ خاص سے نصیحت گری
بھی اسی نکتہ کو مشعر ہے۔

پہلے فرزند آدم کی کرامتوں کا ایسا پُر جلال وجمال مرقع کھینچا ہے کہ بے ساختہ دل
اُسے دیکھ کر کھنچ جاتا ہے۔ پھر آخر کے دو شعر عجب کمال کے نمونے ہیں ؎

چرخ کہ از گوہر احسانت ساخت آئینۂ صورتِ رحمانت ساخت
آئینہ زیں گونہ کہ داری بہ چنگ آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ

پہلے شعر کا مدعا یہ ہے کہ حقیقتاً انسان تو وہی ہے جس کے دیکھنے سے غافل کو بھی خدا یاد آجائے
انسان کا مجسمہ ایک آئینہ ہے جس میں رحمان کی صورت دکھائی دیتی ہو۔ اب اگر ایسا آئینہ
کسی کے پاس ہو اور اُس کی غفلتوں سے وہ زنگ آلود ہو جائے تو یہ کیسی مصیبت عظمیٰ ہے؟

ع آہ ہزار آہ کہ داری بزنگ

صرف اس ایک مصرع کے زورِ بیان اور اسلوبِ ادا کو دیکھو بلاغت و جوش کا ایک
اعلیٰ نمونہ ہے۔

مثال پنجم۔ جوہر ذاتی چاہیے نہ آبائی

ایسے ایسے مضامین کو کہ صرف تمنا پستی سے بلندی تک نہیں پہنچا سکتی دوسرے کے بھروسے کام نہیں چلتا استخوان فروشی دون ہمتی ہی کچھ ایسے دل میں گھر کر جانے والی ادا اور روانی سے بیان کرجاتے ہیں کہ بے خواستہ واہ واہ نکل آتی ہی ؎

پست نہ گردد بہ تمنا بلند   گرچہ بہ انگشت کند پا بلند
تکیہ چہ آری بعصاے کساں   زندہ نشد کس بہ تعاے کساں
چند زبادِ پدر و جد پری   باد بود ہرچہ نہ از خود بری

خسرو کا تصوف

تصوف کے اہم و معرکۃ الآرا مسائل کو جس صفائی و روانی سے اُنھوں نے نظم میں بیان کیا ہی اُس سے قطع نظر کمال شاعری زور کلام اور حسن ادا کے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اس راہ کا منزل شناس کہہ رہا ہی۔

اکثر و بیشتر شعرا نے یہ سمجھا کہ مثل گل و بلبل اور معاملات ناز و نیاز کے مسائل تصوف بھی صرف زبان و بیان چاہتے ہیں حالانکہ بقول سعدی شیرازی ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم   کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

ایسے شعرا جو خود مقامات تصوف کے طے کرنے والے نہیں ہیں صرف الفاظ و مصطلحات صوفیہ لیکر اشعار میں نظم کر دیا کرتے ہیں۔ اہل دل گروہ اُسے خوب پہچانتا ہی کہ یہ قال ہی حال نہیں۔ مولنا رومی علیہ الرحمہ ایسے ہی شعرا کے متعلق مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

لفظِ درویشاں بدزدد مردِ دوں   تا بخواند بر سلیمے ایں فسوں

خسرو علیہ الرحمہ جہاں کہیں مسائل تصوف بیان کرتے ہیں وہ اُن کی حالت کا آئینہ ہوتا ہی
اُس پر بیان کا ایک خاص زور وضاحت کلام کا ایک لطیف انداز ایسا ہوتا ہی کہ حسن بیان
پر بلاغت، بلاغت پر فصاحت اور فصاحت پر ہزار شیرینی قربان ہی۔

تصوف کا پہلا شعبہ یعنی الٰہیات

مسائل تصوف میں الٰہیات کا حصہ خاص اہمیت رکھتا ہی۔ خواجہ فریدالدین عطار
حکیم سنائی، مولنا رومی، نظامی گنجوی ان سے قبل اور سعدی ان کی
حیات میں اس طرح ان مسائل کو بیان کرچکے تھے کہ عقل حیران تھی کہ اب ان مسائل
کے بیان کا کون سا جدید عنوان ہوگا۔ لیکن خسرو علیہ الرحمہ نے جب اُنھیں مسائل کو بیان
کیا ہی تو معلوم ہوا کہ بیان کا یہ پہلو خسرو کا منتظر تھا۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ انسان جو عالم امکان
میں سب سے افضل ہی اور اس کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں یہ اگر اس کی کوشش کرے کہ
حقیقتِ الٰہی سے آگاہ ہوجائے تو یہ ناممکن و محال ہی۔ علم ممکن حقیقت واجبہ کا احاطہ تو
کہاں کرسکتا ہی وہاں تک اس کی رسائی بھی محال ہی۔ اسی مضمون کو سعدی نے کہا ہی

توان در بلاغت بسحبان رسید   نہ در کنہِ بیچونِ سبحان رسید

لیکن اب خسرو کو دیکھو کہ کس نئے انداز سے بیان کرتے ہیں ؎

ہرچہ از تو گماں برم بہ چونی   آں من بوم و تو زاں برونی

انسان کی عقل جد وجہد کرتی ہی مقدمات ترتیب دیتی ہی۔ حقائق اشیاء سے بحث کرتی
ہی۔ صفات و خواص سے آگاہ ہوتی ہی۔ قدم و حدوث کا مسئلہ تحقیق کرتی ہی۔ ان سب
مراحل کے بعد ایک نتیجے پر پہنچتی ہی وہ چاہتی ہی کہ اسے حقیقۃ الٰہ قرار دے لیکن جب

اُسے یہ معلوم ہوتا ہی کہ ساری گردش گردشِ پرکار تھی دائرہ امکان سے ذرہ برابر بھی قدم آگے نہ بڑھا تو بیساختہ کہہ اٹھتا ہی سبحان ربك رب العزت عما یصفون - اب اس ایک شعر کو دیکھو چند سادے الفاظ میں کس وضاحت سے آیۃ کریمہ کی معنی خیز تفسیر کی ہی کس طرح دریا کو کوزہ میں بند کیا ہی - یہ ہی زورِ کلام اور حسنِ بیان -

دوسری مثال اور دوسرا مسئلہ

اس عقیدے کو کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہی اور جو کچھ عالم کون میں ظاہر ہوتا ہی وہی مقتضائے مصلحت ہی - وجود و عدم دونوں اُس کے تحتِ حکم ہیں نیستی و ہستی کوئی بھی حکمت سے خالی نہیں، کس صفائی و روانی سے نظم کا جامہ پہنایا ہی ؎

دانندۂ توئی ہرچہ رازست | سازندہ توئی ہرچہ سازست
از بودنی ہرچہ بود دارد | از تو رقمِ وجود دارد
وانچہ از عدم ست نام او نیز | از حکمتِ تست ماندہ ناچیز
بود ہمہ گشتہ از تو موجود | حکمِ تو رواں بہ بود و نابود

تیسری مثال اور تیسرا مسئلہ

صرف عقل علۃ معرفت باری تعالیٰ ہی یا نہیں اس کا یوں جواب دیتے ہیں ؎

لوامع صفتش ہست چشم پوشِ عقول | چو آفتاب کہ نورش حجابِ ابصار ست
حکیم گفت شناسم بعقل یزداں را | زہے کمالِ حماقت وہ ایں چہ گفتار ست

[illegible] بصورت جواب دیا ہی ؎

بکنہِ حق نرسد عارف ار چہ دانندہ ست | بر آسماں نہ پرد عجز اچہ طیار ست

چوتھی مثال اور چوتھا مسئلہ | اس مسئلہ کو کہ دنیا کی ہر شئے سے معرفتِ حق حاصل ہے یوں بیان کرتے ہیں ؎

بہر صحیفۂ برگ سمن زِ حکمتِ او | نوشتہ چوں لقبِ شہ بروئے دینار ست

اسی مضمون کا شعر سعدی علیہ الرحمہ کا بھی نہایت مشہور ہے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار | ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

تصوف کا دوسرا شعبہ | تصوف میں الٰہیات کے بعد وہ مسائل ہیں جن کا تعلق سالک کی ذات سے ہوتا ہے۔ مثلاً رضا و تسلیم، ریاضت و مجاہدہ، عشق و محبت، ذکر قلب و حیاتِ دل وغیرہ وغیرہ۔ چند نمونے اس شعبۂ تصوف کے بھی ملاحظہ ہوں۔

مثال اول | انسان کو راضی برضا رہنا چاہیئے اور کسی حالت میں شریعت کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکلنے پائے۔ ان باتوں کو یوں سمجھاتے ہیں ؎

انچہ مقدر شدہ است چوں نبود بیش و کم | گر برسد خرمیم ور نہ رسد باک نیست

حرص بجا کت کشد شارعِ دیں گیر زانکہ | بے روشِ مصطفٰے راہ بر افلاک نیست

مثال دوم | ریاضت کی تصوف میں کتنی ضرورت ہے بغیر مجاہدہ کچھ نہیں ہوتا قدم قدم پر ایثار و قربانی کرنا چاہیئے۔ اسے عمدہ مثالیں دے کر نہایت خوبصورتی سے سمجھاتے ہیں ؎

گاہِ وغا در صفِ مرداں در آنکہ خدنگے نخورد

طبل کہ سوراخ کنندش بہ پوست | بہرِ برون رفتنِ آوازِ اوست
تا نشود خستہ بصد جا دلت | نورِ حقائق نشود حاصلت
چہرۂ سنگ ار نہ کنی گو بگِو | دانہ کجا سود شود جو بجو

مثال سوم | دل کیا ہے۔ اس کی کیا قدر ہے۔ اس کی زندگی کیا ہے۔ اس کی موت کیا ہے
ان امور کو جس شاعرانہ پیرایہ میں اور جس محققانہ طریقے سے اُنھوں نے بیان کیا ہے
اُنھیں کا حصّہ ہے کہتے ہیں ؎

چوں تنِ آدم بگل آراستند | خانۂ جاں بہرِ دل آراستند
آدمی آن ست کہ در وے دل ست | ورنہ علف خانۂ آب و گل ست
دل نہ ہماں قطرۂ خون ست و بس | کز خور و آشام برآرد نفس
دل اگر ایں مہرۂ آب و گل ست | خرہم از اقبالِ تو صاحب دل ست
لیک دل آں شد کہ ہوائے در و ست | وز طرفے بوئے وفائے در و ست
زندہ بجاں خود ہمہ حیواں بود | زندہ بدل باش کہ عمر آں بود
زندگیِ دل چہ بود؟ سوز و چاک | زندگیِ کالبدی چیست؟ خاک
غمزدہ بہ جاں کہ غم اندر زیست | سوختہ بہ دل کہ در و سوز نیست
سردیِ دل مردگیِ دل بود | خوں چو بہ تن سرد شود گل بود

مثال چہارم | عشق کی کیا شان ہے عشاق کی کیا روش ہے۔ عشق کا کیا درجہ ہے ان
بانوں کو اس وجد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اگر غور کرو تو دل روحانی سرور سے

یکیف ہو جائے ؂

عشقِ زبانی زہرافسردہ پرس ۔ سوزشِ آں از دلِ آزردہ پرس
ذوقِ نمک گرچہ زبان راخوش ست ۔ چوں بجراحت فگنی آتش ست
موم بود دل کہ زعشق ست زار ۔ کو بگداز اوفتد از یک شرار
شعلۂ عشق چو شد خانگی ۔ سوختہ شد عقل بہ پروانگی
زندہ نہ آنست کہ جانے دروست ۔ اوست کہ از عشق نشانے دروست
جاں کہ نہ عشقش بود آں بازی ست ۔ عشق نہ بازی ست کہ جاں بازی ست
چند بری عشق بہ بازی بسر ۔ عشق دگر باشد و بازی دگر
مرد کہ در عشق زجاں فرد نیست ۔ گر صفِ کافر شکند مرد نیست
چوں تو فغاں از سرِ خارے کنی ۔ بہ کہ جز از عشق شمارے کنی

مثال پنجم | مرد وہی ہے جو مصائب میں گھبرا نہ جائے۔ ابتلا و امتحان کے میدان میں جرأت و استقامت سے مقابلہ کرے اور آخر میں کامیاب ہو کر رہے ؂

مرد نہ ترسد ز فقر شیر نہ ترسد ز زخم ۔ مذہبِ عیّار نیست بیمِ عسس داشتن
عذرِ عروساں بود دعوئ مردی و بس ۔ گاہ و غا پیشِ خصم روے بہ پس داشتن

اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں ؂

شیر شو و صید را در تہ چنگال کش ۔ مردِ شو و خصم را بر سرِ میداں طلب

تصوف کا تیسرا شعبہ | سب سے وسیع ترین تصوف کا وہ حصہ ہے جس میں حقیقتہً روحِ تصوف کی

آمیزش ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد سعدی علیہ الرحمۃ نے ڈالی تھی جس پر ایک قصرِ عالی شان خسرو اقلیم سخن نے تعمیر کر دیا۔

تخیل کا کمال اور کلام میں درد — بیان کی اس صنف میں خصوصیت کے ساتھ ان کا تخیل بہت ہی بلند پایہ رکھتا ہے۔ اپنے تخیل کو یہ جسمانی جامہ پہنا کر اس طرح پیش کر دیتے ہیں جس سے ان کا تخیل تخیل باقی نہیں رہتا بلکہ وہ گوشت و پوست و استخواں سے درست ملکوتی روح پھونکی ہوئی مورتیں ہوتی ہیں۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار دیکھو ؎

مثال اول

گل اندر خوابگاہِ نرگس افتد چوں وزد بوئے — ولیکن عشق بازاں را خسک در خوابگاہ افتد

ز حشمت کاروانِ صبرِ من تاراج کاخر شد — مسلماناں کسے دیدست کاندر شہر راہ افتد

مثال دوم

فصلِ نوروز کہ آورد طرب بر ہمہ خلق — چشمِ بد دور مرا موسمِ باراں آورد

ہر سحر باد کہ بر سینۂ من کرد گزر — در چمن بوئے کباب از پئے مستاں آورد

انہیں اشعار کو دیکھو تخیل کیسا اعلیٰ ہے اور پھر کلام میں کس طرح درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہے کہ دل تڑپ کر رہ جاتا ہے یہ شاعرانہ حیثیت سے بھی اعلیٰ مظہر ملکوتی عالم میں حسن و عشق حقیقی کے خیالات میں محو اور دوسرے نازک تر جذبات و لطائف میں غرق زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ان کے لئے بقول انہیں کے ؎

ریک بلبلِ خوش نوائے و دل کش — بہتر ز دو صد کلاغِ ناخوش) ہے۔

صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ اوائل میں جب امیر خسرو شعر کہتے تو اس کو اپنے شیخِ طریقت حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ (بہت) کو دکھایا کرتے تھے۔ ایک

روز حضرت نے فرمایا کہ طرزِ صفا ہانیاں بگو یعنی عشق انگیز و زلف و خال آمیز۔ اُسی روز سے خسرو زلف و خال کے پھندے میں ایسے پھنسے کہ تمام ما سوی اللہ سے بے نیاز ہو گئے اور آج تک اُن کا عاشقانہ کلام مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا کام کر رہا ہے۔ ثبوت کے لئے ان کے کلام کا دفتر بھرا پڑا ہے۔ جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھو ایک چھوڑ ہزار ثبوت پاؤ گے۔ یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں ؎

مثال سوم

برو اے یار پیشِ دیگراں دہ جلوہ بستاں را
مرا بگزار تا می بینم آں سروِ خراماں را
گرفتارِ خیالاتِ لبش گشتم یقیں باشد
اثر ہر گہ مگس در خواب بیند شکرستاں را
مپرس از من کہ چوں می باشد آخر جانِ غمناکت
کہ من دیریست کز یادش فرامش کردہ ام جاں را

مثال چہارم

تنِ پاکت کہ زیرِ پیرہن ست	وحدہ لاشریک لہ چہ تن ست
اندر آ در میانِ جاں بنشیں	کہ تو جانی و جانِ من بدن ست
تا زیم در غمِ تو جامہ درم	وز پسِ مرگ نوبتِ کفن ست
دلِ خسروِ خوش ست باتنگی	کہ مرا یادگار زاں دہن ست

کلام میں رنگینی کی وجہ

اس رنگینی کی وجہ صاف ہے۔ انچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ ان کو اہل اللہ گروہ سے واسطہ تھا ناسوت ملکوت جبروت لاہوت اور

ان چاروں سے ماورا جو عالم ہیں ان کی سیر سے ان کی چشم بینا بصارت حاصل کئے ہوئے تھی اور انھیں عالموں کی آب و ہوا میں ان کے قوائے باطنی نے پرورش پائی تھی۔ دل خستہ تھا اور آتشِ عشق سے برشتہ زبان صرف دل کی ترجمان تھی اور بس خسرو دل کی برشتگی و سوختگی کچھ ازل سے ہی لیکر آئے تھے جس کو چشتی نسبت نے اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ اُس پر شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین اولیا سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کی توجہ ظاہری و باطنی جب پڑتی تو اُس آتش کی شعلہ فشانی افسردہ دلوں کو اور بھی جلاکر خاکستر کردیتی۔

لطائفِ اشرفی، سفینۃ الاولیا، سیر الاولیا، سبع سنابل، نفحات الانس وغیرہ میں خسرو علیہ الرحمہ کے شرر افشاں دل کے متعلق حضرت سلطان المشائخ کے یہ کلمات نقل کئے ہیں:۔

ایک بار آپ نے فرمایا کہ "کل قیامت میں جب خداوند عالم پوچھے گا کہ میرے دربار کے لئے کیا تحفہ لائے تو میں خسرو کو پیش کردونگا" پھر کسی وقت ارشاد ہوا کہ "کل قیامت میں ہر ایک شخص کسی شے پر ناز کریگا اور ما ترک میں تیرے سوزِ سینہ پر ناز کرونگا" اکثر دعا میں یوں فرماتے کہ "الٰہی بسوزِ سینۂ ایں ترک مرا بنجش" اور ایں کا اشارہ حضرت خسرو کی طرف فرماتے۔ اللہ اللہ وہ کیا دل تھا اور دولت عشق سے کیسا مالا مال تھا۔

اسی سوز و گداز نے خسرو کو حضرت سلطان المشائخ کا ایسا محبوب بنا دیا تھا کہ

آپ اکثر فرماتے کہ "اے ترک میں سب سے تنگ آجاتا ہوں یہاں تک کہ کبھی خود اپنے آپ سے بھی تنگ آتا ہوں لیکن تجھ سے کبھی تنگ نہیں آتا"۔ کبھی یوں اظہارِ محبت فرماتے کہ "اگر ایک قبر میں دو شخص مدفون ہوسکتے تو میں وصیت کرتا کہ خسرو کو میری قبر میں دفن کرنا"

حضرت سلطان المشائخ کا یہ شعر ؎

گر برائے ترکِ ترکم آرہ برتارک نہند ترکِ تارک گیرم و اما نہ گیرم ترکِ ترک

اسی محبت کو مشعر ہے۔ ایک اور آپ کی رباعی کلام خسرو کے مدح میں ہے جس سے ان کے کلام کی مقبولیت معلوم ہوتی ہے وہو ہذا ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست ملکیتِ ملکِ سخن آں خسرو راست
آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

دربارِ شیخ سے خسرو کو ترک اللہ کا لقب عطا ہوا تھا۔ اور اکثر صرف لفظ ترک سے خطاب ہوتا خسرو علیہ الرحمہ کو اس خطاب پر ناز تھا چنانچہ ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

برزبانت چوں خطابِ بندہ ترک اللہ رفت دستِ ترک اللہ بگیر و ہم باللہش سپار

یہ چند کلماتِ طیبات جو حضرت سلطان المشائخ کے نقل کئے گئے ہیں ان سے مدعا یہ ہے کہ ایک وہ شخص جو فطرتاً آتشِ عشق دل میں دبی رکھتا ہو جب اُسے کامل و مکمل شیخ طریقت ملجائے اور پھر شیخ کی محبت و عنایت اُس پر ایسی ہو کہ مرید کے مرتبے سے مراد کے مرتبے میں پہنچ جائے تو اُس کے مقاماتِ سلوک و تصوف کا کیا پوچھنا اور اُس کے کلام کی تاثیر کا کیا کہنا۔

تاثیر کلام | اہل دل جو کچھ کہتا ہے اُسے ایک اہل دل ہی سمجھ سکتا ہے۔ تزک جہانگیری و دیگر تذکرے مثل داغستانی وغیرہ میں یہ روایت معتبر موجود ہے کہ جہانگیر نے صوفیہ کی دعوت سماع کی مجلس گرم ہوئی۔ قوال نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کا یہ شعر گانا شروع کیا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

مولانا علی احمد مہر کن نشانی تخلص اُس وقت وجد و رقص میں آئے۔ جہانگیر نے اس شعر کا مطلب پوچھا مولانا اُسی طرح رقص کرتے ہوئے جہانگیر کے سامنے گئے اور فرمایا کہ ہنود اپنی کسی عید میں عورت مرد سب کے سب جوق در جوق نہایت شان و شوکت سے دریا کنارے جمع ہو رہے تھے اور بموجب اعتقاد غسل کرکے ثواب حاصل کر رہے تھے حضرت سلطان المشائخ بھی اُس وقت سیر کرتے ہوئے اُس طرف گزرے۔ اُن کے اس شغف مذہبی و انہماک کو دیکھ کر آپ نے خسرو علیہ الرحمہ کی طرف جو ہمرکاب تھے اشارہ کرکے فرمایا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

اُس وقت ٹوپی حضرت سلطان المشائخ کے سر مبارک پر اتفاقاً کج تھی۔ خسرو علیہ الرحمہ نے فوراً دوسرا مصرع

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

عرض کرکے پورا شعر کر دیا۔ مولانا علی احمد روایت ختم کرکے چاہتے تھے کہ اپنے سر پر ہاتھ لے جائیں تاکہ ٹوپی اپنی اُسی طرح کج کرکے جہانگیر کو دکھائیں کہ اس شان سے کلاہ مبارک حضرت سلطان المشائخ کی کج تھی لیکن ہاتھ کا اُٹھنا تھا کہ وجد کا وہ عالم طاری ہوا کہ ایک

نعرہ کے ساتھ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

سیر الاولیا جس کے جامع امیر خُرد خلیفہ حضرت سلطان المشائخ ہیں۔ اُس میں ایک نقل لکھی ہے کہ ایک روز حضرت سلطان الاولیا محبوب الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کے حضور میں امیر خسرو کے صاحب زادہ نے امیر کی ایک غزل پڑھنی شروع کی۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے کہ ؎

خسرو تو کیستی کہ در آئی دریں شمار
کیں عشق تیغ بر سرِ مردانِ دیں زدہ است

حضرت سلطان المشائخ کی روتے روتے یہ حالت ہوئی کہ آپے سے گزر گئے۔

اسی سیر الاولیا میں ایک وقت کی اور نقل لکھی ہے کہ امیر خسرو خود سلطان جی کے حضور میں اپنی ایک غزل پڑھنے لگے جونہیں اُنھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

رخ جلوہ را نمود و مرا گفت تو مبیں
زیں ذوق مست و بیخبرم کیں سخن چہ بود

حضرت سلطان المشائخ نے گوشہ چشم سے (کہ چشمہ محبت تھا) خسرو کی جانب دیکھا اور بیخود ہو گئے۔

الغرض ایسی بہت سی معتبر روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل دل گروہ میں خسرو کا کلام کیا مرتبہ رکھتا ہے۔

خسرو کی غزل سرائی اس میں کچھ شبہ نہیں کہ غزلیات کے اُن انقلابات و ایجادات کے سبب سے جو سعدی نے شاعری کی اس صنف میں کئے تھے خسرو بہت کچھ سعدی کے مقلد و متبع ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سعدی سے قبل نظم کے لئے بہت سے کام تھے۔ صرف اوقات فرصت میں عشق و عاشقی اور اُس کے لوازم سے تفریح کر لی جاتی تھی اور باقی اوقات دوسرے کاموں کے لئے تھے۔ قدما میں تو غزل کوئی نظم کی قسم ہی نہ تھی۔ تشبیب میں کچھ عاشقانہ مضمون

ادا ہو جاتے تھے۔ آخر دورِ قدما میں غزل نے اپنا مستقل وجود اختیار کیا لیکن اُن غزلوں کا یہ رنگ تھا کہ چمن سے گزرے ایک نگاہ پھولوں کے خوش رنگ تختے پر بھی ڈالی اور بڑھ گئے۔ اچھی صورت سامنے آگئی۔ آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ کبھی کبھی دل میں ایک گدگدی سی ہو گئی اور بس۔ جام و صراحی محفل میں رکھی گئی تو شاعری نے دو ایک گھونٹ سے تبدیلِ ذائقہ کر لیا۔ یہی انداز دوسرے دور تک رہا۔

لیکن تیسرے دور میں نظم محض تفریح کے لئے رہ گئی۔ جوش اور ولولے ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ اصل مردی مٹ رہی تھی۔ اس لئے اس دور میں نظم اور کاموں سے فارغ تھی۔ صرف ایک غزل سرائی تھی جس سے بزمِ سخن کی گرمی تھی۔ زبان زیادہ منجھ کر صاف ہو گئی تھی۔ سعدی اسی تیسرے دور کے رنگین بیان شاعر تھے۔ لیکن یہ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک عالم و ولی کامل بھی تھے۔ اُنھوں نے غزل میں تصوف کی آمیزش کی اور نہایت لطف سے حقائق و واردات قلبیہ کو غزل میں کہنا شروع کیا۔ عشق و حسن کے راز و نیاز اور اُس پر تصوف کی چاشنی پھر زبان کی صفائی و شیرینی۔ کلام میں پختگی و گھلاوٹ ان چیزوں نے سعدی کو غزل کا امام بنا دیا۔

خسرو بھی اسی دور میں مسندِ شاعری پر جلوہ افروز ہوئے۔ قاعدہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں کسی ناظم یا ناثر کا طرز اہلِ زمانہ کے مذاق و خیال کے مطابق ہو تو پھر وہی طرز رائج الوقت و عام پسند ہو جاتا ہے اور خواہی نخواہی اُس زمانے کے ناظم یا ناثر کی نظم و تحریر کا جزو لاینفک بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ بلا آورد ویسی ہی عبارات مضامین و خیالات ہر ایک ذی جوہر کے

قلم سے نکلنے لگتے ہیں۔ خاصۃً جب کہ اُس ایجاد میں دقتی پاکیزگی اور لطف بیان بھی ہو تو پھر اُس کی ہمہ گیری کا کیا پوچھنا۔

سعدی جن کے عہد پیری میں خسرو کی شاعری جوان ہوئی ہے کچھ اس شیرینی و حلاوت سے شیراز میں بیٹھے ہوئے غزل کی نغمہ سرائی کر رہے تھے کہ ان کی اس تازہ روش نے اپنا سکہ بٹھا رکھا تھا۔ عام مذاق کی پسندیدگی گرویدگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ جو جو انقلاب و ایجاد کہ اس صنف میں اُنہوں نے کئے وہ مثل عناصر کے ضروری مان لئے گئے تھے۔ اور حق تو یوں ہے کہ سعدی کی غزل گوئی اسی کی مستحق تھی اور ہے۔ پس خسرو جیسا صحیح مذاق رکھنے والا خلقی شاعر کیوں اُسے نمونہ نہ بناتا۔ لیکن اسی کے ساتھ جہاں سعدی کی تبعیت ضروری مان لی وہاں اپنے اختراعات و اضافات کا بھی ایک کافی ذخیرہ فارسی داں عالم کے لئے چھوڑ گئے۔

صنف غزل میں خسرو کے اضافے

غزل کی صنف میں کس طرح کے اضافے ہیں جو خاص دماغ خسرو کے مرہون ہیں اُن کی مجمل فہرست یہ ہے۔ بحروں کی موزونی، تشبیہ و محاورات کی جدت، بیان کا اعجوبہ اسلوب۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے غزل میں جان پڑ جاتی ہے۔ غزل کا کمال یہ ہے کہ درد، سوز و گداز، شکستگی و نیاز، عشق کی ہنگامہ آرائی، حسن کی دلکشی و دلربائی، اس طرح عام محاورہ اور روزمرہ کی بول چال میں ادا ہو جس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہ پائی جائے۔ ہاں اسلوب بیان ایسا ہو جس سے دل شگفتہ ہو جائے۔ تشبیہ ایسی لطیف ہو کہ جذبات میں ہلچل پڑ جائے۔ واقعات عشق اس طرح کہے جائیں کہ سننے والے کو بھی عاشق

پر رحم آجائے۔ غزل میں شاعر کا بس یہی کمال ہے۔ اس جگہ چند اشعار لکھے جاتے ہیں تاکہ ہر ایک کی مثال ناظرین کے سامنے ہو مثلاً:

ایک وہ شخص جس کے مسلمہ فضل و کمال نے اُسے محسود خلایق بنا رکھا تھا عاشق ہوکر سب کچھ کھو بیٹھتا ہے اب وہ حاسدوں سے کہتا ہے خوش ہو کہ تمہاری مرادیں پوری ہوئیں دیکھو میں وہی یکتائے زمانہ ہوں لیکن اب نہ فضل مجھ میں رہا نہ کمال۔ اس مضمون کو خسرو اس درد سے ادا کرتے ہیں کہ سُننے والے کا دل بھر آتا ہے ؎

حسد می بردی اے دشمن بعقل و دانشِ خسرو | بیا تا بر مرادِ خاطرِ خود بینی اکنونش

معشوق جن کو اپنے بناؤ و سنوار کے سوا کسی سے کوئی غرض نہیں ہوتی اُن کے اس استغنا اور خود آرائی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

گل چہ داند کہ حالِ بلبل چیست | او ہمیں کارِ رنگ و بو داند

معشوق سامنے سے گزرتا ہے عاشق کے دل پر ایک بجلی گرتی ہے۔ اب نہ طبیعت پر قابو ہے نہ دل پر اختیار استغاثہ کرتا ہے تو دار القضا و دار الافتا کوئی بھی اس مظلوم کی داد رسی نہیں کرتا اس مضمون کو دیکھو ؎

کافرے رفت و دلم غارت کرد | شہر اسلام و مرا داد نہ بود

معشوق کی ہر ہر ادا ہے کہ دل چھینے لیتی ہے۔ عاشق کا ایک دل کس کس کا مقابلہ کرے۔ بھاگنا چاہے تو یہ بھی ممکن نہیں۔ آخر گھبرا کر آسی سے تدبیر پوچھتا ہے ؎

لب و دہان و رخت ہر یکے بلائے دل اند | یکے دلم چہ کند جانب کدام شود

بخت بیدار معشوق کو عاشق پر مہربان کرتا ہی۔ معشوق حالت پوچھتا ہی۔ عاشق جس کی تباہی و بربادی شرح و بیان سے مستغنی ہو وہ کہے تو کیا کہے۔ اپنا دل جو معشوق کے پیچھے کھو چکا ہی اور اب وہ معشوق کا ہی نہ عاشق کا اُس کا گلہ کیوں کر کرے۔ اُسے معشوق سے کیوں کر مانگے ان پُر کیف معاملات کو دیکھو سے

مرا غمے ست کہ پیدا نمی توانم کرد شکایتِ دلِ شیدا نمی توانم کرد

تو حالِ من خود از ین روے زردبین ومپرس کہ من بروے تو پیدا نمی توانم کرد

مگر تو خود بکرم باز بخشیم دلِ ریش کہ من ز شرم تقاضا نمی توانم کرد

عشاق کے آنسو کبھی دریا ہیں اور کبھی سمندر ان کے جوش و طغیانی کا یہ عالم ہی کہ کبھی سکون آنے ہی نہیں پاتا لیکن خسرو نے جس انداز سے اس مضمون کو ادا کیا ہی وہ اپنی جدت میں آج تک نیا ہی سے

صبر کن چنداں کہ باراں بگزرد میروی و گریہ می آید مرا

اس شعر کی جدت و جامعیت قابل لحاظ ہی معشوق جانا چاہتا ہی اس لئے کہ لازمۂ معشوقیت ہی یہ ہی۔ عاشق کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلتے ہیں اب وہ معشوق سے کہتا ہی کہ گو میرے پاس بیٹھنا ناگوار سہی لیکن زرا صبر کر پانی تھم جائے تو چلے جانا۔ لطف یہ کہ اس بانی کی علت معشوق کا جانا ہی ہی۔ دیکھو صرف ایک چھوٹے سے شعر میں کتنے مضامین ہیں معشوق کے جانے سے جو صدمہ کہ عاشق پر گزرتا ہی اُس کا بیان ہی معشوق کو عاشق کے پاس بیٹھنا جبر ہی جس کے لئے تلقینِ صبر ہی۔ آنسو بارش کی طرح آنکھوں سے

جاری ہیں جب تک یہ بارش نہ تھمے اُس وقت تک کے لئے معشوق سے التماس توقف بہ
طولِ قیام کی آرزو کس لطف سے پیش کی گئی ہے۔ افسوس ہم سطریں کی سطریں لکھ گئے لیکن وہ مزہ کہاں
جو خسرو کے ایک شعر میں ہے۔

اسی اشک کے مضمون کو ایک دوسرے شعر میں نظم کرتے ہیں۔ اور ایک عجیب خیال کا اظہار
کرتے ہیں ؎

اشکم بروں می افگند رازِ درونِ پردہ را   آرے تنکا تیہا بود مہمانِ بیروں کردہ را

شعرا نے معشوق کے قامت کو کیا کیا کچھ نہیں کہا ہے لیکن زرا اندازِ خسرو دیکھنا کہ وہ کیا کہتے
ہیں اور کس طرح کہتے ہیں ؎

یارب آں بالا مگر از آبِ حیواں ریختند   یا مگر جانِ کساں بگداختند آں ریختند

شیرہ جانہائے شیریں برکشید ند از نہاں   دیں تنِ شیریں ازاں شیرینیِ جاں ریختند

آتشِ عشق سے سوختہ و برشتہ عاشق جب اپنے معشوق کو دیکھتا ہے تو اس میں ایک حیاتِ تازہ
آجاتی ہے۔ اب وہ اس اثر سے متعجب ہے۔ حیات بخشی کی وجہ پوچھے تو کس سے پوچھے خالقِ عالم
کو پکارتا ہے۔ اور پوچھتا ہے کہ تو ہی بتا۔ اس کا خمیر آبِ حیات سے ہے جس کی تاثیر سے مجھ میں جان
پڑجاتی ہے یا بہت سی جانوں کو گھلا کر یہ ایک جسم بنا ہے یا شیریں جانوں کا شیرہ و روح کھینچکر یہ
ایک جسم شیریں بنا ہے۔ دیکھو کیسا لطیف و شیریں خیال ہے۔

نظم کے پرکھنے والے اربابِ بصیرت کا یہ فیصلہ ہے کہ بعض بعض اشعار خسرو کے ایسا بلند پایہ
رکھتے ہیں کہ ہر شعر ایک دیوان کی قوت رکھتا ہے۔ مثلاً ؎

زلفت زہر دو جانب خوں ریز عاشقان ست | چیزے نمی تواں گفت روئے تو درمیان ست
رخ خود بپوش ورنہ رقم منجماں را | بحساب منشیم آخر بشمار خواہی آمد

خلاصہ یہ کہ غزلوں میں ان کا مستانہ وار نعرہ دل ہلا دیتا ہے اور یہاں ان کا تیر بے خطا ثابت ہوتا ہے کہیں کہیں ان کی نمکینی سعدی کی شیرینی پر چشمک زن ہے۔ اپنی تمنا، اپنی مایوسی، اپنا انتظار، اپنی ناکامی، اپنی بیقراری، اپنی پریشانی کی جو تصویریں اپنی غزلوں میں اُنھوں نے کھینچی ہیں وہ گویا جیتی جاگتی بولتی چالتی چڑیاں ہیں جو اپنی دردانگیز آواز سے دل ہلا دیتی ہیں۔ چند غزلوں کے مسلسل اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں ؎

ازجانِ من آرام رفت آرام جانِ من کجا | ہجرم نشانِ فتنہ شد فتنہ نشانِ من کجا
آمد بہارِ مشک دم سنبل دمید و لالہ ہم | سبزہ بصحرا زد قدم سرو روانِ من کجا
درکارِ غم شد سوریم بے پردہ شد مستوریم | تلخ ست عیش از دوریم شکر فشانِ من کجا
ہر دم جگر در سوز و تاب از دیدہ ریزم خونِ ناب | اینک مَی و اینک کباب آں میہمانِ من کجا

گل نو رسید و بوئے ز بہارِ من نیامد | چہ کنم نسیم گل را چو ز یارِ من نیامد
دلِ من چرا چو غنچہ نہ شود دریدہ صد جا | کہ صبا رسید و بوئے ز بہارِ من نیامد
اگر اے حریف داری نظرے بروئے یارے | تو بہار خویش خوش کن کہ بہارِ من نیامد
بہ تبِ نشاط یارا چہ خبر ترا ز خسرو | کہ بہ جانبِ تو روزے شبِ تارِ من نیامد

زندگی کی بے ثباتی، دنیا کی بے وفائی، زمانہ کا جور، یارانِ رفتہ کی جدائی کا گلہ

اکثر شعرا نے کیا ہے مگر جس درد انگیز لہجہ میں راگ خسرو الاپ گئے ہیں انھیں کا حصہ ہے ؎

یاراں کہ بودہ اند ندانم کجا شدند — یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند

گر نو بہار آید و پرسد ز دوستاں — گو اے صبا کہ آں ہمہ گلہا گیا شدند

اے گل چو آمدی ز زمیں گو چہ گونہ اند — آں رو یہا کہ در تہِ گردِ فنا شدند

آں سروراں کہ تاجِ سرِ خلق بودہ اند — اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاکِ پا شدند

خورشید بودہ اند کہ رفتند زیرِ خاک — آں ذرہ ہا کہ سر ہمہ اندر ہوا شدند

بازیچہ ایست طفل فریبِ متاعِ دہر — بے عقل مردماں کہ بریں مبتلا شدند

غزل میں خسرو کی قادر الکلامی احاطۂ انضباط و تحسین سے باہر ہے۔ ان کی عبارت میں الفاظ کو اپنے مضمون کے ساتھ غضب کا تناسب پایا جاتا ہے۔ جو لفظ جہاں کے لئے مناسب ہوتا ہے وہی یہ استعمال کرتے ہیں بحروں اور قافیوں کے یہ بادشاہ ہیں چاہے کہ بحور و قوافی انکی روانی طبع کے سدراہ ہوتے ہوں ہرگز نہیں بلکہ یہ اور بھی ان کی طبیعت میں جولانی پیدا کردیتے ہیں مثلاً ذیل کی غزل پڑھو۔ کیسا سرتوڑ قافیہ ہے۔ مگر رہوارِ قلم اس روانی سے جاتا ہے کہ زمین ہموار و مسطح معلوم ہوتی ہے ؎

سروے چو تو در اُچہ و در ننتہ نباشد — گل شکلِ رخِ خوبِ تو البتہ نباشد

دوزند قبا بہرِ قدت از گلِ سوری — تا خلعتِ زیبائے تو از لتہ نباشد

در جنتِ فردوس کسے راننہ گزارند — تا داغِ غلامیِ تو اش بتہ نباشد

[illegible] رطبق بتہ نباشد

این حسن و لطافت کہ تو کافر بچہ داری | در چین و خطا و ختن و خستہ نہ باشد

اب ایک دو نمونے عام عاشقانہ جن میں معشوق سے خطاب عشق کی واردات مستی و بیخودی کی باتیں ہیں درج کرتا ہوں ؎

ساقیا مے دہ کہ امروزم سر دیوانگیست | دور بر گرداں کہ مرگم از تہی پیمانگیست
من برغبت جاں دہم تو رحمت آری برتنم | این عنایت در میان دوستاں بیگانگیست
شمع شیرین چیندست ار بسوزد باک نیست | لذت از آتش گرفتن مذہب پروانگیست

بہر تو خلقے می کشد ہر سو منِ بدنام را | بس می بیایم چوں کنم وہ این دل خودکام را
یکشب بیا مے دید مت آنگہ بیاد پائے تو | رنگیں بساطے می کشم از خونِ چشم آں بام را
خواہم کہ خونِ خود دمے در گردنِ جامت کنم | دانی چہ دولت میدہی ساعت از لب جام را
تا چند بر دم از صبا در جنبش آید زلفِ تو | آخر دمے آرام دہ دلہاے بے آرام را
گر کشتہ شد خسرو ز غم تہمت چہ بر خوباں نہم | چوں چرخ خنجر میدہم در کشتنم بہرام را

شمعِ فلک بر آمد با آتشیں زبانہ | ساقی نامسلماں در دہ مے مغانہ
کشتی ما رواں کن تا کنارہ یابم | دریاے غم ندارد چوں ہیچ جا کرانہ
نے نے کہ از رخِ خود کن بہشتم کہ بارے | یک دم خلاص یابم از محنتِ زمانہ
رو تا رویم بیروں دستے بگردنِ تو | تو بیخودِ صبوحے من بیخودِ شبانہ
اے من غلامِ تو سکات چوں در خمار باشی | نے روئے خواب شستہ نے موئے کردہ شانہ
مطرب بدو خود بدستے جوانی با خلق ما را ترک بنا بگیت رانہ

من نیم خوردہ خوردم وز بادۂ نرنجی | دل بر لبِ تو دارم می خواستن بہانہ
خسرو کہ ہست مطرب وا مستِ ناز خوشی | بان در چنیں نشاطے یک رقصِ عاشقانہ

لشکر کشید عشق و دلم ترکِ جاں گرفت | صبر گریز پاے سر اندر جہاں گرفت
گفتی کہ ترکِ من کن و آزاد شو زغم | آساں بہ ترک ہیچو توئی چہ تواں گرفت
اے آشنا کہ گریہ کناں پند میدہی | آب از بروں مریز کہ آتش بجاں گرفت
نظارۂ ہم نہ کرد گہِ سوختن مرا | آنکس کہ آتشم زد و از من کراں گرفت
در طوقِ بندگیش رود جاں بعافیت | ہر فاختہ کہ خدمتِ سروِ رواں گرفت

کج کلہا ستمگرا تنگ قباے کیستی | لا بہ گراؤ دلبرا عشوہ نماے کیستی
زیر کلاہِ جعد تر تا کمرت کشیدہ سر | بستہ بہ جا بکی کمر چست قباے کیستی
مرکبِ ناز کردہ زیں دادہ بغمزہ تیغ کیں | ساختہ آمدہ چنیں تا ز براے کیستی
سینہ بند جاۓ تو دیدہ بزیرِ پاے تو | ما ہمہ در ہواے تو تو بہ ہواے کیستی
خسروِ خستہ را سخن بستہ شد از تو در دہن | طوطیِ شکرینِ من نغمہ سراے کیستی

اگرچہ غزل میں مسلسل کلام نہیں ہوتا اُس کا ہر شعر ایک الگ مضمون ہوتا ہی داور اسی لئے شعرائے غزل ایجاد کی) لیکن یہ عاشق کی گفتگو ہی- کبھی کبھی وہ ایک مسلسل کلام بھی کرتا ہی- اس لئے اساتذۂ غزل کے دیوانوں میں ایسی غزلیں بھی بکثرت موجود ہیں جن کا مضمون مسلسل ہی- خسرو کی آخری غزل جو میں نے درج کی ہی وہ تسلسل ہی کا نمونہ ہی-

شوخی و ظرافت پر جب آتے ہیں تو ایک ایک جملے میں سو سو چمن کھلا جاتے ہیں

طبیعت اس بلا کی چلبلی پائی ہے کہ خود حسن بیان منہ چومنے دوڑتا ہے مثلاً ؎

تو شبانہ می نمائی بہ برکہ بودی امشب	کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد
ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ	نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز
مست آمدہ باز مہمان کہ بودی	دائم شکری در شکرستان کہ بودی
اے یار جدا ماندہ دل تنگ کہ جستی	اے یوسف گم گشتہ بہ زندان کہ بودی
دیوانہ من بر سر کوے کہ گزشتی	تشویش دہ حال پریشان کہ بودی
می دوش کجا خوردی و ساغر بہ کہ دادی	در ظلمت شب چشمۂ حیوان کہ بودی
جعدت کہ کشیدست و لبت را کہ گزیدست	پیش کہ نشستی شب و مہمان کہ بودی
آراستہ و مست در آغوش کہ خفتی	ایں بخت کرا بود بفرمان کہ بودی

چھوٹی بحروں میں یہ جب کہتے ہیں تو آب حیات کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہے۔ مثلاً اس غزل کو دیکھو ؎

دیوانہ شدم در آرزویت	اے چشم ہمہ جہاں بسویت
مائیم و تحیر و خموشی	و آفاق ہمہ بہ گفتگویت
وے روے تو دیدم و نمردم	شرمندہ بماندہ ام ز رویت
پرسی کہ چگونۂ ز من دور	دور از تو چہ پرسیم چو مویت
خسرو بکمند تو اسیر ست	بیچارہ کجا رود ز کویت

اگر غزل گو شعرا کی فہرست طیار کی جائے تو صرف اُن کے اسمار سے ایک ضخیم جلد طیار ہو سکتی

ہی لیکن غزل کا حق جس نے ادا کیا ہو اگر اس نقطۂ نظر سے فہرست طیار کیا چاہو تو بجز
چند ناموں کے اور کچھ نہ پاؤ گے جن میں اُستادِ غزل سعدی ہیں اور ان کے بعد خسرو و حسن
دہلوی۔ سعدی نے جن اصول و مضامین پر غزل کی بنیاد رکھی وہ محض شاعری نہ تھی بلکہ
حقائق و معارف کی چاشنی بھی اُن میں تھی اس لئے خسرو و حسن دہلوی کے سوا کوئی شاعر
سعدی کے تتبع میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ان دونوں میں بھی خسرو کو مرتبۂ اولیت حاصل ہی
خسرو کی غزلوں پر اگر ایک مختصر و جامع تنقید چاہتے ہو تو صرف اس قدر کہنا کافی ہی کہ وہی
بادۂ شیراز ہی جو دوبارہ کھینچ کر دو آتشہ ہو گئی ہی۔

غزل کا دوسرا دور | اس کے بعد ایک دوسرا دور غزل کا آیا جس میں خواجو کرمانی و حافظ شیرازی
ہیں اگرچہ یہ کوئی نیا دور نہ تھا لیکن بعض مضامین مثلاً ساقی و صراحی بادہ و جام میخانہ و
پیر مغاں رند و خراباتی کی مدح زاہد و واعظ کی ہجو۔ دنیا کی بے ثباتی انکا نہایت ہی جوش و
بلند آہنگی سے ترانہ گایا گیا تھا۔ یہ باتیں سعدی کی غزلوں میں اُسی انداز خاص سے جو اُنکا
طرز تھا موجود تھیں لیکن ان کا مرتبہ بنیاد کا تھا۔ خواجو کرمانی نے اُنھیں بنیادوں کو ذرا نمایاں
کیا اور حافظ نے اُسے آسمان تک پہنچا دیا۔ اُنہوں نے اپنی سُریلی آواز سے فارسی داں
دنیا میں ایک مستی و مدہوشی کا عالم پیدا کر دیا جس کا نشہ آج تک باقی ہی۔ خواجہ حافظ نے
جس وقت شاعری شروع کی ہی اُس وقت سلمان ساوجی و خواجو کرمانی کا رنگ چھایا ہوا تھا
خود ان کی طبیعت میں بھی فطری جوش و مستی بھری ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے کلام کی بنیاد انھیں
دونوں کی داغ بیل پر ڈالی جیسا کہ اُن کے بعض اشعار سے ظاہر ہی ؎

شہنشہِ فضلا بادشاہِ ملکِ سخن　　جمالِ ملت و دیں خواجہ جہاں سلماں

چہ جائے گفتۂ خواجو و شعرِ سلمان ست　　کہ شعرِ حافظِ شیراز بہ ز شعرِ ظہیر

اوستادِ غزل سعدی ست پیشِ ہمہ کس امّا　　دارد غزلِ حافظ طرزِ روشِ خواجو

لیکن ان کی طبیعت کے اصلی جوہر نے اُسے ایسا چمکایا جس کے سامنے سلمان و خواجو دونوں کے گوہرِ فکر بے آب معلوم ہونے لگے سلمان کی غزلوں میں تو کچھ نہیں۔ ہاں ان کے قصائد ہیں جن سے ان کی شاعرانہ قوت ظاہر ہے۔ البتہ خواجو کے دیوان میں ایسی بہت سی غزلیں ہیں جو حافظ کی ہم ردیف و ہم قافیہ و ہم بحر ہیں۔ اسی کے ساتھ اکثر مضامین اور اسلوب ادا کا بھی اتحاد پایا جاتا ہے جس سے حافظ کا تتبع صحیح ثابت ہوتا ہے۔ خواجو کا دیوان نایاب ہے جس نے نہ دیکھا ہوگا اُس کو تعجب ہو گا کہ حافظ اور خواجو کا تتبع لیکن جس نے خواجو کا دیوان دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ وہی صہبائے مستی ہے جس کی تندی و تیزی بڑھا دی گئی ہے۔

مقصود اس سے یہ ہے کہ خسرو کا مقابلہ غزل میں حافظ شیراز سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں کا طرز ہی جداگانہ ہے۔ جہاں ایک دو وسرود زلف و خال باغ و راغ کوہ و صحرا دشت و دریا میں شاہد معنی کے جمال جہان آرا سے مست ہو رہا ہے وہاں دوسرا میخانہ ومی کا دلدادہ بن کر مے کی لہروں میں معشوق حقیقی کے رخ و عارض کا جلوہ دیکھ کر مدہوش ہے اگرچہ دونوں یکساں عشق کے پھندے میں پھنسے ہیں مگر دو رنگ سے ؎

ہر دو شاعر ہم سبق بودند در دیوانِ عشق　　یک بصحرا رفت و دیگر با مغاں مستانہ شد

حافظ کا صحیح مقابلہ خواجو کرمانی سے جو ان کے عہد میں تھے اور حکیم سنائی و عمر خیام سے جو

ان سے بہت قبل تھے کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ ان تینوں کا ایک ہی رنگ ہے۔ ورنہ یوں تو دس بیس شعر متحد المعنی انتخاب کر کے لکھ دینا کچھ دشوار نہیں مگر یہ فی الحقیقت اپنی بدمذاقی کا ثبوت دینا ہوگا مثلاً خسرو کا ایک شعر ہے ؎

ازیں مرگ اگر بر سرِ خاکم گزری　　بانگِ پایت شنوم نعرہ زناں برخیزم

اسی مضمون کو اسی بحر و قافیہ میں حضرت حافظ و سلمان ساوجی نے کہا ہے۔

حافظ ؎

بر سرِ تربت من با مئی و مطرب بنشیں　　تا من از کنجِ لحد رقص کناں برخیزم

سلمان ؎

چوں شوم خاک بخاکم گزرے کن چو صبا　　تا بہ بوئیت ز زمین رقص کناں برخیزم

خسرو نے جس سادگی اور صفائی کے ساتھ خوش نما پیرایہ میں مضمون بیان کیا ہے وہ مذاقِ سلیم رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ عاشق جو فراقِ یار میں ہمہ تن انتظار ہے اُس سے اتنا صبر نہیں ہو سکتا کہ معشوق کے پہونچنے کا انتظار کرے۔ پاؤں کی آہٹ پاتا ہے اور استقبال کو کھڑا ہو جاتا ہے۔ چوں کہ یہ مضمون فطرت سے بہت نزدیک ہے بدیں وجہ کلام نہایت بلیغ ہو گیا۔ "بانگ پا" اور "نعرہ زناں" نے شعر کے لطف کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔

حضرت خواجہ حافظ نے برخیزم کی کیفیت کو رقص سے اور بھی مکیف کر دیا۔ مگر ان کو لحد سے اُٹھانے کے لئے ساز و سامان چاہیے مے ہو مطرب ہو اور اس کے ساتھ یار کی

نشست ہو۔ صرف آمد کافی نہیں۔ ان تینوں کے مجموعۂ قوت کا یہ اثر ہو کہ لحد سے رقص کناں اُٹھیں۔

سلمان کا شعر ان دونوں کے مقابل ہیچ ہے۔ اگرچہ سادگی و صفائی ہے مگر کوئی لطف نہیں۔ جو ہوا کہ خاک کو رقص میں لاتی ہے اور بگولا بناتی ہے وہ صبا نہیں ہے۔ صبا لطیف پُروائی ہوا کو کہتے ہیں یہاں بو کی وجہ سے صبا کا ہونا ضرور تھا۔ اگر شاعر صبا کی جگہ کسی تند و تیز ہوا کو لاتا تو بو اُڑ کر غائب ہو جاتی۔ یہاں صبا سے بو پہنچانے کی خدمت لی گئی ہے رقص کناں برخیزم کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

غرض یہاں بحث خسرو کی تغزل سے ہے کہ یہ کس رنگ میں غزلیں کہتے ہیں اور ان کا پایہ غزل میں کیا ہے اور یہ بحث اس مختصر رسالے کے تحمل سے زیادہ ہو چکی اب ہمیں صرف ایک بات اور کہنی ہے کہ شاعری میں موسیقی کا بھی دخل بعضوں نے تسلیم کیا ہے چنانچہ سعدی و حافظ کی غزلوں میں جہاں اور لطافتیں بیان کی گئی ہیں وہاں بحور کی نغمہ و ترنم سے موزونی و مناسبت بھی بیان ہوئی ہے۔ اب میرا یہ کہنا کہ اگر شاعری کے محاسن میں موسیقی کا دخل ہے اور لطیف نظم کے الفاظ تال و سم سے مطابقت رکھتے ہیں تو اس باب میں خسرو علیہ الرحمہ کا کوئی بھی مقابل و مساوی نہیں۔

قصائد | امیر خسرو سے قبل ظہیر رشید کمال اسمٰعیل الملقب بہ خلاق المعانی خاقانی الملقب بہ حسان العجم انوری وغیرہ مشہور قصائد نگار گزر چکے تھے۔ لیکن جس طرح کہ غزل میں یہ شیخ سعدی کے قدم بقدم رہے اور بہت سی غزلوں میں اپنی شان خسروی بھی

ظاہر کر گئے۔ اسی طرح قصائد میں بھی ان باکمالوں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں اور جب ان کا خاص میدان آتا ہے تو سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتے ہیں۔

یہ ایک زمانہ دراز تک چونکہ شاہزادوں اور بادشاہوں کے دربار کے زیور رہے ہیں اس لئے قصائد نویسی کا موقع ان کو بہت ملا جس نے ان کی طبیعت پر اور بھی جلا کر دی۔

قصیدہ میں شاعر کا جوہر دو جگہ کھلتا ہے۔ ایک تو تخلص یعنی گریز جہاں سے مقصد شروع ہوتا ہے دوسری تشبیب و مقصد میں توازن و لطف کا اس طرح قائم رکھنا کہ دونوں حصوں میں سے کوئی بھی بدمزہ نہ ہونے پائے۔

نصر بن سیار جو بنی اُمیّہ کی طرف سے خراسان کا والی تھا اُس کے سامنے کسی نے مدحیہ قصیدہ پیش کیا جس میں سو شعر تو تشبیب کے تھے اور صرف دس شعر میں پوری مدح تھی۔ نصر نے جو کہ خود سخن فہم تھا قصیدہ سُن کر کہا ما بقیت کلمۃ عذبۃ ولا معنی لطیفاً الا وقد شغلته عن مدیحی بتشبیبك یعنی الفاظ شیریں اور معنی لطیف تو سب تشبیب میں ختم ہو گئے اب مدح کے لئے کیا رہ گیا تب اُس نے دوبارہ قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا۔

هل تعرف الدار لام العمر — دع ذا وحبّر مدحة فی نصر

یعنی کیا تو ام عمر کے مکان کو پہچانتا ہے اس ذکر کو چھوڑ اور نصر کی مدح لکھ۔ اسے سُن کر نصر نے کہا۔ لا ذالك ولا هذا ولكن بين الامرين۔ یعنی نہ وہ افراط نہ یہ تفریط۔ بلکہ ان دونوں کے بین بین کلام ہونا چاہیئے۔

اس واقعے سے بتانا مقصود ہے کہ جہاں گریز میں شاعر کی قوت دیکھی جاتی ہے کہ

سلسلہ کلام کو باقی رکھتے ہوئے کس طرح مطلب و مقصد کی طرف آتا ہے وہاں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ لطف بیان اور زور کلام میں بھی توازن رہا یا نہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے قصائد سیکڑوں ہیں اور ان دونوں کمالوں سے آراستہ و پیراستہ ہاں ارباب دنیا کی مدح میں اُن کا بیان پھیکا ہو جاتا ہے چوں کہ وہ دل کی صدا نہیں ہوتی اس لئے ایسے قصائد میں ساری قوت تشبیب میں صرف کر دیتے ہیں۔ گریز اچھی کرتے ہیں لیکن مدح اہلِ دول ان سے نہیں بن آتی پھر بھی اگر کہیں اس پر متوجہ ہو گئے ہیں تو مبالغہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے مثال کے طور پر دو نمونے پیش کرتا ہوں۔

ظہیر فاریابی اپنے ایک قصیدہ میں قزل ارسلاں کی شان میں لکھتا ہے ؎

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیر پائے　　تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اس پر یوں تعریض کرتے ہیں ؎

براہِ تکلف مرو سعدیا　　اگر صدق داری بیار و بیا
تو منزل شناسی و شہ راہ رو　　تو حق گوے و خسرو حقائق شنو
چہ حاجت کہ نہ کرسیِ آسماں　　نہی زیر پائے قزل ارسلاں
مگو پائے عزت بر افلاک نہ　　بگو روے اخلاص بر خاک نہ

خسرو نے سلطان جلال الدین کی شان میں جو قصیدے لکھے ہیں اُن میں سے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں ؎

ز آب حیات رشت دہن را ہزار بار　　تا بوسہ بر رکاب شہِ کامراں دہد

اندیشہ کے رسد کہ بہ بوسد رکابِ شاہ | گر بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد
زاں سوے کون گر پرد اندیشہ تا بہ | نتواند آنکہ بوسہ بر آں آستاں دہد

اسی بحر و قافیہ میں سلمان ساوجی کا بھی ایک قصیدہ شیخ اویس کی شان میں ہے اُس میں وہ کہتے ہیں ؎

در بوستاں بیادِ دہانِ تو غنچہ را | ہر دم ہزار بوسہ صبا بر دہاں دہد
ہست آستانِ حضرتِ تا اقبال را حرم | مقبل کسے کہ بوسہ بر آں آستاں دہد
گشت ست پائے بازِ شرف دست تو | بر پائے خویش بوسہ پیاپے ازاں دہد

دیکھو ظہیر فاریابی امیر خسرو سلمان ساوجی تینوں ایک ہی مضمون کہہ رہے ہیں لیکن یہاں خسرو چونکہ مبالغہ کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں اس لئے ظہیر و سلمان دونوں سے ان کا مبالغہ بڑھ گیا۔

ماہ نو کی تشبیب مشاہیر قصائد نگاروں کی ایک موقع پر صاحب خزانہ عامرہ نے جمع کردی ہے ہم اُس میں سے بخوفِ طوالت صرف خاقانی و انوری و خسرو کی تشبیب درج کرتے ہیں۔ ظہیر کے ساتھ مقابلہ اوپر گزر چکا اب تکرار سے کیا حاصل۔

خاقانی ؎

دوش چوں خورشید را مصراعِ خاور ساختند | ماہِ نو را چوں حمائل حلقہ پیکر ساختند
محتسب گوئی بماہِ روزہ جامِ می شکست | آں شکستِ جام را رسوائے خاور ساختند
چرخِ جادو پیشہ چوں زریں قوارہ کرد گم | دامن تحلیش را جیب مقور ساختند

درزبان چرخ راگوئی چہ سہوا فتادہ بود ۔ کاں زرِ سیمیں بدیں دامن نہ درخورساختند
یا شبانگہ قصد کرد ندا ختراں تپ زدہ ۔ کاسماں طشت و شفق چوں ماہ نشتر ساختند
نیمۂ قندیل عیسٰے بود یا محراب روح ۔ یا مثال طوق اسپ شاہ صفدر ساختند

انوری ؎

دوش سلطانِ چرخ آئینہ فام ۔ آنکہ دستور شاہ راست غلام
از کنارِ نبردگاہِ اُفق ۔ چوں بدستِ غروب داد زمام
دیدم اندر سوادِ طرۂ شب ۔ گوشوارہ فلک زگوشۂ بام
گفتم آں نعل خنگ دستور ست ۔ قرۃ العین و فخر آل نظام

خسرو ؎

برآمد ماہِ عید از اوجِ گردوں ۔ طرب چوں ماہِ نوشد ہردم افزوں
بلوحِ آسماں نونے ست یا عین ۔ کہ بیروں آمدہ از کلکِ بیچوں
بہ بیں اندر رکوع آں پارۂ نور ۔ ہلالش گوئی خواہی خواہ ذوالنوں
ہمانا حلقہ گوشِ سپہر ست ۔ کہ دارد از کواکب درِّ مکنوں
سوادِ شام در پیشِ مہِ نو ۔ مگر لیلٰے ست در پہلوے مجنوں
چنیں ماہِ نو و عیدِ خجستہ ۔ مبارک باد بر ذاتِ ہمایوں

قصائد گوئی کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے وہ بوجہ احسن و اکمل خسرو میں موجود تھیں اور اُنھوں نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے اپنے قصائد میں اپنے جوہر کا اظہار کر دیا ہے۔

شوکت و ندرت الفاظ مسائل علمیہ مقدمات حکمیہ دقائق سلوک و تصوف اصطلاحات علوم مختلفہ دقت معانی صنائع و بدائع لفظی و معنوی (خصوصاً تجنیس و ترصیع) بلند پروازی مبالغہ وغیرہ۔ قصائد نویسی کے زیور ہیں۔

خسرو کا خزانۂ خیال ان سب متاع سے مالا مال تھا۔ پھر جس فراوانی سے وہ اس کو لٹا سکتے تھے وہ کچھ کہنے کی بات نہیں۔ ان کے کلیات کو اٹھا کر دیکھو۔ مختلف بحور و قوافی میں پچاسوں قصیدے پاؤ گے اور نہایت سیر۔

الحمد للہ کہ پیرِ جواں ہمت خادم اسلام و مخدوم قوم نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے چشمۂ فیض کی بڑھتی ہوئی موجوں میں قوم کو قصائد خسرو کے بھی مطالعہ کا موقع ملے گا۔

ہم یہاں محض ایک دو نمونے قصائد خسروی کے درج کرتے ہیں تاکہ ایک مجمل اندازہ ان کی قصائد نویسی کے متعلق ناظرین کر سکیں۔

موعظت و اخلاق میں ان کا ایک قصیدہ ہے جس کا نام بحر الابرار یا دریائے ابرار ہے نہایت ہی سیر قصیدہ ہے اُس میں یہ التزام ہے کہ ہر شعر کا پہلا مصرع دعویٰ ہے اور دوسرا دلیل دو شعر اُس کے یاد ہیں انھیں کو لکھتا ہوں ؎

عاشقی رنج ست و مرداں را بسینہ راحت ست — سلسلہ بند ست و شیراں را بگردن زیور ست

راہ رو چوں در ریا کوشد مرید شہوت ست — بیوہ زن چوں رخ بیارا ید بہ بند شوہر ست

چند قصائد ان کے صنعت لف و نشر مرتب میں ہیں جن میں علاء الدین کی مدح کی ہے۔ تین شعر نمونۃً اس میں سے بھی لکھتا ہوں ؎

کجا خیزد چو تو سروے جوان و نازک و نو بر | شکر گفتار و شیریں کار و گل رخسار و مہ پیکر
نباشد چوں لب و اندام و گیسو درخت ہرگز | شکر شیریں و گل رنگین و شب مشکین و صبح اذفر
بر اندیشۂ مہر و فراق و آرزوئے تو | ز شخصم تاب و رویم آب و چشم خواب و جانم خور

خسرو کے بعد سلمان ساوجی و قاآنی نے بھی صنعت میں قصیدے لکھے ہیں جو اُن کے کلیات میں موجود ہیں لیکن سلمان ساوجی کا قصیدہ تو بہت ہی پھیکا رہا۔ بالکل آورد و تصنع معلوم ہوتا ہے۔ قاآنی جو شوکتِ الفاظ کا بادشاہ ہے یہ اپنے زور الفاظ سے بہت کچھ رنگ آمیزی کرنا چاہتا ہے لیکن خسرو سے بمراحل دور ہے۔

خسرو نے اپنے ایک طولانی قصیدے میں جس قادر الکلامی کے ساتھ مسئلہ تخلیقِ عالم اور اُس کے متعلقات پر بحث کی ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان فلسفیانہ مسائل میں وہ اس طرح تیرے ہوئے ہیں اور فلسفہ کے دقائق و نکات اُن پر اس طرح حل ہیں کہ طرح طرح کے اسلوب سے بیان کرنے پر اُنھیں قدرت تامہ حاصل ہے۔

پدید کرد جواہر مجرد از مادہ | کہ در خزانۂ ملکش لبالبِ اظہار ست
یکی ست نفس کہ ہست او مدبر ابدا | کہ بہر ہر بدنے روز و شب بہ تیمار ست
وگر دوم طلبی عقل جوہریست کہ آں | نہ در تعلقِ کارِ دیار و دیار ست
زہے عجائب صنعش کہ در لوائح کن | ولد سہ لیست نہ و مرد ہفت زن چار ست
بنات و معدن و حیوان ریں حدیقہ کنوں | سہ میوہ ایست کہ از یک درخت آں بار ست
یکیست سنگ جماد و ملون و سادہ | کہ از مشابہتِ دو شریک بیزار ست

دوم چو شعلہ دراں تکیہ کرد بر پایش | گہے بکنج حرم گہ بصفۂ نارست
سوم رہ وندہ وگرداں خزانہ خانۂ جاں | کہ بہر نقب خزانہ بسیش ہنجارست
دراں خزینہ چہارم گراں بہا گہرست | کہ قیمتش نہ دو دو عالمش خریدارست
ازاں سہ جاہل سود و زیان لذت و ذوق | بریں یکے کہ یگانہ ست جملہ اتیارست
وجودِ آدمی از عین عرتش عکس ست | چو عکسِ آب کہ از آدمی نمودارست

اسی قصیدے میں انسان کی ترکیب جسمانی وحیوانی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

ز آب و گل تنِ مردم چو قلعہ آراست | بشکلِ تنگ و بمعنی جہانِ اسرارست
در و کشید چو عنصر چہار بازارے | کہ رختِ ہر دو جہانش بچار بازارست
خزینہ دارِ نفائس بسینہ دل را ساخت | خرد وزیر شد و جان سپاہ سالارست
نخست حسِ بروں را بہ تجربہ بنگر | کہ ذوق و فائدہ رہ ہر یکے چہ مقدارست
دگر حواس درون بین آنچہ و اندر تن | ہزار عالمِ مستور خاص ستارست
تو حس مشترک و وہم و فہم صورت کن | کہ ہر یک آئینۂ جاں بغیر زنگارست

شاعر کی جادوگری وسحر نگاری کے جو مواقع ہیں اُن میں سے ایک یہ ہی کہ خشک علمی مضامین کو اپنی رنگین بیانی سے ایسا آراستہ کرے کہ صحیح مسائل کا بیان دل آویز و دل پذیر ہو جائے جس نے فلسفہ وحکمت میں ان مسائل کو پڑھا ہوگا وہی سمجھ سکتا ہی کہ ان دقیق مسائل کو خسرو نے کس محققانہ طرز سے ادا کیا ہی۔ جو مسائل کتب حکمیہ میں چند صفحوں میں بیان ہوئے ہیں یہاں

اُنھیں چند اشعار میں بیان کر رہے ہیں

خاقانی نے ایک نہایت طویل لذیل قصیدہ لکھ کر اُس کا نام مرات النظر رکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

دلِ من پیر تعلیم ست و من طفلِ زباندانش
دمِ تسلیم سر عشر و سرِ زانو دبستانش

یہ قصیدہ اُس کا بہت ہی مشہور قصیدہ ہے اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس قصیدے میں اُس نے بڑی داد قادر الکلامی دی ہے۔ مضامین اپنے علو مرتبت میں اور خیالات اپنی بلند پروازی و ندرت میں آپ اپنا جواب ہیں عادت کے موافق خاقانی نے اس قصیدے پر بہت کچھ فخر و مباہات کیے ہیں اور کوس انا ولا غیری بجایا ہے۔ خسرو نے اس کے جواب میں ایک قصیدہ اسی بحر و قافیہ میں لکھا اور اُس کا نام مرات الصفار رکھا۔ خسرو کے بعد مولنٰا جامی نے بھی اسی بحر و قافیہ میں طبع آزمائی کی۔ اور اپنے قصیدے کا نام جلاء الروح رکھا۔

ان تینوں قصائد میں کیا فرق ہے۔ اس بحث کو میں یہاں چھیڑنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ان پر بحث کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے جس کا یہاں موقع نہیں۔ اور چند اشعار کے مقابلہ سے پورے قصائد کی خوبیاں اور ایک دوسرے کا فرق ظاہر نہیں ہو سکتا تاہم اس خیال سے کہ سطحی طور سے بھی عام ناظرین اندازہ کر سکیں اپنے مقصد کے لئے مناسب ہوگا کہ تینوں قصائد میں سے تھوڑے تھوڑے اشعار ذیل میں درج کر دیے جائیں جس میں جامی کا قصیدہ خود تنقید کا مرتبہ رکھتا ہے اُنھوں نے آخر قصیدے میں فیصلہ کر دیا ہے کہ کس کے قصیدے کا کیا پایہ ہے۔

خاقانی ؎

دلِ من پیرِ تعلیم ست و من طفلِ زبانداںش | دم تسلیم سرِ عشر و سر زانو دبستانش

نہ ہر زانو دبستان ست و ہر دم لوح تسلیمش | نہ ہر دریا صدف دار ست و ہر نم قطرہ نیسانش

سر زانو دبستان ست چوں کشتی نوح آں را | کہ طوفان جوش در داوست و جودی گرد دامانش

کسے کیں خضر معنی راہ ست و امنگیر چوں موسیٰ | کفِ موسیٰ و آبِ خضر بینی در گریبانش

مرا ہمت چو خورشید ست شاہنشاہ زندستا | کہ چرخش زیر راں ست و سرِ عیسیٰ ست بر رانش

بلے خود ہمتِ درویش چوں خورشید می باید | کہ سامانش ہمہ شاہی ست و فارغ ز سامانش

زہے خضرِ سکندر دل ہوا تخت و خرد تاجش | خہے سرمست عاقل جاں بقا نزل و رضا خوانش

دو کون امروز دکاں نیست کحال شریعت را | کہ خود کحل الجواہر یافتند انصار و اعوانش

بہ بندار کحل دیں خواہی کمر چوں دستہ ہاون | بہ پیشِ آنکہ ارواح اند ہاون کوب دکانش

ہمہ گیتی ست بانگ ہاون اما نشنود خواجہ | کہ سیماب ضلالت ریخت اندر گوش خذلانش

فلک ہم ہاون کحل ست کردہ سرنگوں گوئی | کہ منع کحل سائی را نگوں کردند زیں سانش

حق یہ ہے کہ اس خاقانِ ملک سخن نے اپنی قادر الکلامی اور بلند خیالی کا بے مثال نقش صفحۂ قرطاس پر کھینچ دیا ہے۔ بلحاظ شکوہ الفاظ۔ رفعت خیال۔ زور کلام استعارات و تشبیہات کی موزونی۔ بندش کی چستی۔ اشعار کی برجستگی فصاحت و بلاغت و متانت اور صنائع شعری کے خاقانی کا یہ قصیدہ بے بدل ہے۔

امیر خسروؔ

دلم طفل ست و پیر عشق استاد زبان دانش | سواد الوجہ سبق و مسکنت کنج دبستانش
زبان دان پیر عشق آمد کہ ہر کہ آموخت فرانش | درونش لوح محفوظ ست و خاموشی ست بزبانش
بباز ار فقیراں رو اگر نقدیست در کیسہ | کہ چندیں تحفۂ گنج ست در ہر کنج دکانش
چو مرد از خود بروں آید گل و خارست یکرنگش | چو مست از ہوش فارغ شد شب و روز ست یکسانش
ز دریائے شہادت گر نہنگ لا بر آرد سر | تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش
نہ من گفتار دانا را جوابے ساختم لیکن | جوے آوردم و کاہی کہ ریزم پیش یکرانش
سخن زاں گو نہ گفتم من بلند امروز در دہلو | کہ از خواب گراں بیدار کردستم بشیر دانش
مرا انصاف مطلوب ست نے تحسیں ازیں معنی | کسے کو نگذرد ز انصاف باشد خصم یزدانش

خسرو اقلیم معانی نے بھی اپنے قصر مرات الصفا کی آئینہ بندی اور زیب و زینت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ اور جواہر زواہر معانی سے اُس کی آرائش و زیبائش اس طرح کی ہے کہ خاقان ملک سخن کے قصر معلیٰ کی رفعت شان سے ہم رتبہ ہو سکے۔ اور انصاف یہ ہے کہ اگر بتما جہا نہیں، تو قریب قریب بام مراد تک رسائی حاصل کی ہے۔ لذت کلام نزہت خیال حسن ادا فصاحت و متانت اور صنائع شعری کے اعتبار سے ان کا قصیدہ بھی لاجواب جواب ہے۔

جامیؔ

معلم کیست عشق و کنج خاموشی دبستانش | سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش

ز ہر کس نیاید ایں استاد و شاگردی نہ ہر کوہے — بدخشاں باشد و ہر سنگ پارہ لعلِ رخشانش

زباں جز بے زبانی نیست ایں نادر معلم را — دریغا در ہمہ عالم ندانم کس زباں دانش

دو شاخِ لا شود در کفر غل گردن یک ساں — چو بکشاید در الا بوحدت چشم عرفانش

میانِ لا و الا یک الف فرق ست و زیں بود — در الا آں الف بالا شمار و عقل یکسانش

سخن آں بود کز اول نہاد استاد خاقانی — بمہماں خانۂ گیتی پے دانشوراں خوانش

چو در سیرِ معانی یافت خسرو سوے آں خوان رو — ملاحتہاے افگند شورے در نمکدانش

اگر امروز ایں خادم زبحر شعر تر آبے — پے دست و زباں شستن بیارد نیست تاوانش

سخن سنج جام نے جو فیصلہ کیا ہے اُس سے بہتر فیصلہ اس زمانے کے لوگوں کا کیا ہوسکتا ہے۔ خاقانی نے خوانِ نعمت بچھایا۔ خسرو نے اُس کو نمک ڈال کر بامزہ بنایا جامی علیہ الرحمۃ نے کھانے والوں کے ہاتھ دھلوا دئے۔ اب ہم بھی قصائد کی بحث کو ختم کرتے ہیں۔

مثنوی مثنوی میں بھی خسرو کا پایہ بہت ارفع ہے سادگی و صفائی کے ساتھ ساتھ ایک خاص جوش واثر دل آویزی و دل ربائی ان کی مثنویوں میں پائی جاتی ہے۔ بیان کی سلاست زبان کی شوخی الفاظ کی موزونیت و ندرت۔ بندش کی نفاست خیالات کی ہمواری عبارت کی روانی مثالوں کی چاشنی تمثیلوں کی برجستگی مواعظ و پند کی لطافت و شیرینی اہل ذوق کو والہ و شیدا بناتی ہے۔

اصناف نظم میں مثنوی کی نظم ایک بڑی صنف اور بہت قدیم صنف ہے باعتبار مضامین

اس کی تین قسمیں ہیں رزمیہ۔ بزمیہ۔ اور اخلاقی وصوفیانہ۔

رزم اور فردوسی

فردوسی کا شاہنامہ جو اُس کی تمام شاعرانہ قوت کا خلاصہ و جوہر ہے اُس میں رزم کی تصویر ایسی ہو بہو کھینچی ہے جس کا مقابل آج تک کوئی پیش نہ کر سکا اگرچہ اُس کے اس التزام نے کہ عربی آمیزش سے حتی الامکان زبان فارسی محفوظ رہے بہت سے ثقیل و نامانوس الفاظ داخل کر دیئے۔ لیکن رزم کی مثنوی میں فردوسی کی زبان اُن الفاظ کی ثقالت بھی ایسی ہی خوشنما و بیکر آرا رہی جیسے ایک نبرد آزما جنگ جو کے جسم پر جوشن و زرہ۔

فردوسی و یوسف زلیخا

محمود کے دربار سے جب فردوسی شکستہ خاطر ہو کر بھاگا تو اُس نے اپنی اُس زندگی میں یوسف زلیخا لکھی اور چاہتا تھا کہ بزم میں بھی اپنی عروس سخن کو اس جلوہ گری سے ظاہر کرے کہ رزم و بزم دونوں کا سکہ فردوسی ہی کے نام کا جاری ہو لیکن یہ حصہ کسی آیندہ آنے والے کا تھا۔ اس لئے اس کی سعی یوسف زلیخا میں کچھ کامیاب نہو سکی۔ بعض اس کی علت اُس کی شکستہ خاطری اور پریشان حالی قرار دیتے ہیں خیر سبب کچھ بھی کیوں نہو لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ رستم و سہراب۔ بہمن و اسفندیار کے خنجر و شمشیر کا بیان کرنے والا لیلےٰ کے تیغ ادا اور کمندِ گیسو کو کیونکر جان سکتا ہے اس لئے اس کا لکھنا نہ لکھنے کے برابر تھا۔

ہاں اُس قدر عشق کا بیان جس میں سپاہ منشی کی آن بان قائم رہے وہاں تک تو اُس کا قلم مثل مصوری کام کرتا ہے لیکن جہاں عشق نے قدم آگے

بڑھایا۔ بس فردوسی کا قلم کانپ اُٹھتا ہے اگر کوئی فردوسی کے کمالات پر خاک ڈالنا چاہے تو اُس کی یوسف زلیخا سے جامی علیہ الرحمۃ کی یوسف زلیخا کا مقابلہ کرکے عوام کو بخوبی دھوکا دے سکتا ہے۔

صوفیانہ و اخلاقی مثنویاں مولنا رومی حکیم سنائی فریدالدین عطار کے رشحات قلم سے عالم وجود میں آئیں اور اس طرح مثنوی کی دو قسمیں بہ تمام وکمال زیور نظم سے آراستہ پیراستہ ہوگئیں۔ لیکن ان کی ایک قسم یعنی بزم و عاشقانہ وہ اپنی پوری آرائش و زیبائش کے لئے کسی زبردست قلم کی ہنوز منتظر تھی۔

مولنا نظامی اور مثنوی یہاں تک کہ ۵۳۲ھ میں مولنا نظامی گنجوی پیدا ہوئے ان کا خاندان ایک علمی خاندان تھا اور اس کے ساتھ شعر و سخن کا بھی گھر میں شغل رہا کرتا تھا۔ مولنا طالب العلمی کے ساتھ اشعار کی بھی مشق کرتے جاتے تھے۔

پچیس یا چھبیس برس کی عمر میں پہنچکر مخزن الاسرار تصنیف فرمائی۔ اور بہرام شاہ کے نام سے اُسے معنون فرمایا۔ پانچ ہزار دینار سُرخ ایک قطار شتر اور مختلف قسم کے کپڑے انعام پائے۔ یہ مثنوی صوفیانہ ہے فلسفۂ نظری و عملی کو صوفیانہ طرز میں بیان کیا ہے اگرچہ اس موضوع پر مولنا سے بیشتر اسلاف بہت کچھ لکھ چکے تھے لیکن رنگینی و مرصع کاری مولنا کے قلم سے ہوئی تھی جیسا کہ مطالعۂ مخزن الاسرار سے یہ وصف ظاہر ہوگا

مخزن الاسرار کے بعد شیریں وخسرو تصنیف ہوئی۔ اس سے فارغ ہوکر داستان لیلی مجنوں کو نظم کا جامہ پہنایا۔ بہ لطافت کی آرائش کی [illegible]۔ آخر عمر میں سکندر نامہ

لکھ کر اپنے زورِ قلم کا ایک نمونہ چھوڑ گئے۔

مولنا نظامی کی جامعیت | اگرچہ مولنا کی ہمہ گیر طبیعت نے تمام اصنافِ سخن پر زورِ قلم دکھانا چاہا۔ غزلیں بھی کہیں قصائد بھی لکھے لیکن اصل مضمون مثنوی ہے جس میں مولنا کی طبعِ رواں عجیب عجیب خوش رنگ و خوشبو گل کھلاتی ہے۔

مثنوی میں نظامی کی خصوصیات | یہ نظامی ہی کی جدت آفریں طبیعت تھی جس نے شیریں و خسرو اور لیلیٰ مجنوں لکھ کر شاعری کو عشق و حسن کے مراحل و منازل بھی مثنوی کے سہارے طے کرادیئے! ور مثنوی کی تیسری قسم جو ہنوز تشنہ تھی وہ نظامی کے چشمۂ فیض سے اب ایسی سیراب ہوئی کہ آج تک اس راہ کے پیاسے اسی چشمۂ صافی سے پیاس بجھاتے ہیں۔

مولنا نظامی سے قبل مثنوی کے لئے تین بحریں مخصوص تھیں شعرا جب مثنوی کہتے تو انھیں تین بحروں میں ان کے کلام کی روانی پائی جاتی۔ مولنا نے دو بحریں اور اضافہ کیں۔ مخزن الاسرار و ہفت پیکر کی بحریں مثنوی کو نظامی ہی کے دبیرِ قلم کی عطا کردہ ہیں شعرائے مابعد نے ان دونوں نئی بحروں کو بھی ویسا ہی قبول کیا جیسا کہ اس سے پیشتر کی تین بحریں مقبول تھیں اس طرح اب مثنوی کی پانچ بحریں ہوگئیں۔

علاوہ اس کے کہ یہ دو امور خصوصیات بلکہ اولیات نظامی ہیں نفسِ بیان ترکیب و نشستِ الفاظ، زورِ تشبیہ اور ندرتِ استعارہ۔ ان محاسن سے مولنا کا گنجینۂ سخن مالامال ہے۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جن سے دورِ اول کا کلام بہت کچھ خالی تھا اگرچہ ایک

خلقی حسین آرائش کا محتاج نہیں ہوتا لیکن جب وہی حسین آرائش کے ساتھ سامنے آتا ہی تو پھر دل پر کچھ اور ہی اثر پڑتا ہی۔

نظامی کے کلام میں وہ حسن بھی ہی جو قدما، کی مثنویوں میں تھا، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُسے سولہ سنگار سے ایسا آراستہ کیا ہی کہ اہل نظر کی نگاہ اُن سے ہٹنے نہیں پاتی۔ مولنا کے اس کمال کا سخن سنجوں نے ایسا صحیح اعتراف کیا کہ بزم شعرا میں انھیں خدائے سخن کا لقب ملا۔ اور یہ لقب مولنا کے ساتھ مخصوص اور آپ کے تخلص نظامی کا مرادف ہو گیا ہی۔

اقسام سہ گانہ مثنوی میں جس قوت جامعیت سے کہ مولنا کے قلم نے مضامین رنگین کے مینھ برسائے ہیں۔ اُن کا احاطہ ناممکن ہی۔ پھر جذبات کی مصوری و واقعات کی تصویر کشی مولنا نے کچھ اس کمال و خوبی سے کی ہی کہ فردوسی جیسا واقعہ نگار بھی کہیں کہیں پیچھے رہ جاتا ہی۔ مولنا کے اس کمال کے دو نمونے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

مثال اول | دارا جب غلاموں کے ہاتھ سے زخمی ہوتا ہی اور حالت نزع میں آخری سانس لے رہا ہی اُس وقت سکندر اُس کے پاس جاتا ہی اور دارا اُس سے کچھ کہتا ہی اس واقعہ کو فردوسی و نظامی دونوں نے بیان کیا ہی لیکن جو تصویر کہ مولنا کے قلم نے کھینچی ہی اُس کے خط و خال ایسے نمایاں ہیں کہ دارا کے جذبات جذبات معلوم نہیں ہوتے بلکہ گوشت و پوست سے درست ایک چلتی پھرتی صورت معلوم ہوتی ہی۔

فردوسی نے واقعہ یہ دکھانا چاہا ہے کہ مرتے وقت انسان کے تمام ولولے اور جوش فنا ہو جاتے ہیں بسترِ مرگ پر ایک فقیر و بادشاہ دونوں کے جذبات پہلو بہ پہلو ہوتے ہیں۔ اپنی بیکسی و بے مائگی پس ماندوں کی حیرانی و تباہی دونوں پر یکساں چھا جاتی ہے۔

اس لئے فردوسی دارا سے ایسے کلمات نقل کرتا ہے جس سے صرف دنیا کی بے ثباتی اپنی مجبوری انقلابِ دہر کا عبرت ناک سماں سمجھا جاتا ہے۔

برخلاف اس کے مولانا نظامی علیہ الرحمۃ اُس لطیف فرق کو نہایت خوبی سے بیان فرماتے ہیں جو شاہانہ و خسروانہ دماغ کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی تاسف و تحسر کے کلمات دارا کی زبان سے بیان کرتے ہیں لیکن شاہنشاہی اور کیانی تاجداری کی شان اُس میں مضمر ہے اور یہی نکتہ بیان کا کمال بلکہ سخن کی جان ہے۔ دونوں کے کلام سے سات سات شعر اس جگہ ثبوت کے لئے نقل کرتا ہوں۔

نظامی	فردوسی
اگر تاج خواہی ربود از سرم	زمین و زماں بندہ بد پیشِ من
یکے لحظہ بگزار تا بگزرم	چنیں بود تا بخت بد خویشِ من
مگرداں سرِ خفتہ را از سریر	چو از من ہماں بخت بیگانہ شد
کہ گردونِ گرداں برآرد نفیر	ہمہ کاخ و ایواں چو ویرانہ شد

نظامی	فردوسی
تو اے پہلواں کآمدی سوے من	زنیکی جدا ماندہ ام زیں نشاں
نگہ دار پہلو ز پہلوے من	گرفتار در دست دشمن کشاں
کہ با آنکہ پہلو دریدم چو میغ	ز فرزند و خویشاں شدہ ناامید
ہمی آید از پہلویم بوئے تیغ	سیہ شد جہاں دیدگانم سفید
چہ دستت کہ با ما درازی کنی	زخویشاں کسے نیست فریاد رس
بتاج کیاں دست بازی کنی	امیدم بہ پروردگار ست وبس
نگہ دار دستت کہ داراست ایں	برین ست آئینِ چرخِ رواں
نہ پنہاں چو روز آشکارست ایں	اگر شہریاری وگر پہلواں
زمیں را منم تاج تارک نشیں	بزرگی بفرجام ہم بگذرد
مجنباں مرا تا نجنبد زمیں	شکارست مرگش ہمی بشکرد

دیکھو فردوسی نے بجز اس کے کہ پہلے شعر میں اُس کا صاحبِ تخت واقبال ہونا بیان کیا ہی اس کے سوا اور کوئی کلمہ ایسا نہیں کہا جس سے ایک ایسے شخص کے جذبات کی خصوصیت معلوم ہوتی جس کا وجود ایک بہت بڑے شاہی خاندان کی یادگار تھا اور جس کی زندگی کی ہر حرکت وسکون سلطنت کیانی کا ایک تاریخی ورق تھا۔

برخلاف اس کے مولنا کا ہر شعر اس خصوصیت کے اظہار میں کیسا کامل ہی

جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ دمِ واپسیں تک بھی شاہی جذبات سے خالی نہیں ہوتا۔

مولانا نظامی کے کمال کی ایک دوسری مثال

اسی طرح اس واقعہ کو کہ خود سکندر قاصد کے لباس میں ایک دوسرے شاہانہ دربار میں جاتا ہے۔ پیام پہنچاتا ہے اور پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ قاصد نہیں بلکہ خود سکندر ہے۔ لیکن سکندر انکار کرتا ہے۔ آخر میں شاہانِ عہد کی تصویریں نکالی جاتی ہیں اور اسکندر کے پاس کوئی حجت نہیں رہتی ہے۔

اس واقعہ کو دونوں نے بعینہٖ لکھا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ مولانا نظامی نے نوشابہ کے دربار میں پہنچایا ہے اور فردوسی قیدافہ کی بارگاہ میں لیجاتا ہے لیکن واقعات کا تسلسل جو نظامی کے یہاں ہے وہ فردوسی کے یہاں بالکل نہیں پایا جاتا۔

فردوسی نے سکندر کو جو قاصد بنایا تو تھوڑی دیر کے لئے اس کے شاہانہ حوصلے خسروانہ جذبات ملوکانہ اولوالعزمی شجاعانہ ہمت یہ سب ہیچ مچ فنا ہوگئے اور قاصدی کے جامہ میں آتے ہوئے حقیقتاً ہر طرح کا ضعف بھی اس میں آگیا۔ چنانچہ قیدافہ کے دربار میں وہ جب پہنچتا ہے تو دربار کی آراستگی اور شاہانہ جاہ و حشم اسے متحیر کردیتا ہے۔ سطوت و ہیبت شاہی سے وہ مرعوب ہوکر تمام مراسم قاصدی پورا کرتا ہے۔ لیکن اثنائے گفتگو میں بادشاہ کو خود بخود خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت سکندر سے ملتی ہے اور وہ تصویر نکال کر دیکھتا ہے۔

مگر نظامی اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اگر بادشاہ کسی معمولی و کہتر شخص کے لباس میں بھی آجائے تو شاہانہ دماغ کے لوازم اُس حال میں بھی اسے اہل بصیرت کی نگاہوں میں ممتاز رکھتے ہیں۔

اس لئے سکندر جب نوشابہ کے دربار میں پہنچا تو سجدہ برسم قاصداں بجا نہ لاسکا طرز کلام میں اُس کے جو وقار و جرأت پائی جاتی تھی اُس میں شان قاصدوں کی نہ تھی۔ اس سے نوشابہ کو حیرت ہوتی ہے اور خیال گزرتا ہے کہ یہ جرأت بادشاہوں جیسی ایک قاصد میں کیونکر ہوسکتی ہے۔ اس خیال کی بنا پر وہ کہتی ہے ؎

کہ صد آفریں بر تو شاہِ دلیر — کہ پیغام خود میگزاری چو شیر

میانجی نہ شاہِ آزادۂ — فرستندۂ نہ فرستادۂ

سکندر انکار کرتا ہے۔ قاصد ہونے پر مصر ہے اور سکندر کی عظمت و جلال کا خطبہ پڑھتا ہے تب نوشابہ تصویر منگواتی ہے سکندر کی تصویر اُس کے روبرو رکھ دیتی ہے اب وہ حیران ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ فردوسی جو مثنوی کے باب میں پیغمبر تسلیم کیا گیا ہے اور جس کے کلام کی پختگی خیالات کی بلندی جذبات و احساسات کی مصوری ایک امر مسلم ہے نظامی نے اُس اُستادِ مسلم کے ساتھ میدانِ رزم میں مسابقت کی اور اس میں

شک نہیں کہ ان تمام مقامات پر جہاں اُس سے کچھ بھی کمی رہ گئی تھی نظامی نے اُسے پورا کرکے ایک قدم اپنا آگے بڑھالیا۔ بہت سی جگہوں میں اُس کے دوش بدوش ہے۔ لیکن جو میدان کہ فردوسی کا خاص ہوچکا تھا اور اُس کے کلام کی بلندی اُس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جس سے ترقی ناممکن تھی وہاں رزم میں البتہ نظامی سے اُس کے کلام کی فوقیت نمایاں ہے۔

بہرحال فردوسی و نظامی کا سکندرنامہ وشاہنامہ سے مقابلہ مقصود نہیں ورحق تو یوں ہے کہ ایک ایسے جوہر کا جسے حکاک نے تراش خراش کر مجلّے بنایا ہو اُس کا ایک کان جواہر سے کیا مقابلہ۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ نظامی کی ہمہ گیر طبیعت کا صحیح اندازہ ناظرین کو ہوجائے اور یہ معلوم رہے کہ ان کی پُرزور طبیعت فردوسی کے چمن سے گزرتے ہوئے وہاں پہنچکر گل کھلاتی ہے جس جگہ فردوسی پہنچنے سے کانپ اٹھتا ہے۔

مولنا نظامی کی جامعیت بمقابلہ فردوسی

مولنا نظامی قصائد لکھتے ہیں غزلیں کہتے ہیں۔ مثنوی عشقیہ اخلاقی و صوفیانہ تصنیف کرتے ہیں اور اپنی سحرالبیانی کا خراج تحسین باکمال اساتذہ سے وصول کرتے ہیں لیکن فردوسی کا قلم جب رزم سے کسی دوسری طرف کا قصد بھی کرتا ہے تو تھرا اٹھتا ہے شق ہو ہوجاتا ہے۔ یہی حال دوسرے مثنوی کہنے والے شعرا کا نظامی کے مقابلہ میں ہے۔ ہر ایک مثنوی گو ایک ایک صنف مثنوی پر قدرت

رکھتا ہے لیکن اقسام سہ گانہ مثنوی پر قوت و شوکت کے ساتھ صرف نظامی ہی کا قلم

رواں ہے۔

خمسہ نظامی کا سو برس تک جواب نہ ہو سکا

الغرض اس خدائے سخن کی پانچ مثنویاں جو خمسہ نظامی کے نام سے مشہور ہیں ۵۹۷ھ میں مکمل ہو کر ایسی مقبول خاص و عام ہوئیں کہ ان کا جواب غیر ممکن سمجھا جانے لگا۔ اور اس طرح یہ خمسہ نظامی سو برس تک انا ولا غیری کا مدعی رہا۔ اب سو برس بعد تلك الايام نداولها بين الناس کا یوں ظہور ہوتا ہے کہ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ اس میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اس جوش و مستی سے بادیہ پیمائے سخن ہوتے ہیں کہ باوجود مشاغل گوناگوں و تصانیف متنوعہ تین برس سے کم عرصے میں نہایت کامیابی کے ساتھ خمسہ نظامی کی منزل سے قریب اپنے خمسۂ خسروی کا خیمہ نصب کر دیتے ہیں۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

بیان مثنوی میں یہ صفحات جو فردوسی و نظامی کے متعلق لکھے گئے ان سے صرف اس امر کا ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اقسام نظم میں مثنوی اپنے ایسے مرتبۂ کمال پر پہنچ گئی تھی کہ سو برس کے عرصہ میں جس قدر بھی کہ شعرا گزرے انہوں نے قصائد کہے غزلیں کہیں اور اسلاف سے کہیں زیادہ اپنے کلام کو محاسن و لطائف سے آراستہ کیا لیکن مثنوی کے ارادے سے جب نظامی کے خمسہ پر نظر ڈالتے تو جواب کیا خمسہ جواب دے جاتے۔

حالانکہ اصناف نظم میں سب سے زیادہ مفید مثنوی ہی کی صنف تھی مسلسل مضمون اسی میں بیان ہو سکتا ہے اور اسی لئے شعرائے ایران نے مثنوی کی قسم ایجاد کی تاکہ واقعات و حالات تاریخی نظم کی دل آویزی سے مرغوب و پسندیدہ ہو کر بقا کی صورت میں آجائیں لیکن نظامی کے کلام کی بلندی نے سب کے حوصلے اس طرح پست کر دیئے تھے کہ مثنوی کی صنف قریب تھی کہ معدوم ہو جائے۔

یہ خسرو علیہ الرحمۃ کے کمال و زور بیان کا احسان ہے کہ عالم نظم میں سو برس بعد پھر مثنوی کا دورہ آیا۔

خسرو کا احسان اور مثنوی کی دوبارہ زندگی

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس خزینۂ نظم کے ابواب اپنی خداداد قابلیت سے اس وسعت و فراخی سے مفتوح کر دئے کہ آج تک شعرا اپنے اپنے حوصلہ و استعداد کے مطابق اس سے حصہ پا رہے ہیں۔

مثنوی پر یہ احسان حضرت خسرو علیہ الرحمۃ کا ہے جن کے قلم اعجاز رقم نے پھر اسے ایسا زندہ کیا کہ آج تک یہ مردہ نہ ہو سکی۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام میں اگر خمسۂ خسروی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو بھی اُن کے کمال کا مسلم ہونا ظاہر تھا۔ اس لئے کہ نظامی علیہ الرحمۃ کے بعد مثنوی گوئی کا ارادہ شاعری کے لئے کچھ آسان نہ تھا۔

مولانا نظامی کی تمام عمر کا جسے سرمایۂ ناز اور اُن کے چمن شاعری کا گل سرسبد کہا جاتا ہے وہ صرف مثنوی ہے۔

مولانا کی طبیعت میں نظم کی اس صنف سے خاص لگاؤ تھا اطمینان و فراغ

خاطر سے مشق اس کی بڑھاتے رہے یہاں تک کہ کلام کی بلندی اُس مرتبہ پر پہنچی کہ خدائے سخن کا لقب ملا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ جنھیں اپنا وقت صبح سے شام تک دربار شاہی میں بسر کرنا ہوتا تھا اور اُس کے بعد جب مہلت و فرصت ملتی تو اُسے اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں سعادت اندوز فرماتے۔ اسی کشاکش وضیق وقت میں جو لمحات کہ مل جاتے اُن میں شاعری کی طرف توجہ ہوتی۔

انصاف شرط ہی کہ ایک ایسے شخص کا خمسۂ نظامی کے مقابل جو اُن کی عمر کا سرمایہ ہی تین برس میں خمسہ طیار کرنا کیا کرامت نہیں ہی۔

اس بحث کو ہم یہاں چھیڑنا نہیں چاہتے کہ خسرو کا خمسہ کہاں تک کامیاب ثابت ہوا۔ اس لئے کہ اس رسالہ کے آخری حصہ میں مبسوط بحث اسی مضمون پر ہی ہفت پیکر و ہشت بہشت کا سیر کن مقابلہ کیا گیا ہی یہاں صرف اس قدر بیان کرنا ہی کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے جب یہ دیکھا کہ شاعری کی ایک مفید صنف معدوم ہوئی جاتی ہی نظامی کی ہیبت کسی کو قلم اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتی تو آپ نے بسم اللہ کہہ کر ہمتِ مردانہ سے کام لیا۔ اور الحمد للہ کہ آپ کی سعی مشکور ہوئی جیسا کہ خمسہ کی پہلی مثنوی مطلع الانوار میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ بملک سخن از پنج گنج	نوبتِ آں گنجہ نشیں گشت پنج
نوبت خسرو کہ بپیچش نواست	پنجہ زنِ نوبتِ آں خسرو ست
سازم ازاں ساں بسرائے سپنج	پنج کلید از پئے آں پنج گنج

کانچہ بہمہ گنج بود ناپدید | فتح شود ہم بزبانِ کلید
آں نمط آرم کہ ہمہ ناقداں | فرق ندانند ازیں تا بداں
ملکِ کہن راچو گرفتم بہ تیغ | گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے خمسہ کو پانچ خزانے بتایا ہے اور اپنے خمسہ کو اُن خزان کی کنجیاں یہ استعارہ اُس وقت اور بھی لطف دے جاتا ہے جب یہ دیکھا جائے کہ بعد خسرو علیہ الرحمۃ کے ستر سے بھی زیادہ خمسۂ نظامی کی طرز پر مثنویاں لکھی گئیں۔

منقولۂ بالا اشعار کے پچھلے دو شعروں سے یہ مقصود ہے کہ نظامی کی روش لفظاً و معناً اس طرح اختیار کی جائے اور بیان ایسا رنگین و مرصع ہو کہ تابع و متبوع میں فرق نہ معلوم ہو۔ پھر صرف یہی نہیں کہ محض اتباع نظامی اس خمسہ کا کمال ہو بلکہ خود اپنی مجتہدانہ قابلیت کا بھی ثبوت اس میں دیا جائے۔ چنانچہ جہاں خسرو کی ہمہ گیر طبیعت نے نظامی کی روش فتح کی ہے وہاں خزائن خسروی کے خاص جواہر بھی آیندہ آنے والوں کے لئے مینھ کی طرح برسا دیئے ہیں پس خسرو کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ؎

ملک کہن راچو گرفتم بہ تیغ | گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

اس امر کا ثبوت کہ خسرو نے جو کچھ اپنی مثنویوں علی الخصوص خمسہ کے متعلق کہا ہے وہ صرف جذبات شاعرانہ کی نغمہ سرائی نہیں ہے بلکہ ایک امر واقعی کا سچا اور حقیقی بیان ہے اس حصۂ کتاب میں ثابت ہو جائے گا جہاں نہایت تفصیل سے نظامی و خسرو کے

اشعار کا مقابلہ کیا گیا ہے۔

صنف مثنوی پر احسان خسروی کی تفصیل

لیکن اس جگہ مجمل طور پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ صنف مثنوی پر وہ کونسا خاص احسان ہے جسے خسرو کی گوہر افشانی کہی جائے۔

(۱) ابھی یہ مضمون بیان ہو چکا ہے کہ قدما کے کلام میں مثنوی کے لئے صرف تین بحریں تھیں نظامی علیہ الرحمۃ نے دو بحریں اُس پر اضافہ کر کے مثنوی میں وسعت پیدا کی۔

بحور مثنوی میں ازدیاد

خسرو علیہ الرحمۃ کا جب زمانہ آیا تو آپ نے پانچ پر دو بحریں اور بڑھائیں اور اس طرح مثنوی کے لئے سات بحریں ہو گئیں پھر آپ نے ایک مثنوی لکھی جس کا نام نہ سپہر قرار دیا اور اُس میں دو نئی بحریں اور بھی اضافہ کیں اس طرح چار تازہ بحریں مثنوی کو خاص خزانۂ خسروی سے عطا ہوئیں۔

(۲) نظامی کے عہد تک یہ دستور تھا کہ عنوان محض سادہ ہوتے مثلاً حمد نعت مدح سلطان وقس علیٰ ہذا۔ اسی قدر عبارت عنوان کے لئے کافی سمجھی جاتی۔

عنوان میں جدت

لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے اس میں بھی ایک جدت پیدا کی۔ آپ نے اپنی مثنویوں میں عنوان کو ایک عجیب دلکش و رنگین نثر میں لکھا ہے دیکھو اسی ہشت بہشت کے عنوانات۔

چنانچہ مثنوی مطلع الانوار میں اپنی اس ایجاد کو خود فرماتے ہیں ؎

[illegible] کنم خانہ پُر

ہر پیہ نو لیسم بسر داستاں | رست کنم رہ زپئے رہ تناں
تا قلم ہر کہ دوا دو کند | پس روی این روش نو کند

اس طرح عنوان قائم کرنے سے ایک یہ لطف بھی پیدا ہو گیا کہ جب پڑھنے والا ایک مضمون ختم کر لیتا ہے اور دوسرا شروع کرنا چاہتا ہے تو عنوان جو نثر میں تحریر ہے اپنی عبارتِ رنگین سے ذوقِ مذاق میں چاشنی پیدا کر دیتا ہے اور اس تبدیلیِ ذائقہ سے طبیعت میں تازگی آجاتی ہے۔ مسلسل ایک ہی بحر میں اشعار جو آتے جاتے ہیں اُن سے تکان و سیری پیدا ہونے نہیں پاتی۔ پھر عنوان کا بیان و مضمون پر حاوی ہونا اور اُن حدود سے کم و بیش نہ ہونا جو عنوان سے مفہوم ہوتا ہے ایک عجب متکلمانہ کمال ہے۔

مثنوی نہ سپہر و قران السعدین میں یہ طرز اختیار کیا گیا ہے کہ ہر عنوان پر ایک ایک شعر لکھتے چلے گئے ہیں۔ اگر ان تمام عنوانوں کے اشعار مسلسل جمع کر لئے جائیں تو ایک پر زور قصیدہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح بعض مثنویاں ضمن عنوان میں ایک فصیح و بلیغ قصیدہ بھی رکھتی ہیں۔

عنوان کا اپنے بیان و ماتحت مضمون پر حاوی و محیط ہونا یہاں بھی پایا جاتا ہے حالانکہ قصیدہ نگاری نے اس راہ کو سخت سنگلاخ کر دیا تھا۔

فن تقریر و تحریر کے نقاد اس کمال کی البتہ داد دے سکتے ہیں کہ عنوان و موضوع کے اندر رہ کر اس طرح لکھنا یا بولنا کہ نہ تو موضوع سے کلام بڑھ کر نکلنے پائے نہ بیان کسی پہلو سے تشنہ رہ جائے اس قدر اہم و مشکلۃ الآرا ہے۔

غرض تحریرِ عنوان کا یہ جدید و دل پذیر طرز خاص ایجادِ خسرو علیہ الرحمۃ ہے۔ اگرچہ جس طرح اس کے موجد ہونے کا انتساب خسرو علیہ الرحمۃ کی طرف ہے اسی طرح اس کے خاتم بھی وہی ہیں (اس لئے کہ) بعد آنے والے اس کی تقلید نہ کر سکے لیکن اگر غالب دہلوی کی اردو تحریری روش پچھلے نہ اختیار کر سکے تو اس سے غالب کی ایجاد اور کمال میں کیا نقص لازم آتا ہے۔

(۳) واقعات تاریخی یا قصص ماضیہ کو جن شعرا نے کہ نظم کیا مثلاً شاہنامہ سکندر نامہ اور یوسف زلیخا وغیرہ ان کا مرتبہ نظم میں آکر بہت ہی گر جاتا ہے لوازم شاعری کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ واقعات کی صورت بالکل متغیر و متبدل ہو جاتی ہے۔ ایسی مثنویوں سے شاعری کی ترقی، زبان کی صفائی، محاورات کی چاشنی، بندش کی چستی البتہ حاصل ہوئی لیکن علمی و تاریخی فائدہ اس سے حاصل نہ ہو سکا۔

مثنوی میں صحیح دلچسپی تاریخ

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی نگاری میں یہ بھی ایک کمال ہے کہ جہاں شعرائے سلف کی روش پر قصص منظوم فرمائے، وہاں شاعری و مثنوی گوئی سے ایک صحیح افادہ بھی فرما گئے۔ چند ایسی مثنویاں ہیں جن سے قطع نظر محاسن مثنوی کے تاریخی حالات نہایت محققانہ و ناقدانہ حیثیت سے معلوم ہوتی ہیں مثلاً خضر خاں و دیول دی، تغلق نامہ، نہ سپہر، قران السعدین وغیرہ۔

ان کتابوں میں اس عہد کے واقعات و حالات، سلطنت و سلاطین کی روش ارکین و اعیان سلطنت کا حال تحقیق سے نظم کیا ہے کہ آج اس عہد کی بہت سی

تاریخی باتوں کا صحیح پتہ انھیں مثنویوں سے چلتا ہی کتنی تاریخیں ہیں جن کی تصحیح کا ماخذ یہی مثنویاں ہیں۔

ہندوستان کے اُس عہد کی تاریخ کا جس نے ناقدانہ و محققانہ مطالعہ کیا ہو وہی شخص ان مثنویوں کو پڑھ کر صحیح داد خسرو کی شانِ مورخانہ کی دے سکتا ہی۔

سلاست | (۴) سلاست و صفائی اگرچہ دورِ ثانی کے کلام میں پیدا ہو چکی تھی لیکن نظامی علیہ الرحمۃ کی مثنوی میں کتنے مقامات ایسے پر پیچ ہیں جن کی گرہ شروح کے ناخن آج تک نہ کھول سکے مثلاً

سکندر نامہ میں جشنِ نوشابہ استعارات و تشبیہ کے ندرت میں ایک بے مثل بیان تسلیم کیا گیا ہی لیکن انھیں چند اوراق میں کتنے اشعار ایسے ہیں کہ آج تک اُن کا صحیح حل نہ ہو سکا۔ شارحین بہت کچھ لکھتے ہیں لیکن پھر بھی حضرت نظامی کی روح سے بہ ادب تمام معافی ہی مانگنی پڑتی ہی لیکن خسرو کی مثنویوں کو پڑھو۔ باوجود کثرت صنائع بدائع جو اُن کا روزمرہ ہی بیان میں ایسی سلاست و صفائی ہی جس طرح سمندر کا شفاف پانی۔

شاعری میں مذہب و علم کا لحاظ | (۵) سب سے بڑی خصوصیت ان میں یہ ہی کہ ان کی مثنویوں میں شاعری تحقیقات علمیہ و مسائل اسلامیہ پر کہیں غالب نہیں ہونے پاتی۔ ان کا قلم کہیں سے لغزش نہیں کرتا۔

مولٰنا نظامی نے جن کا فضل و تقدس اظہر من الشمس ہی مثنوی

ہفت پیکر میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے مذہبی نقطۂ نظر سے سخت قابل گرفت ہے لیکن یہ وہ اتہام شاعری ہیں جن سے شعرا کا کلام خالی نہیں ہوتا ہاں یہ خسرو علیہ الرحمۃ کا کمال ہے کہ شاعری کے تمام اسلحہ ان کی سرکار میں سب سے زیادہ رواں لیکن علم و مذہب اُن کے حملے سے بالکل مامون و مصئون۔

وصف نگاری کا ایجاد (۶) وصف نگاری کا ایجاد بھی خسرو ہی کی قوت فکریہ و صحیح تخیل کا نتیجہ ہے شعرائے سلف محسوسات و موجودات خارجیہ کی الفاظ میں تصویر کشی نہیں کرتے تھے حال آنکہ یہ چیزیں بھی اس کی مستحق تھیں کہ ان کے بیان سے بھی نظم کا چمن آراستہ کیا جاتا مثلاً

کسی شہر کے سواد کا اس طرح بیان کرنا جس سے اُس کا شوق دلوں میں پیدا ہو جائے یا وہاں کے پھول پھل کا بیان یا وہاں کی عمارتوں کا بیاں۔

خسرو علیہ الرحمۃ نے قران السعدین میں اس طرح کے بہت سے مضامین نظم کیے ہیں شہر دہلی کی تعریف، اہل شہر کی تعریف، وہاں کی مسجد کی تعریف، کشتی کی تعریف کاغذ کی تعریف، منارہ کی تعریف وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے کثیر مضامین اُس مثنوی میں ہیں اور اس کا نام خسرو نے وصف نگاری رکھا ہے۔

جس طرح کسی شے کی تصویر اپنی اصل سے زیادہ دلکش ہوتی ہے اسی طرح اُس کا نظم میں بہ تمام و کمال بیان بھی ایک خاص لطف پیدا کر دیتا اور شاعر کی قوتِ متخیلہ اور زورِ بیان سے خبر دیتا ہے اس لیے خسرو علیہ الرحمۃ نے اس کی طرف

توجہ کی اور اس بیان میں بھی اپنا کمال ظاہر کر دیا چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

بود در اندیشۂ من چند گاہ | کز دلِ دانندۂ حکمت پناہ
چند صفت گویم و آبش دہم | مجمعِ اوصاف خطابش دہم
طرزِ سخن را روشِ نو دہم | سکۂ ایں ملک بہ خسرو دہم

الغرض اس طرح کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کا ایزاد و ایجاد خسرو کی مجتہدانہ جدت آفریں طبیعت کا نتیجہ ہے۔

سلاطین میں خسرو کی مثنویوں کی قدر دانی

اب ہم اس بیان کو صرف اس ایک مضمون پر ختم کرتے ہیں کہ خسرو کی مثنوی نگاری کی ان کے زمانے میں کیسی قدر ہوئی! اس کے لئے صرف قطب الدین خلجی کی قدر افزائی ایک روشن بیان ہے۔

اس بادشاہ نے مثنوی نہ سپہر کے صلہ میں ہاتھی کے وزن سے ان کو سونا تول دیا چنانچہ خود قطب الدین کی زبان سے اسی نہ سپہر میں کہتے ہیں ؎

بتاریخ ہمچوں من اسکندرے | کند ہر کہ آرایشِ دفترے
زگنجِ گراں مایۂ بے شمار | دہم بار پایش آں پیل بار
مرا خود دریں رہ پدر شد دلیل | کہ میداد زر ہمترازوے پیل
شناسد کسے کش خرد رہنموں | کہ از پیل بارست وزنش فزوں
چو میراث شد پیل زر دادنم | نہ زیباست زیں سہل تر دادنم

بادشاہ کی اس قدر افزائی کا اسی مثنوی میں یوں شکریہ ادا کرتے ہیں ؎

شہا گنج بخشا کرم گسترا | معانی شناسا سخن داورا
مرا عمر کز شصت بالا گزشت | ہمہ پیشِ شاہانِ والا گزشت
زشاہاں کسے اولم کرد یاد | معز الدنا بودشہ کیقباد
ازاں پس زفیروزہ چرخِ بلند | شدم پیشِ فیروز شہ ارجمند
ازاں پس کہ در شہ ستائی شدم | تونگر ز گنجِ علائی شدم
شد اکنوں کہ اقبال ہمدم مرا | نوازندہ شد قطبِ عالم مرا
چنیں بخششی کز تو جم یافتم | زشاہانِ پیشینہ کم یافتم
کنوں لا بد از سحر سنجے چو من | باندازۂ بخشش آید بمن
جریدہ بریں پیش پرداختم | چو ایں نامۂ خاص کم ساختم

خسرو کے کلام کی قدر افزائی صبی کہ ان کے عہد میں ہوئی زمانہ مابعد میں بھی اُس کی عظمت و عزت وہی قائم رہی۔ چنانچہ خسرو کا تغلق نامہ جب کہ اُس کے چند اوراق فنا ہو گئے اور جہانگیر نے اپنے عہد ۱۰۱۱ھ میں اُسے کچھ نامکمل پایا تو اُس کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ کسی طرح یہ مثنوی تکمل ہو جائے۔ شعرائے دربار سے فرمائش کی ہر ایک نے طبع آزمائی کی لیکن حیاتی کا کلام بادشاہ نے پسند کیا۔ اگرچہ خسرو کے کلام میں کوئی پیوند تو کیا لگا سکتا ہے لیکن پھر بھی اُس کے کلام کی شائستگی و متانت اس درجہ پر تسلیم کی گئی کہ اوراق گم شدہ کی جگہ حیاتی کا کلام پیوند کر دیا گیا۔ بادشاہ نے اس صلے میں حیاتی کو [illegible] سونے میں تول دیا۔ چنانچہ کسی شاعر نے اس واقعہ کو نظم کیا

اور تاریخ یہ کہی۔ "شاعرِ سنجیدۂ شاہی"۔

ملک و قوم میں قدردانی | خسرو کے کلام کی سلاطین و سلطنت نے جو عزت کی وہ ان دونوں عطایائے شاہی سے ظاہر ہے فارسی داں دنیا کی قدردانی اس سے واضح ہے کہ خسرو کی بہت سی مثنویاں بارہا مختلف مطابع میں طبع ہوئیں اور ہاتھوں ہاتھ قدردانوں تک پہنچ گئیں۔

اس بے توجہی ولاپروائی و بدمذاقی کے زمانے میں بھی جسے فارسی کا کچھ بھی مذاق ہے یا جہاں کہیں کتب خانے ہیں ایک ایک کتاب کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں اور یہ خصوصیات کچھ ہندوستانی کتب خانوں کی نہیں ہیں بلکہ یورپ کا بھی کتب خانہ تصانیف خسرو سے معمور ہے۔ خدیو مصر کے کتب خانے کی فہرست جب دیکھی گئی تو اُس سے یہ معلوم ہوا کہ عرب نے اپنے عجمی بھائی کے عجمی کلام کی خود اہل عجم سے کچھ کم محبت و حفاظت نہیں کی ہے بلکہ بعض خصائص جزئیہ میں وہ ممتاز خصوصیت رکھتے ہیں۔

تھوڑی کوشش سے ایک ایک کتاب کے دس دس اور بارہ بارہ نسخے تو خود کالج میں فراہم ہو گئے۔ کتنے گھر ابھی ایسے ہیں جہاں اور بھی نسخے موجود ہونگے بعض کا تو ہمیں علم ہوا اور بعض جگہ انکار و اخفا ہی کچھ کمال سمجھا گیا۔ چنانچہ بہار شریف میں خمسۂ خسرو کا موجود ہونا جب معلوم ہوتا ہے تو اُس وقت مولانا رشید احمد صاحب انصاری پروفیسر کالج علی گڑھ نہایت شوق و ذوق میں سفر کرتے ہیں۔ بہار شریف پہنچکر صاحب کتاب سے ملتے ہیں۔ کتابیں دیکھتے ہیں۔ چند روز کے لئے کالج لانے کی ہر سعی جائز کرتے ہیں ہر طرح کی ضمانت پیش کرتے ہیں لیکن افسوس کہ وہاں سے خمسہ

کالج نہیں پہنچ سکتا۔

عزیزانِ وطن! صدیوں بعد جب کہ مذاقِ سخن باقی نہ رہا کتابیں پنساریوں کی دوکانوں میں پہنچ کر پڑیاں باندھنے کے مصرف میں آنے لگیں قدیم علمی خاندان ویران ہو گئے مصائب و آفات نے گھر کے گھر تباہ کر دیئے۔ بہت سے قیمتی جواہر جنھیں اسلاف نے صدیوں میں کمایا تھا یکسر غارت ہو گئے۔ خسرو کی مثنویوں کا اس وقت تک باقی رہنا اس کے کمالِ مقبولیت و گرانمائگی کو مشعر ہے۔ رہا اس کا گلہ کہ سیکڑوں نسخے کیوں نہ ملے۔ تلاش و جستجو کی زحمت ہی کیوں ہوئی۔ اس کساد علمی کے زمانے میں ایک امر فضول ہے ؎

ہم مٹ گئے تو پرسشِ نام و نشاں ہے اب
اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب

اب اس پہلو سے بھی ایک نظر ڈالنی ضروری ہے کہ خسرو کی تصنیف سلسلہ تعلیم و تعلم میں کہاں تک مقبول ہوئی۔

سلسلہ تعلیم میں مقبولیت | سلسلہ تعلیم میں آپ کی مثنوی قران السعدین جو سب مثنویوں سے مقدم ہے ویسی ہی مقبول ہوئی جیسا کہ سکندر نامۂ مولانا نظامی۔ بڑے بڑے فضلائے اجل نے اس کے حواشی و شروح لکھیں۔ وقتِ تصنیف سے اس وقت تک کہ علوم مشرقی کی تعلیم ہندوستان میں جاری رہی قران السعدین داخل نصاب فارسی تھی۔ واقعہ ہے کہ یہ مثنوی نہایت ہی دلچسپ ہے۔ یہ صرف اپنا تاریخی ہی پہلو نہیں رکھتی ہے بلکہ گوناگوں مضامین مشتمل ہے اور بعض تنوعات نے اسے اس قدر مقبول بنا دیا ہے

نفس قصہ میں تو کوئی خاص دلچسپی ہی نہیں۔ اس لئے کہ باپ بیٹے کا دکھڑا ہی کیقباد بغرا خاں کا بیٹا سعادت فرزندی کو تہ کرکے باپ کے مقابلے میں آتا ہے۔ دہلی سے چل کر سرجو کے کنارے اس کی فوج پڑاؤ ڈالتی ہے۔ کچھ پیام وسلام کے بعد باپ بیٹے میں موافقت ومصالحت ہوجاتی ہے۔

اب کیقباد یہ چاہتا ہے کہ یہ بیہودہ واقعہ میری زندگی کا ایک باافتخار کارنامہ بن کر مشہور ہو۔ اسی خیال کی بنیاد پر خسرو سے نظم کرنے کی فرمائش کرتا ہے۔ یہ خسرو ہی کا کمال ہے کہ واقعات کو حقیقت کے دائرہ میں قائم رکھ کر اس طرح اس قصے کو نظم کیا ہے کہ کیقباد کی رندانہ زندگی اس کے عہد کی سرمستی اور اس کی تعیش پسند زندگی کا اہل شہر پر اثر سب کچھ اپنے لطف بیان سے لطیف پیرایہ میں کہہ گئے۔

اس مثنوی کی بحر اگرچہ وہی ہے جو نظامی کے مخزن الاسرار کی ہے لیکن اسلوب بیان ترتیب مضامین خاص خسرو کا ایجاد ہے۔ یہ اسی ایجاد کا نتیجہ ہے کہ قران السعدین اس قدر مقبول ہوئی۔ اگرچہ اس ایجاد سے یہ نقص ضرور کتاب میں پیدا ہوگیا کہ کہیں کہیں واقعہ کا تسلسل باقی نہیں رہتا لیکن ایسے پھیکے و بدمزے قصے کے لئے تسلسل ایسا ضروری نہ تھا جیسا کہ دل آویز و دل پذیر ہونا ضروری تھا۔

قران السعدین کی پسندیدگی کی وجہ

قران السعدین نظم کے تین اصناف پر محیط ہے۔ قصیدہ، غزل، مثنوی اس طرح اس کتاب میں اقسام ثلٰثہ نظم کا لطف آتا ہے۔ جو قصہ کہ نظم کیا گیا ہے وہ خود ہندوستان کی صحیح اور سچی داستان ہے اپنے ملک کے واقعات سے

دلچسپی ایک امر فطری ہے۔ پھر مضامین میں اس قدر تنوعات ہیں کہ ہر طرح کے خیالات موجود۔ کہیں بہار کا ترانہ ہے اور اس کی نسیم کی عطر فشانی۔ کہیں لو کی لپٹ اور بادِ خزاں کے جھونکے۔ کسی جگہ سیر دریا اور کشتی کی روانی ہے اور کسی جگہ ساقی و جام کی گردش سے مستی و مدہوشی۔ صرف وصف نگاری کی تحت میں چالیس سے زیادہ اشیار کا بیان آگیا ہے۔ لطف یہ کہ ان سب چیزوں کا تعلق ہند کی ہی خاک سے ہے۔ پھر کیوں ایسی کتاب مطبوع عام و خاص نہوتی۔ ہر شخص کے جذبات کی ضیافت کا سامان جس چیز میں جمع ہو گا اُسے ہر شخص ضرور پسند کرے گا۔ قران السعدین کی یہی بوقلمونی اس کی شہرت و ہمہ گیری کی قوی و اصلی علت ہے۔ اس لئے اساتذۂ فن نے بھی اسے تعلیم فارسی کا ایک عنصر بنا دیا تاکہ طلبہ کو ایک ہی کتاب میں موقع موقع سے اصنافِ نظم کی تمام اقسام کا اجمالی علم ہو جائے۔ مضمون کی رنگا رنگی دلچسپی کچھ روز افزوں کرتی رہے۔

دوسری وہ مثنویاں جن میں ہندوستان کے ہی واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ داخلِ درس نہوئیں مثلاً

مثنوی خضر خاں و دیول دی کا اجمالی بیان

خضر خاں و دیول دی کا قصہ باوجود اس کے کہ خود موبمو راست ہے اُس پر داستان عشق و حسن جس میں حسن کی ناز آفرینی، عشق کی نیاز مندی، فراق کے صدمے، وعدۂ یار کی لذتیں۔ یہ ایسے مضامین ہیں جنھیں اگر خاص مِلک خسرو کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہو گا۔

پھر وہ شخص جس کے عشق کی داستان ہے خسرو کو اس سے تعلقات گوناگوں رہے ہیں سبب

بڑا علاقہ یہ کہ دونوں ایک پیر طریقت کے حلقہ بگوش۔ آخر میں اسی شاہزادہ کی جو وارث تخت و تاج تھا قسمت کا پلٹ جانا اور انقلاب دہر کا ایک عجیب و مہیب عبرتناک سماں یہ مضامین خسرو جیسے شخص کے لئے جو واقعات عالم پر غائر نظر رکھتا ہو اور ان سے کل ممکن الاستخراج نتیجے نکال کر دنیا کے سامنے مقبول طبع صورت میں پیش کرسکتا ہو کیسے وسیع ہوسکتے ہیں۔

چنانچہ خسرو کی تمام مثنویوں میں جوش سے لبریز یہی مثنوی خضر خاں دیول دیی ہے اس مثنوی کی حمد و مناجات سے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ شاعر کس جوش سے اس قصے کو بیان کیا چاہتا ہے۔ مثلاً حمد اس شعر سے شروع کرتے ہیں ؎

سرِ نامہ بنامِ آں خداوند　　　　کہ دلہا را بخوباں داد پیوند

اس کے بعد مناجات ہے اور اس کا اوّل شعر یہ ہے ؎

خداوندا چو جاں دادی دلم بخش　　　　دلِ عاشق نہ جانِ عاقلم بخش

یہ مثنوی کیا لکھی ہے سحر سامری کی تصویر کھینچ دی ہے۔ حاصل یہ کہ دیگر تاریخی مثنویاں جو سلسلہ تعلیم میں داخل نصاب نہوئیں تو اس کی صرف یہ وجہ ہوئی کہ ان مثنویوں میں کشش و تعلیم کی صرف ایک ایک ہی چیز تھی۔ باعتبار مضمون و موضوع تاریخ اور باعتبار نظم مثنوی حال آنکہ تعلیم اس کی مقتضی تھی کہ مختلف مضامین مختلف شعرا و مختلف دور کے پڑھائی جائیں تاکہ زمانہ تعلیم میں ہر دور کی خصوصیت ہر ایک کا انداز و اسلوب بیان طالب العلم کو معلوم ہوجائے۔ اسی خیال سے خمسہ نظامی میں سے سکندر نامہ جامی

کی مثنویوں میں سے یوسف زلیخا، سعدی کے کلام میں سے بوستاں اور خسرو کی تصانیف سے قران السعدین داخل نصاب کی گئیں۔ خلاصہ یہ کہ خسرو کی مثنویوں کو سلطنت، ملک اور تعلیم تینوں نے انتہائی عزت و پسندیدگی سے دیکھا۔

قطعہ و رباعی | غزل، قصیدہ، مثنوی میں جب کہ کسی شاعر کا کمال ثابت ہو جائے تو پھر کسی اور صنف نظم کی بحث سے اُس کا کمال بے نیاز ہی۔ لیکن جب کہ یہ دیکھا جاتا ہی کہ بعض شعرا کے لئے صرف چھوٹی قسمیں نظم کی دلیل کمال سمجھی گئیں تو پھر یہی مناسب معلوم ہوتا ہی کہ خسرو جیسے ہمہ گیر شاعر کی خسرویتہ کا نمونہ اُن چھوٹی قسموں میں بھی دکھا دیا جائے۔

سب سے پہلے خسرو کا وہ قطعہ ہدیۂ ناظرین ہی جس میں اُنہوں نے موسیقی و شاعری کا محاکمہ کیا ہی[۵] کیوں کہ جہاں خسرو کو دیوان فطرت سے تمغاے شاعری ملا تھا وہاں فن موسیقی میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا پھر ان سے بڑھکر کس کا محاکمہ قابل وقعت ہو سکتا ہی۔

دیگر قطعات و رباعیات کا بھی یہی حال ہی کہ ہر ایک میں ایک لطف خاص اس طرح پایا جاتا ہی کہ اُن کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہی کہ شاید خسرو کا اصلی میدان یہی ہی۔ لیکن یہ خصوصیت خسرو کی صرف قطعہ و رباعی کے ہی ساتھ نہیں ہی بلکہ اصناف نظم میں سے جس قسم نظم خسرو کا مطالعہ کرو گے تو بے اختیار "کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست" کہہ اُٹھو گے۔

---

[۵] ملاحظہ ہو قطعہ نمبر ۱

قطعات

(۱)

مطربے میگفت خسرو را کہ اے گنجِ سخن
علم موسیقی ز جنسِ نظم نیکوتر بود

زانکہ ایں علم ست کز دقت نیاید بر قلم
واں نہ دشوار ست کاندر کاغذ و دفتر بود

پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاملم
ہر دو را سنجیدہ بروزنیکہ آں بہتر بود ق

فرق می گویم میانِ ہر دو معقول و درست
تا دہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود

نظم را علمے تصور کن بہ نفس خود تمام
کو نہ محتاجِ سماع و صوت غنیا گر بود

گر کسے بے زیرو بم نظم فرو خواند رواست
نے بمعنی ہیچ نقصاں نے بلفظ اندر بود

ور کند مطرب بسے ہاں ہاں ہوں ہوں در سرود
چوں سخن نہ بود ہمہ معنی او ابتر بود

نالہ زنہا ہیں کہ صوتے دار و گفتار نے
لاجرم در قول محتاجِ کسے دیگر بود

بس دریں صورت ضرورت صاحبِ صوت و سماع
از برائے شعر محتاجِ سخن پرور بود

نظم را حاصل عروسے داں و نغمہ زیورش
نیست عیبے گر عروسِ خوب بے زیور بود

من کسے را آدمی دانم کہ داند ایں قدر
ورنداند پر سد از من ورنہ پر سد خر بود

دیگر

زافسردگاں مجو اثر زندگیِ دل
نے از مزاج ظالم سوزندہ خوئے خوش

نے شعلۂ بر آتش لالہ تواں فروخت
نے از گلِ چراغ تواں یافت بوئے خوش

دیگر

از جود و کرم قبولِ حق جوئے — خود نام بود گر آنت میل ست
مقصود ز سرمه نورِ چشم ست — زیبائیِ چشم خود طفیل ست

دیگر

روشن دلانِ صاف درون را خلل بود — در کارِ خلق چشم کشادن بخیر و شر
پوشیده نیست نزدِ همه کس که طاس را — سوراخ عیب باشد و غربال را هنر

دیگر

خسرو چه حالت ست که در دهر عالماں — از جاهلانِ دونِ دنی باز پس ترند
ین نکته را به بیں و بانصاف خوش برائے — کز چار حرف قطره و دریا برابرند

دیگر

اقبال را بقا نه بود دل در و مبند — عمرے که بر غرور گزاری هبا بود
نیست بادرت زمن ایں نکته یاد گیر — اقبال را چو قلب کنی لابقا بود

دیگر

رفتم سوے حظیره و بگریستم هزار — از هجر دوستاں که اسیرِ فنا شدند
ایشاں کجا شدند چو گفتم حظیره هم — داد از صدا جواب که ایشاں کجا شدند

رباعیات

توحید

ہرجا کہ سخن ز ربت و بت در افتد
وز کین دلِ بت پرست آں سو افتد
یارب تو مرا درونہ دہ کہ بصدق
ہو گویم و اندر دلِ من ہو افتد

نعت

از عزِ محمد ار نداری خبرے
کن از رہِ عقل در شہادت نظرے
اللہ و محمد ست پیوستہ بہم
یعنی کہ میانِ شاں نہ گنجد دگرے

دیگر

وصفِ شرفِ تو بیش از ادراک آمد
سبقِ ادبت نعبد ایاک آمد
توقیعِ تو کز صحیفہ پاک آمد
لولاک لما خلقت الافلاک آمد

دیگر

اے آنکہ شدہ طفیلت آدم پیدا
گشت از سببِ تو چرخِ اعظم پیدا
نورِ تو نہ گنجید چو دریک عالم
بہرِ تو خدا کرد دو عالم پیدا

مدح پیر

از شیخ نظام چوں سلام ست مرا
با حسنِ عمل عیشِ مدام ست مرا
اُمید بسِ مراد و کام ست مرا
زیرا ہمہ کار با نظام ست مرا

تصوف

بستاں چو بسر کشید پیرایۂ ابر　　آوردہ برو شیر فرود ایۂ ابر
گل بسکہ لطیف و نازک آمد در باغ　　ترسم کہ گراں شود برو سایۂ ابر

دیگر

دل در شکنِ زلف دو تاے تو بماند　　جاں نیز چو ذرہ در ہواے تو بماند
ہر کس سرِ خود گرفت و رفت از کوئے　　الا سرِ من کہ زیر پاے تو بماند

عشق

جاناں منیش برگزرے تیزیٔ آہ　　آتش رسدت زآتش انگیزیٔ آہ
تا در سر کوئے تو نہ پنداری سہل　　شب گردیٔ گریہ و سحر خیزیٔ آہ

دیگر

مائیم خرابِ جرعہ می خوارا　　مارا چہ غم از طعنۂ نیکو کارا
از سر کہ لکد می خورد از خمارا　　کے غم خورد از سرزنشِ ہشیارا

دیگر

اے غم ہمی کہ برمنِ غم خوار آئی　　وقت چہ شود گر بدلِ یار آئی
دی شب کہ سیاہ مسکنی روزِ مرا　　یارب کہ بروز من گرفتار آئی

دیگر

دوشس آمد و وعدۂ شرابم می داد   خونابہ بجائے مئ نابم می داد
می پرسیدم حالِ دل از خالش بُو   واں زلف بجائے او جوابم می داد

دیگر

از شعلۂ عشق ہر کہ افروختہ نیست   با او سرِ سوزنے دلم دوختہ نیست
گر سوختہ دل نہ زما دور کہ ما   آتش بدرے زنیم کو سوختہ نیست

اقسام پنجگانہ نظم میں خسرو کے کمالِ زورِ بیان کا ایک مختصر نمونہ پیش کیا جا چکا۔ اب چند فرعی و جزئی باتیں ہیں جن کا اظہار بھی غالباً نامناسب نہ ہوگا۔

صنائع و بدائع | اختراع معانی و بدائع و صنائع میں خسروِ خسروِ شاعرانِ سلف و خلف ہیں۔ اگر اُن کے اختراعات کی بحث چھیڑی جائے تو ایک دفتر طویل ہوگا۔ اعجازِ خسروی متعدد بار چھپ کر فارسی داں دنیا میں شائع ہو چکی ہے۔ جسے شوق ہو وہ اُسے مطالعہ کرے۔ بس خدا کی قدرت اُسے نظر آئیگی۔ اس جگہ ان کی ایک ایسی صنعت کا ذکر کرتا ہوں جس کی کوشش دیگر شعرا نے بھی کی ہے۔

ترکیب الفاظ سے لحن | یعنی ان کے کلام میں اکثر الفاظ کی ترکیب و نشست سے ایک لحن خاص پیدا ہوتا ہے اور اسی سے لحن کے تطابق پڑھنے والے کے دماغ میں جذبات کی لہریں موجیں مارنے لگتی ہیں۔ مثالاً ذیل کے اشعار و مصرعے ملاحظہ ہوں ؎

گنج بر رنج دہے گنج سنج   گشتن گنج ہمی برد رنج

باش بکامم کہ بکامِ توام　　زندہ و نازندہ بنامِ توام

ع تہمتن تن سیاوش وش فریدوں فرسکندر در

ع سناں قاآں قلم ہاماں علم خاقاں دہل سنجر

فردوسی نے نقارہ کی آواز کو ایک شعر میں اس طرح باندھا ہے کہ شعر بھی بامعنی رہا اور ایک مصرع کے الفاظ سے نقارہ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

زنقارہ آواز آمد بروں　　کہ دوں ست دوں ست گردوں دوں

یہ شعر فردوسی کا بہت مشہور ہے اور اُس کے اس کمال کا بہترین نمونہ۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا ایک شعر نعت میں ہے جس کے مقابلہ میں فردوسی کی یہ صنعت خاک میں ملجاتی ہے۔ خسرو کا یہ شعر ہے

؎ دہل زن دہل زد بہ تحسینِ او　　کہ دیں دینِ او دینِ او دینِ او

علم موسیقی سے آشنا ارباب ذوق سمجھ سکتے ہیں کہ خسرو کے شعر کا پایہ کس قدر بلند ہے۔ اس لئے کہ نہ صرف ایک بامعنی مصرع کے الفاظ بآواز دہل ادا کئے ہیں بلکہ اس میں تال اور سر کے اصول کی پوری پابندی ملحوظ رکھی ہے۔ اگرچہ خسرو جیسے شاعر کے لئے جو فن موسیقی کا بھی امام ہو فردوسی کے جواب میں اُس سے بہتر شعر پیش کردینا ایک معمولی بات ہے۔

اسی طرح خسرو کی ایک رباعی مشہور ہے جس کے چوتھے مصرعہ میں اسی کمال کا اظہار ہے

آں روز کہ روحِ پاکِ آدم بہ بدن　　گفتند درآ نمی شد از ترسِ بدن

خواندند ملائکاں بہ لحنِ داؤد　　در تن درآ درآ درتن درتن

پیمانۂ دوست پر ز دُر کرد　　پیمانۂ خصم نیز پر کرد
درچپ نہ دنِ خرد شوی رہت　　دانی چپ خود زجانبِ راست

الفاظ ہندی کا استعمال | ہندی کے الفاظ بھی نہایت سلاست سے بے تکلف استعمال کر جاتے ہیں جس سے کلام میں چاشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً

ہم بہ نشستہ چوں دریا لکی نہ چرخ کہار آمدہ

خان کرٹھ جھوے کشور کشا　　کز لبِ شاہاں کرٹہ وارد بہ پا

دوسرے مصرعہ میں لفظ کرٹہ سے وہی پاؤں کا زیور مراد ہے۔

اقتباس آیات قرآن | آیات کلام الٰہی سے اپنے اشعار میں یہ ایسی مرصع کاری کرتے ہیں کہ دل پھڑک اُٹھتا ہے۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

حرز کلہ بستہ ز اوحیٰ بہ　　چتر سیہ کردہ ز اسریٰ بہ
زیرنگیں عرصۂ ملک حمش　　خطبۂ ھب لی رقم خاتمش
نعبدُ اِیّاکَ طرازِ علم　　فاخلع نعلیك مقامِ قدم

اکثر اشعار کے دوسرے مصرعہ میں کلامِ پاک کی کامل آیۃ تلاوت فرمائی ہے اور یہ وہ کمال خسرو کا ہے کہ کسی کے کلام میں اس فراوانی سے اس کی مثال نہیں ملتی۔

مثلاً اشعار ذیل کو دیکھو ؎

چہ ملامت کنید خسرو را　　فَاتَّقُوا اللّٰهَ یَا اُولِی الْاَلْبَابِ
قضا در ہفت سقفش دید و برخواند　　بَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا شِدَادًا

اول آں اولیں خلیفۂ کار　　ثانی اثنین اذ ھما فی الغار

فصل بہار | مناظر قدرت میں بہار کا سماں ایک ایسا مضمون ہی کہ شاید ہی کوئی شاعر ایسا ہو گا جس نے اس منظر کی تصویر نہ کھینچی ہو۔ لیکن یہی مضمون جب خسرو کے یہاں آتا ہی تو پھر اس کی بہار قابلِ دید ہوتی ہے خسرو نے جہاں کہیں ابر و بہار باغ و کہسار گل و گلزار کا نقشہ کھینچا ہی وہاں ہُو بہو فوٹو پیش کر دیا ہی۔ مثالاً چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

چوں نافہ کشاد باد نو روز　　بشگفت بہار عالم افروز
ابر از صدفِ سپہر بگیر　　در گوش بنفشہ ریخت گوہر
سرو از علم بلند پایہ　　بر فرق سمن فگند سایہ
از شبنم گوہریں شمائل　　آراست گلوے گل حمائل
غنچہ بدر آمد از شبستاں　　پر شیر شدش زا بر پستاں
بید از سر عجز چوں گہروار　　شد بر سر یاسمیں گہر بار
نازک تن لالۂ دل افروز　　لرزیدہ شد از نسیم نوروز

خود اپنے کلام کی تنقید | بایں ہمہ کمال وہ اپنے کلام و شاعری کو خود پرکھتے ہیں اور خوب پرکھتے ہیں اپنا مرتبہ آپ بتاتے ہیں اور تواضع کا بیش بہا نمونہ پیش کرتے ہیں ؎

مشو خسرو بشعرِ خویش غرہ　　کہ گویندہ بسے ہست از پس و پیش
چو گفتِ خویش را بے عیب خوبی　　بچشم شاں ہمی گفتۂ خویش

ہمہ کس گفتِ خود را خوب داند   وگر یارست ہم تحسیں کُند بیش

دیباچہ غرۃ الکمال جو شعر وسخن پر ایک بے نظیر تبصرہ کہا جا سکتا ہے اُس میں شعرا کی تین قسمیں خسرو علیہ الرحمۃ نے بیان کی ہیں اوّل اُستاد کامل دوم نیم اُستاد سوم سارق پھر اُستاد کامل کے لئے چار شرطیں قرار دی ہیں۔ اوّل کسی طرز خاص کا موجد ہو۔ دوم اُس کا کلام شعرا کے انداز پر ہو واعظانہ وصوفیانہ نہ ہو۔ سوم یہ کہ غلطیاں اور لغزشیں نہ کرتا ہو۔ چہارم یہ کہ مضامیں سرقہ نہ کرتا ہو۔

پھر اپنے متعلق یوں فرماتے ہیں کہ میں اُستاد کامل نہیں ہوں ہاں نیم اُستاد ہوں اس لئے کہ مجھ میں صرف دو شرطیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو میرا کلام شعرا کے انداز پہ ہے دوسرے یہ کہ میں سارق نہیں ہوں۔ میں نہ تو کسی طرز خاص کا موجد ہوں نہ اس کا مدعی کہ میرا کلام لغزشوں سے پاک ہوتا ہے۔

انصاف پرستی و بے نفسی کی مثال اس سے زیادہ واضح اور کیا ہو سکتی ہے حاسد و معاند بھی اگر خسرو کا پایہ کم کرنا چاہے تو اس سے بڑھکر اور کیا کہہ سکتا ہے۔ اس طرح اپنے کلام کی آپ تنقید بے شائبہ نفس خصوصیات بلکہ اولیات خسرو ہے۔

تواضع و ہضم نفس | صاحب کمال کا یہ بھی کمال ہے کہ اُس میں شائبہ تک پندار وخودی کا نہ پایا جائے۔ نقادان فن کی نگاہوں میں جس قدر ایک باکمال کی عظمت بڑھتی جاتی ہے اُسی قدر خود اُس کے انداز میں تواضع بڑھتی جاتی ہے۔

ارباب قلم میں جتنے باکمال سخنور گزرے ہیں اُن میں کوئی رزم کا سماں باندھنے

میں کامل ہے کوئی بزم کا نقشہ کھینچنے میں یکتا ہے کوئی غزل سرائی میں بے نظیر ہے کوئی قصائد میں بے ہمتا ہے کوئی اخلاقی رنگ میں فرید ہے کوئی متصوفانہ وحکیمانہ آہنگ میں بے مثل۔ لیکن ایک جامع کمالات جس کے رشحات قلم سے نثر و نظم کی تمام اصناف نے تروتازگی پائی ہو اور جس نے اپنی پرجوش طبیعت کے اوج و موج سے مضامین گوناگوں کا دریا بہا دیا ہو جب وہ اپنی ہیچمدانی کا اظہار کرتا ہے تو اُس سے اس کا کمال اور بھی ارفع و اعلیٰ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خسرو علیہ الرحمۃ باوجود اُس جامعیت کے جو اُنھیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اپنی کم مائگی و بے بضاعتی اس طرح بار بار بیان کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غرور و پندار کا ایک شمہ بھی اس کامل الفن میں نہ تھا۔ حالانکہ شعر و سخن کا وہ میدان ہے جس میں تلامذہ نے اپنے اساتذہ کو ھل من مبارز کہہ کر پکارا ہے۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کمال ہے کہ اساتذۂ متقدمین جن کا کلام ابتدا میں آپ نے مطالعہ فرمایا تھا اور جن کی پختہ و پسندیدہ روش آپ نے اختیار کی اُن کا نام بھی ادب سے لیتے ہیں اپنے کو اُن کا ارادت مند و شاگرد بتاتے ہیں اپنے تلمذ کو اس جوش عقیدت سے ظاہر کرتے ہیں کہ واقعی تلامذۂ جو اُن اساتذہ کے ہوں گے اُنھوں نے بھی اس سے زیادہ ادب آمیز کلمات ثنا نہ کہے ہوں گے۔

نظامی سے اظہار عقیدت اور اُن کے کمال کا اعتراف | امام مثنوی گویان مولانا نظامی علیہ الرحمۃ کے کمال اور اُستادی کا اس جوش عقیدت سے بار بار مختلف

مثنویوں میں ذکر فرماتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اُن کے عہد میں موجود ہیں اور اُن سے اپنے مثنویوں کی اصلاح لے رہے ہیں۔ چنانچہ مثنوی مجنوں ولیلیٰ میں فرماتے ہیں ؎

زندہ است بمعنی اوستادم　　ورنیست منش حیات دادم

مولانا کا کمال اور اپنی بے مائگی کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں ؎

میداد چو نظم نامہ راپیچ　　باقی نگزاشت بہر ماہیچ

مثنوی قران السعدین میں جن الفاظ سے مولانا کا کمال بیان کیا ہے وہ آداب سلف کا بہترین سبق آموز نمونہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

نظم نظامی بہ اضافت چو دُر　　وز دُر او سر بسر آفاق پر

پختہ از و شد چو معانی تمام　　خام بود پختنِ سودائے خام

بہ کہ دریں جنبش طبع آزمائے　　سر بہ نہی اول و آنگاہ پائے

مثنوی اوراست ثنائے بگو　　بشنو و از دور دعائے بگو

از پئے بخشش بخدا آرزوے　　لیک عنایت ز بزرگاں بجوے

سوز سخن را نہ بخامی طلب　　پختگیش ہم ز نظامی طلب

اسی طرح جابجا غزل سرائی میں اپنے ہمعصر و ہم عہد شاعر کہن مشق دیرینہ سال سعدی علیہ الرحمۃ کی جو شیراز میں بیٹھے ہوئے حقایق و معارف کی نغمہ سرائی غزلیات میں کر رہے تھے اُستادی تسلیم فرماتے ہیں۔ قران السعدین میں فرماتے ہیں ؎

ور غزلت یاد جوانی دہد | وز خوشی طبع نشانی دہد
تن زن ازاں ہم کہ کساں گفتہ اند | ہرچہ تو گوئی بہ ازاں گفتہ اند
نوبتِ سعدی کہ مبادا کہن | شرم نداری کہ بگوئی سخن

پھر اپنی ایک غزل کے مقطع میں یوں فرماتے ہیں ؎

خسرو سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت | شیرہ زاں خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

مثنوی نہ سپہر میں ایک جگہ سعدی و ہمام دونوں کو اُستادِ غزل تسلیم کرتے ہوئے اُن کے دیگر اصنافِ نظم پر نہایت محققانہ و مودبانہ تنقید فرماتے ہیں ؎

کس نہ بیند سوے نظمِ دگیر | کہ نہ گردد بدے منزل گیر
چوں نماند بدلے خلقے یاد | گرچہ شدزادہ ہماں دل کہ نہ داد
تا بجائیکہ حد پارسیاں | اندریں عہد دوتن گشت عیاں
زاں یکے سعدی و ثانیش ہمام | ہر دو را در غزل آئینِ تمام
لیک اگر سوے دگر بارے ہست | شعر شاں ہست بداں گونہ کہ ہست

دیباچہ غرۃ الکمال میں نہایت وضاحت سے اس کی تصریح خسرو علیہ الرحمۃ نے خود فرما دی ہے کہ اصنافِ نظم میں سے کس پیشرو کی روش کس صنف میں اختیار فرماتے ہیں تفصیل کے لئے ناظرین کو غرۃ الکمال کی اشاعت کا منتظر رہنا چاہیئے۔ لیکن مجملاً اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

قصائد میں خاقانی و اسمٰعیل کا پیرو ہوں مثنوی میں نظامی کا غزل میں سعدی کا

اتباع کرتا ہوں لیکن قطعات و رباعیات و دیگر اقسام نظم میں کسی غیر کے مسلک کا سالک نہیں ہوں بلکہ جو کچھ کہتا ہوں اور جس طرز و اسلوب میں کہتا ہوں وہ خود اپنا ہی ایجاد ہے"

اس بیان سے مقصد یہ ہے کہ خسرو کے کمال کا یہ پہلو بھی ناظرین کے سامنے آجائے کہ ع نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

ورنہ اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نظم آپ کی فطری چیز ہے اس روانی سے یہ نظم لکھتے ہیں جیسے کوئی نثر لکھتا ہو۔ گویا ان کے خیالات عالم بالا سے نظم ہی کے پیرایہ میں ان کے دماغ میں اُترتے ہیں۔

مضمون آفرینی میں یہ کسی کے مرہون منت نہیں بلکہ اپنے ہی دماغ کے معدن سے انھوں نے صفحۂ قرطاس پر لال و گہر اُگل دیئے ہیں چنانچہ خود ہی ایک جگہ فرماتے ہیں

ہر چہ من از خامہ فشانم بروں　　گنج خدائیست کہ رانم بروں

لیکن یہ محض اسلاف کا پاس ادب ہے جو اُن کے برابر بیٹھنے کا دعوی نہیں کرتے اور نہایت انکسار سے یوں فرماتے ہیں ؎

چوں پس رو طرز ہر سوادم　　پس شاگردم نہ اوستادم

متاخرین اور کمال خسروی کا اعتراف اس ادب شناسی کا یہ صلہ ملا کہ خسرو علیہ الرحمۃ کے معاصرین اور شعرائے مابعد ہر ایک نے خسرو کو اپنے سے بہتر اور اپنا رہنما تسلیم کیا۔ ان کے کمال کو باکمالوں نے پہچانا اور ادب سے سر تسلیم خم کیا۔

امیر حسن علا سنجری جو خسرو علیہ الرحمۃ[1] کے ہم عصر اور غزل کے بے مثل اُستاد ہیں

جب وہ اپنے کلام کا خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس طرح
کہتے ہیں ؎

خسرو از راہ کرم بہ پذیرد — انچہ من بندہ حسن می گویم
سخنم چوں سخن خسرو نیست — سخن این ست کہ من می گویم

ملا عصمت بخاری اور بابا کمال خجندی جیسے باکمال اساتذہ بھی خسرو علیہ الرحمۃ کے خوشہ چیں ہیں بہارستان میں مولانا جامی نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور کاتبی نیشاپوری نے ملا عصمت کے خصوص میں نہایت ہی لطیف قطعہ کہا ہے۔

(۲) قطعہ کاتبی نیشاپوری

میر خسرو را علیہ الرحمۃ شب دیدم بخواب — گفتم ایں عصمت ترا یک خوشہ چین خرمن ست
شعر او چوں شعر تو اندر جہاں شہرت گرفت — گفت بلکے نیست شعر او ہماں شعر من ست

بابا کمال خجندی جو عجم کے ایک مشہور سخنور اور خواجہ حافظ اور عصار تبریزی کے معاصر و حریف مقابل ہیں ان کے متعلق امیر شاہی سبزواری یوں کہتا ہے۔

(۳) قطعہ امیر شاہی سبزواری

گر حسن معنی ز خسرو برد نتواں عیب کرد — زانکہ اُستاد ست خسرو بلکہ ز اُستاداں زیاد
در معانی حسن را برد از دیواں کمال — ہیچ نتواں گفتن او را دزد بر دزد اوفتاد

کمال سے مراد بابا کمال خجندی کی ذات ہے۔

(۴) قطعہ مرزا محمد طاہر آشنا

کسی نے مرزا محمد طاہر آشنا سے پوچھا کہ اگلوں میں کس کا کلام دلفریب ہے اور پچھلوں میں

کس کا شعر دلپذیر ہے اس کے جواب میں ایک قطعہ لکھکر مرزا محمد طاہر نے بھیجدیا۔

اے کہ سوال کردۂ کز متقدمین کرا | ہست زیادہ در سخن شعر بلند و دل نشیں
وز متاخریں بود شعر خوش کہ بیشتر | بیش ز ہمگناں بود طبع کہ معنی آفریں
نزد من اند در سخن زیں دو گروہ ایں دو تن | خسرو دہلوی ازاں قدسی مشہدی ازیں

ظہوری جو اپنے زمانہ میں نظم و نثر کا بے نظیر استاد تسلیم کیا گیا ہے وہ اُن معیان باطل کی بد مذاقی کا جنھیں خسرو کی ہم سری کا سودا سما گیا تھا اس طرح گلہ کرتا ہے۔

(۵) ظہوری اور بارگاہ خسروی کا ادب

بساط ادب برکراں افگنند | بہ خسرو غزل درمیاں افگنند

اس شعر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ظہوری کا دل خسرو کی عظمت سے کس قدر لبریز ہے خسرو کے بعد سب سے اول خواجو کرمانی ہیں جنھوں نے اپنا خمسہ مرتب کیا ہے ان کے شاعرانہ کمال کی نسبت صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ حافظ علیہ الرحمۃ جیسا مست با جوش و خروش شاعر بھی ان کا نام ادب سے لیتا ہے اور اپنے کو ان کا متبع کہتا ہے وہ اپنی مثنوی کمال نامہ میں خسرو کا اتباع کرنے والا اپنے آپ کو کہتے ہیں۔

(۶) خواجو کرمانی اور خسرو کی تقلید

سوختم ایں لخلخۂ خسروی | در طبق موہبت مولوی

مولانا جامی جن کی مثنوی نگاری خصوصیت کے ساتھ ممتاز سمجھی گئی ہے وہ ایک جگہ مولانا نظامی امام مثنوی گویاں صرف اس امر سے اثبات کرتے ہیں کہ خسرو کے

خمسہ بھی نظامی کے خمسہ سے بڑھ نہ سکا بلکہ اُس کے بعد کا اُسے مرتبہ ملا۔ نظامی کا خمسہ دُرِ شاہوار ہی اور خسرو کا خمسہ زرِ خالص فرماتے ہیں۔

(۷) مولانا جامی اور خسرو

زویرانۂ گنجہ شد گنج سنج | رسانید گنجِ سخن را بہ پنج
چو خسرو بداں پنجہ ہم پنجہ شد | وزاں بازوئے فکرتش رنجہ شد
کفِ شس بود زاں گونہ گوہر تہی | زرش ساخت لیکن زرِ دہ دہی

ان اشعار سے جہاں نظامی کا فضل ثابت ہوتا ہی وہاں یہ بھی ثابت ہی کہ نظامی کے بعد مثنوی میں خسرو ہی کا مرتبہ ہی۔ دوسرے مثنوی نگاروں کا مولسنا جامی کے نزدیک یہ مرتبہ بھی نہیں کہ اُن کا نظامی کے مقابلہ میں نام تک لیا جاسکے۔ چہ جائیکہ مقابلہ۔

(۸) مولانا جامی کی دوسری شہادت

مثنوی تحفۃ الاحرار کے خطبہ میں مولانا جامی یوں تحریر فرماتے ہیں "این صدف پارۂ چند ست بے مقدار از جست و جوی کارگاہ بے سرانجامی گرد کردہ شدہ وخزف ریزۂ چند بے اعتبار از رفت و روب بزم گاہ شکستہ جامی فراہم آوردہ چہ قدر آں دارد کہ در سلک جواہر شاہوار مخزن الاسرار حکیم گرامی شیخ نظامی انتظامش دہند یا در جنب جام زرنگار مطلع الانوار مورد بدائع لفظی و معنوی امیر خسرو دہلوی نامش برند چہ آں در جودت الفاظ و سلاست عبارات بمنزلہ ایست کہ فصیح زبانان عجم در بیان اوصاف

آں انجمی اند۔ وایں در دقت معانی ولطافت اشارات بشابہٗ کہ نادرہ گویانِ عالم درمعرضِ جواب آں معترف باکمی"۔

سخن سنج جام نے چند مختصر فقرات میں کیسی جامع تنقید مخزن الاسرار و مطلع الانوار پر کی ہی پھر نادرہ گویان کا مطلع الانوار کے جواب میں اپنے گنگ ہونے کا اعتراف خسرو کے اُستادِ فن ہونے کا کیسا کھُلا اقرار ہے۔

(۹) مولانا جامی کی تیسری شہادت

مولانا جامی ایک جگہ خدا سے دعا مانگتے ہوئے جہاں اپنے سخن کا عروج منزل گاہ نظامی تک چاہتے ہیں وہاں اس کی بھی تمنا فرماتے ہیں کہ خسرو جیسی پختگی و لطافت میرے کلام میں پیدا ہوجائے ؎

اہلِ دل از فکر چو محفل نہند — بادۂ راز از قدح دل دہند

رشحہ ازاں بادہ بجامی رساں — رونق نظمش بہ نظامی رساں

پست چو خاک ست بریز از نوش — جرعۂ ازجا نگہ خسروش

قافیہ آنجا کہ نظامی سزاست — ہرگز قافیہ جامی سزاست

بر سرِ خسرو کہ بلند اختر ست — از کفِ درویش سگلے در خورست

(۱۰) امیر ہاشمی کرمانی اور کمالِ خسرو کا اعتراف

امیر ہاشمی کرمانی جو تقریباً مولانا جامی کے معاصر ہیں وہ اپنی مثنوی مظہر الآثار میں جو مخزن الاسرار کے رنگ میں لکھی ہے پہلے مولانا نظامی کے اُستادِ فن ہونے کا اقرار

کرتے ہیں۔ اُس کے بعد خسرو ہی کی اُستادی تسلیم کرتے ہیں خسرو کے بعد جامی کا مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ خسرو کے متعلق اُن کے اشعار یہ ہیں ؎

چوں زقضا الحسن نو رسید — کوکبۂ نوبت خسرو رسید
خامہ برآورد بغکر جواب — ماند قلم بر ورقِ آفتاب
خامۂ خسرو چو گہر بار شد — نامۂ او مطلع الانوار شد
کرد دراں نامہ تکلف بسے — گفت جوابے کہ چہ گوید کسے
بزم سخن را بسخن ساز کرد — بر ہمہ کس راہ سخن باز کرد
فہم رموزش نکند ہر کسے — زانکہ معانیست بسے در بسے
زبدۂ اسرار حقایق ہمہ — محض اشارات دقایق ہمہ
گفتۂ او در نظر نکتہ داں — میدہد از علم لدنی نشاں
آنچہ دریں ماندہ افگند شور — سر بسر از قوت طبع ست و زور
ایں مئے صاف از قدح دیگر ست — مستی او را فرح دیگر ست
ہست دریں بزم گہِ دلفروز — نوبت ہر اہل دلے پنج روز
دور قدح طے شد و ساقی نماند — در خُم دوراں مئے باقی نماند
چوں مئے خسرو بہ تمامی رسید — دورِ مئے عشق بجامی رسید

(۱۱) ضیاء برنی کا قول

مولانا ضیاء برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی جو خسرو کے ہم عصر ہیں تحریر فرماتے

ہیں۔ امیر خسرو خسرو شاعران سلف و خلف بودہ است و در اختراع معانی و کثرت تصنیفات غریبہ نظیر نداشت۔ وہر چہ نسبت طبع لطیف و موزوں کند باری تعالیٰ او را در آں ہنر سرآمد گردانیدہ بود۔ وجودے عدیم المثال آفریدہ و در قرن متاخر از نوادر اعصار پیدا آوردہ۔

(۱۲) سفینۃ الاولیا میں دارا شکوہ کی تحریر

امیر خسرو در شعر چناں قادر بودند کہ مطلع الانوار را کہ در جواب مخزن اسرار در دو ہفتہ تمام کردہ اند۔ و در اشعار ایشان یکہ بیتہاست کہ کم کسے بآں خوبی گفتہ باشد۔ مضموں ہائے تازہ عالی در اشعار امیر آں قدر ست کہ اگر ہمہ راجمع کنند از تصانیف بعضے زیادہ میشود وہمیں طور در اقسام زبان و فنون علم ہندی بے مثل بودہ اند بجامعیت ایشاں کم کسے گزشتہ۔

(۱۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وے سلطان الشعرا و برہان الفضلا ست در وادیِ سخن یگانہ عالم و نقاوہ نوع بنی آدم ست۔ وے در سخن عالمے ست از عوالم خداوندی کہ پایاں ندارد آنچہ او را از مضامین و معانی بدر اطوار سخن وانواع آں دست داد ہیچ کس را از شعرائے متقدمین و متاخرین ندادہ۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ طبقات محدثین میں ہیں لیکن نظم سے بھی حصہ وافر کے مالک ہیں۔ آپ کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت نظم منظوم کرنے پر شیخ

رحمۃ اللہ علیہ کو خود بھی قدرت تھی بہرحال حدیث کی چھان بین کرنے والے کی نظر تنقیدی ہو ہی جاتی ہے۔ پس شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایک جملہ مشعر کمال خسرو ہے۔

(۱۴) تذکرہ دولت شاہ سمرقندی

تذکرہ دولت شاہ میں ہے کہ امیر زادہ بایسنغر خمسہ خسروی کو خمسہ نظامی پر ترجیح دیتا تھا اور خاقان مغفور الغ بیگ اسے قبول نہیں کرتا تھا۔ اس بحث نے یہاں تک طوالت اختیار کی کہ دونوں بادشاہوں میں کشاکش بڑھتی بڑھتے نوبت مقابلہ و مقاتلہ کی پہونچی۔ آخر میں دولت شاہ خسرو علیہ الرحمۃ کے متعلق یہ فقرات لکھتا ہے۔

العقصہ معانی خاص و نازکیہائے امیر خسرو دہلوی و سخنہائے پرشور عاشقانہ او آتش در نہاد آدمی میزند خواجہ خسرو پادشاہ عاشقان ست ازانش خسرو نام ست و در ملک سخنوری این نامش تمام ست درحق او مرتبہ سخن گزاری ختم ست۔

(۱۵) آزاد بلگرامی

رئیس المحققین میر غلام علی آزاد بلگرامی فرماتے ہیں کہ حضرت سعدی شیرازی کے کلام میں اگرچہ خال خال توعہ گوئی پائی جاتی ہے جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے (شعر سعدی)

دل و جانم بتو مشغول و نظر درچپ و راست
تا نہ گویند رقیباں کہ تو منظور منی

مگر ناسخ نقوش مانوی حضرت امیر خسرو دہلوی توعہ گوئی کے بانی تسلیم کئے گئے ہیں

حضرت خسرو فرماتے ہیں ؎

خوش آں زماں کہ بر ویش نظر نہفتہ کنم — چو سوے من نگرد او نظر بگردانم

ولہٗ

غلام آں نفسم کا مدم چو خانہ او — بخشم گفت کہ از در کشید بیرونش

چو رفتم بر درش بسیار دربانش گفت ایں مسکیں
گرفتارست شاید کایں طرف بسیار می آید

محقق بلگرامی ایک عجیب صنعت سے ان کے کلام کی داد دیتے ہیں یعنی خسرو کے دو شعروں سے دونوں آخر کے مصرعے لیتے ہیں اور اول مصرعہ اپنے طرف سے موزوں کر کے کلام خسرو کی داد دیتے ہیں ؎

خسرو	آزاد
خوباں عملِ فتنہ زدیوانِ تو یابند	اے خسروِ شوخاں چہ کند وصفِ تو آزاد

دیگر

میر خسرو نمکیں شعر ترا خواند آزاد — از نمکدانِ تو شد تازہ گرفتاری دل

میر آزاد بلگرامی نے جو تنقید کہ کلام خسرو پر کی ہے مو بمو راست ہے۔ خود ایک غزل میں خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

روح لیلی آید و آموزد آئینہاے عشق
شعر خسرو گر رقم بر تربتِ مجنوں کنم

اگر تمام اقوال مصنفین کے جو خسرو علیہ الرحمۃ کی نفس شاعری کے متعلق ہیں جمع کروں تو ایک رسالہ ہو جائے لہٰذا اسی قدر پر بس کرتا ہوں

کہ مثنوی میں بعد نظامی علیہ الرحمۃ کی خسرو دہلوی سے بہتر کسی نے مثنوی نہیں لکھی۔ مولانا جامی خواجو کرمانی امیر ہاشمی کرمانی آذر اصفہانی سلم السماوات شرح الشعرا والہ داغستانی وغیرہ یہ سب اس کے معترف و مقر ہیں۔ قصائد میں خاقانی اور غزل میں سعدی کے بعد ہیں۔ باعتبار جامعیت کے کوئی ان کا مقابل نہیں۔ صاحب شعر العجم کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(۱۶) شعر العجم کی عبارت

"ایران میں جس قدر شعرا گزرے ہیں خاص خاص اصناف شاعری میں کمال رکھتے تھے مثلاً فردوسی و نظامی مثنوی میں۔ انوری اور کمال قصائد میں سعدی وحافظ غزل میں۔ یہی لوگ جب دوسری صنف میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو پھیکے پڑ جاتے ہیں بخلاف اس کے امیر قصائد مثنوی اور غزل تینوں میں ایک درجہ رکھتے ہیں مثنوی میں نظامی کے بعد آج تک ان کا جواب نہیں ہوا۔ غزل میں وہ سعدی کے دوش بدوش ہیں قصائد میں ان کی چنداں شہرت نہیں ہوئی لیکن کلام موجود ہے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ کمال اور ظہیر سے ایک قدم پیچھے نہیں"۔

اسی شعر العجم میں ایک دوسرے موقع پر ہے۔

"ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا۔ اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کئے ہوں گے صرف ایک

شاعری کرو تو اُن کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے۔ فردوسی سعدی انوری حافظ عرفی نظیری بے شبہ اقلیم سخن کے جم وکے ہیں مگر ان کی حدود حکومت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑہتیں۔ حافظ۔ عرفی۔ نظیری غزل کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتے اور انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتا۔ لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل مثنوی قصیدہ رُباعی سب کچھ داخل ہو اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین مستزاد اور صنائع و بدائع کا تو شمار نہیں۔"

خسرو کا حاسد عبید شاعر

صفحات تاریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ صاحب فضل وکمال کی ایک علامت یہ بھی ہو کہ وہ محسود ہو دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا باکمال گزرا ہو جس پر بعض بدنصیبوں نے حسد نہ کھایا ہو چنانچہ خسرو جیسا خوش طبع منکسر المزاج مسکین طبیعت محتاج دوست عاجز پرور اور دلنواز شخص بھی حاسدوں سے محفوظ نہ رہ سکا سچ ہی ع

گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

دربار شاہی میں ایک ایرانی عبید نامی تھا وہ فضل وکمال میں جب خسرو کا مقابلہ نہ کرسکا تو آتش حسد سے جل بھنکر کوئلہ ہوگیا۔ امیر خسرو پر طعن وتشنیع اور ان سے بغض وحسد ہی رکھنے کو اس نے اپنا مایۂ ناز وافتخار سمجھا۔ صاحب شعر العجم کی بھی یہی رائے ہو شعر العجم کے الفاظ یہ ہیں "بعض بعض ایرانی شعرا قومی تعصب کو چھپا نہیں سکے عبید ایک شاعر جو امیر خسرو کا معاصر ہو کہتا ہو کہ غلط او فتاد خسرو را الخ خسرو کا خمسہ جب طیار ہوا تو اس پر ت ا ...

کمال نے اُسے ششدر تو کردیا لیکن حسد سے مجبور تھا داد کیونکر دیتا اس لئے کہ یہ شیوۂ اہلِ ہنر ہے نہ طریق حسود۔ آخر ایک شعر میں اپنے حسد ہی کا اظہار کیا ؎

غلط افتاد خسرو را زخامی

کہ سکبا پخت در دیگ نظامی

ادبی مذاق رکھنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ اہل کمال کا ایک گروہ ایسا بھی گزرا ہے جسے معاصرین سے داد فضل کمال نہ ملی بلکہ بعض ایسے نثر کار فن جو اُن کے علو شان کے سمجھنے سے قاصر تھے اُنھوں نے نہ صرف اُن کے کمال کا انکار کیا بلکہ مطاعن کی بوچھار کی ہے۔ لیکن جبکہ معاصرت جو تنافر کی ایک قوی علت تھی مٹ گئی تو پھر اُس کا آفتاب کمال ایسا چمکا کہ اُس کے انوار میں تمام ملکی اور دھیمی روشنیاں جذب ہو کر فنا ہو گئیں۔

یادش بخیر غالب دہلوی کی شان میں اُس کے بعض معاصرین نے کیا کیا کچھ کہا۔ کسی نے تو یہ کہا ؎

کلام میر سمجھے ہم زبانِ میرزا سمجھے

مگر ان کی کہی یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

کسی نے اُس کے دیوان کے حجم و ضخامت پر یہ شعر چست کیا ؎

ڈیڑھ جزو پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب

غالب آسان نہیں صاحب دیوان ہونا

اس شعر کے کہنے والے آوج تخلص عبداللہ نام دہلی کے ایک شاعر گزرے ہیں جنھیں یہ ناز تھا کہ سات دواوین مرتب کرچکا ہوں اور آٹھواں زیر ترتیب ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں :۔

"ایک دن رستہ میں ملے دیکھتے ہی کہنے لگے آج گیا تھا اُنھیں بھی سُنا آیا۔ میں نے کہا کیا کڑک کر بولے ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آسان نہیں صاحب دیوان ہونا

پھر بیان کیا کہ ایک جلسہ میں مومن خاں بھی موجود تھے مجھسے سب نے شعر کی فرمایش کی میں نے ناسخ کی غزل پر غزل کہی تھی وہ سُنائی مقطع پر بہت حیران ہوئے ع

کہ جس کو کہتے ہیں چرخ ہفتم ورق ہے دیوان ہفتمیں کا

پوچھنے لگے کہ کیا آپ ساتواں دیوان لکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں اب آٹھواں ہے چپ ہو گئے"

لیکن اب کہ وہ بساط لپٹ گئی۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ وہی ڈیڑھ جز کا دیوان ارباب بصیرت کی آنکھوں کی عینک بنگیا۔ اور عبداللہ خاں جو آٹھ دیوان چھوڑ گئے اُن میں سے آٹھ غزلوں کا بھی پتہ نہیں۔ آج وہ اشعار جو غالب کی شان میں طنزیہ کہے گئے تھے کیا کچھ بھی واقعیت رکھتے ہیں؟

وہ شعرا اور ان کے طعن آمیز اشعار کیا اس ثبوت میں پیش کیے جا سکتے ہیں کہ غالب کا کلام بے معنی و مہمل ہے اور اُسے صاحب دیوان نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ اُس کا

دیوان صرف ایک جلد ہی اور وہ بھی مختصر پیش کیا عبید کے اس شعر کو جو اسکی حاسدانہ طبیعت کی یادگار ہی اس ثبوت میں پیش کرنا کہ اہل ایران نے خسرو کو مثنوی نگار تسلیم نہیں کیا آفتاب پر خاک ڈالنا نہیں ہی؟

عبید کا افساد اور اُس کا انجام

صاحب منتخب التواریخ تغلق شاہ کا عہد بیان کرتے ہوئے ایک فتنہ کا یوں ذکر کرتے ہیں "دریں میان عبید شاعر مشہور مفتن معارض امیر خسرو علیہ الرحمۃ کہ ایں بیت ازاں بدبخت شہرت دارد غلط او فساد الخ امیر در اکثر تصانیف از دست او و سعد فلسفی شکایت ہا کردہ و شیخ زادہ دمشقی بہ تقریب دیر رسیدن ڈاک چوکی از دہلی بدروغ آوازہ در انداختند کہ سلطان تغلق نماند۔ و فتورے عظیم در اہلِ اسلام رفت"۔ اس کے بعد فتنہ اور پھر اُس کے اندفاع کا ذکر ہے آخر میں مفسدین کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھا ہی "عبید نیز ہم چناں منکوب بدست آمد و ایں جماعت را باخیل و تبار زیر پائے فیل انداختند در سنہ احدی و عشریں و سبعمأۃ"۔ تاریخ فیروز شاہی میں مولانا ضیاء برنی کے الفاظ عبید کے متعلق یہ ہیں۔ بدبخت خبیث فتان و مشطط"

اس عبارت سے صاف واضح ہی کہ عبید ایک مفسد فتنہ پرداز بے مایہ اور معمولی قابلیت کا شخص گزرا ہی شعر و سخن میں اُسے کچھ دخل ہی لیکن اس فن میں اُس کا کوئی خاص پایہ نہیں اُس عہد میں عبید جیسے شاعر ہندوستان کے ہر گلی کوچے میں تھے۔ اُس کے اخلاق کی خامی و کمزوری اُس کی فتنہ پردازی و فساد انگیزی سے ظاہر ہے۔ کسی تذکرے میں بھی فقیر کی نظر سے یہ نہیں گزرا کہ اُس کے ثبوت شاعری میں

اُس سے کیا یادگار ہے نہ عبید کا دیوان ہے نہ مثنوی نہ قصائد۔ نہ کوئی اُس کے فضائل علمیہ ہی کا معترف ہے۔

خسرو کا اتباع اور اہل زبان

خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ ہندوستان میں پیدا ہوئے اسی جگہ نشو ونما پایا۔ اسی سرزمین میں اُن کی تعلیم و تربیت ہوئی لیکن کلام کا ایسا نمونہ چھوڑ گئے کہ اہل ایران نے اُس کی تقلید کی خسرو کے قصائد اہل ایران میں ایسے مقبول ہوئے کہ سلمان ساوجی وغیرہ نے بھی اُسے نمونہ بنا کر طبع آزمائی کی ہے جو شہادتیں کہ اوپر مذکور ہوئیں اُن سے اہل ایران میں کلام خسرو کی مقبولیت اور اہل زبان میں خسرو کے صاحب فن ہونے کا اعتراف بخوبی ثابت ہوتا ہے

ایک سطحی اعتراض اور اُس کا جواب

یہ اعتراض کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے رنگ میں مثنویاں کیوں لکھیں اُنھیں داستانوں کو مکرر نظم میں کیوں لائے یہ کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ تعصب کا نتیجہ ہے اس کا جواب پھر کیا دیا جائے۔ دنیا میں شاید ہی کسی موضوع پر ایسی کتاب کسی نے لکھی ہو جس موضوع پر اُس سے بعد آنے والوں نے اپنی قوت دماغی نہ صرف کی ہو بلکہ کبھی کبھی اتحاد موضوع کے ساتھ اتحاد اسم بھی پایا جاتا ہے۔ امام غزالی کی مشہور تصنیف تھافتہ الفلاسفہ ہے لیکن اسی نام کی اور دو کتابیں بھی موجود ہیں۔ ان تینوں کا موضوع ایک ہی لیکن انداز بیان ترتیب فصول سب میں جداگانہ ہے۔ شرح تجرید کے حواشی دیکھو دو نامور محقق یکے بعد دیگرے اُس کا حل لکھتے ہیں اور دونوں کے حواشی کا ایک ہی نام ہے یعنی قدیمہ۔ اسی طرح شیخ

بوعلی سینا کی معرکۃ الآرا کتاب اشارات ہو اُس کی بھی دو شرحیں ہیں اور دونوں شرح شارات سے موسوم ہیں شعر و شاعری میں جہاں صرف طبع آزمائی ہوتی ہے اُس میں اگر ایک ہی داستان کو دو شاعروں نے نظم کیا تو یہ اعتراض کیونکر ہو سکتا ہو زور طبیعت کا اُسی جگہ صحیح اندازہ ہوتا ہو جہاں ایک ہی مضمون کو دو شخص بیان کریں اس سے ہر ایک کی قوت فکریہ کا زور اور اُس کی رسائی معلوم ہوتی ہو خصوصاً خسرو شیریں مجنوں و لیلیٰ و داستان بہرام گور متعدد شعرا نے نظم کی ہیں جن میں سوائے امیر خسرو کے سب اہل زبان ہیں پھر خسرو پر اس اعتراض کی تخصیص کیا ہو۔ خسرو نے نام رکھنے میں جو صنعت قلب سے کام لیا ہو اُس سے ایک لطف پیدا ہو گیا مثلاً مولانا نظامی کی کتاب کا نام لیلیٰ مجنوں ہے اور ان کی مثنوی کا مجنوں لیلیٰ۔

استادانِ فن کے کلاموں پر جن کی نظر ہے اُن سے یہ امر مخفی نہیں کہ ایک ہی مضمون ہوتا ہو جسے ہر ایک شاعر کہتا ہو لیکن ہر ایک کا انداز جدا ہر ایک کی بندش الگ کہیں اگلوں کے کلام میں لطافت ہوتی ہو اور کہیں پچھلے اُس مضمون کو زیادہ پُر تاثیر بنا دیتے ہیں مثلاً سعدی کا ایک شعر ہو۔

پہلی مثال

بجز این گنہ ندارم کہ محبّ و مہربانم | بچہ جرم دیگر از من بسر انتقام داری

اسی مضمون کو خسرو کہتے ہیں ؎

گفتم کہ ہمہ ترا غلامم | گر ہست گناہ من ہمین ست

خسرو کے شعر کا لطف ظاہر ہی صرف ایک لفظ غلام نے وہ خوبی پیدا کر دی ہی جو محب و مہربان کے دو لفظوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اُس پر گناہ کا اقرار حرف شرط کے ساتھ ایک عجیب لطف دے رہا ہی۔

کیا خسرو پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ جبکہ سعدی کا شعر موجود تھا تو پھر اس مضمون کے ادا کرنے میں کیوں وقت ضائع کیا گیا۔

دوسری مثال

خسرو کا ایک شعر ہی ؎

گفتہ بودے خسروا در خواب رُخ بنمایمت　　　این سخن بیگانہ را گو آشنا را خواب نیست

اسی مضمون کو جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

گفتی شبے بخوابِ تو آیم ولے چہ سود　　　چوں من بعمرِ خویش ندانم کہ خواب چیست

خسرو جن کا زمانہ جامی سے بہت پیشتر ہے جبکہ اُن کا ایسا پر لطف شعر موجود تھا تو پھر جامی کو ایسا شعر لکھنا جو لطف میں بھی خسرو کے شعر سے پیچھے ہی کیا ضرور تھا۔ کیا یہ اعتراض مولانا جامی پر ایک فضول ولا یعنی اعتراض نہیں ؟

تیسری مثال

میر تقی میر کا ایک شعر ہی ؎

جاتا ہے آسماں لئے کوچہ سے یار کے　　　آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ

غالب دہلوی کہتا ہی ؎

یاد آگیا ہمیں تری دیوار دیکھکر　　　سر پھوڑتا وہ غالب شوریدہ حال کا

خلاصہ یہ کہ کوئی مضمون جسے متقدم نے کہا ہو اگر اُسے کوئی متاخر کہے تو اگر دونوں کے کلام میں باعتبار بندش و ترکیب الفاظ مساوات ہی تو فضل متقدم کی طرف ہوگا۔ لیکن اگر متاخر نے اُس میں کوئی لطف پیدا کیا تو پھر یہ مضمون اُس کا ہو جائے گا اور یہ ایک طرح کی صنعت شمار کی جاتی ہی جسے ابداع کہتے ہیں۔

جواب کا دوسرا حصّہ | یہ واقعہ ہی کہ ہر شاعر کی طبیعت ایک خاص رنگ رکھتی ہی اور اُس کے بیان کا اسلوب ایک خاص طرز رکھتا ہی۔ اکثر کلام اُس کا اُسی رنگ و روش میں پایا جاتا ہی۔ لیکن کبھی کبھی وہ اپنے مخصوص طرز سے علیحدہ ہو کر کسی دوسرے طرز میں بھی طبیعت کی جولانی دکھاتا ہی جس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ دوسری روش بھی اُس کی قدرت سے باہر نہیں۔

مثلاً غالب کی نازک خیالی اور دقت پسندی ضرب المثل ہی جیساکہ وہ خود کہتا ہے

مشکل ہی زبس کلام میرا اے دل　　　سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش　　　گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

لیکن جب کبھی اُس کا جی چاہتا ہی تو اپنے خاص رنگ سے علیحدہ ہو کر سہل کہنے پر جو آتا ہی تو سہل ممتنع میں بھی اپنی اُستادی ثابت کر دیتا ہی۔ مثلاً اُس کی ان غزلیات کو دیکھئے جن میں سے ایک ایک شعر یہاں درج ہی ؎

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے　　　آخر اس درد کی دوا کیا ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید ناامیدی اُس کی دیکھا چاہیئے

خسرو اور مجتہدانہ طبیعت خسرو علیہ الرحمۃ ایک مجتہدانہ طبیعت لے کر اس عالم کون دفسا دیں آئے تھے۔ ناظرین تھوڑا صبر کریں نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے جود و کرم کا چشمہ عنقریب اُنھیں سیراب کردے گا۔ بہت بڑا حصہ کلام خسرو کا تصحیح و مقابلہ کی منازل سے گزر کر تنقید و تقریظ کے مقام تک آچکا ہے۔ جس وقت خسرو کا کلام ناظرین کے سامنے ہوگا اُس وقت یہ فیصلہ خود بخود ہو جائے گا کہ بیشک خسرو میں مجتہدانہ قابلیت موجود تھی۔ آپ کی مثنوی تغلق نامہ، خضر خاں و دیول دیی اور مثنوی نہ سپہر آپ کی جدت و جودت آفریں طبیعت پر گواہ ہیں یہ تینوں تاریخی مثنویاں ہیں۔ واقعات ایسی صحت سے لکھے گئے ہیں کہ اُس عہد کی بہترین تاریخ یہی مثنویاں ہیں تاریخی بحث ایک خشک مضمون ہے لیکن خسرو نے اپنی جادو بیانی سے ایسا رنگین اُسے کر دیا ہے کہ تاریخ اپنی صحت کے ساتھ باقی رہی اور مضمون میں دلکشی و دل آویزی پیدا ہو گئی۔ نہ سپہر کی ترتیب بھی ایک جدت رکھتی ہے۔ اس مثنوی کے نو باب ہیں ہر باب کو سپہر سے تعبیر کیا ہے۔ پھر ابتدا نویں آسمان سے کی ہے اُس کے بعد آٹھواں پھر ساتواں اسی طرح پہلے سپہر پر خاتمہ ہے۔ ہر سپہر کا عنوان آخر میں ہوتا ہے اور ہر سپہر کی بحر ایک نئی بحر ہوتی ہے۔ اس طرح یہ مثنوی نو بحروں پر مشتمل ہے خسرو کی اس مثنوی کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔ بعضوں نے سبحۃ الابرار جامی کے متعلق یہ لکھ دیا کہ

یہ مثنوی نہ سپہر کے ہم رنگ ہے۔ بغیر کتاب دیکھے جو اجتہاد و قیاس کیا جاتا ہے وہ ایسا ہی غلط ہوتا ہے لیکن خمسہ میں خسرو نے اپنی روش چھوڑ کر حضرت نظامی کی روش اختیار کی ہے اور یہ ثابت کر دیا کہ اس روش میں بھی مثنوی کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

میخواست بسے دلِ ہوس باز کز سحرِ قدیم نو کُنم ساز
پے بر پئے او چناں کہ دانم گفتم قدمے زدن توانم
از شیوۂ خود رمیدہ گشتم تسلیمِ ہماں جریدہ گشتم
چیدم بقلم نمونۂ پیش بردم زمیاں تکلفِ خویش
زاں کردہ ام ایں نوائے خوش ساز تا گوشِ زمانہ راکنم باز
ذوقے کہ دریں دمِ حیات ست ہمشیرۂ اولیں نبات ست

خسرو علیہ الرحمۃ اپنی مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق آخر شعر میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اولیں نبات (یعنی لیلیٰ مجنونِ نظامی) کی ہمشیرہ ہے۔ جس طرح کہ یہ مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق ہو کیا گیا ہے دیگر مثنویوں کے متعلق بھی کیا جا سکتا ہے خود اسی مثنوی ہشت بہشت کو بخیال نکتہ چینی اول سے آخر تک اُٹھا کر پڑھ جائے۔ کسی جگہ اور کسی موقع پر کسی قسم کا مضمون آپ ایسا نہ پائیں گے کہ اُس کو آپ کسی مضمون کی نقل خیال کر سکیں یا پیش رو اور پیرو کا ذوق محسوس ہو اگرچہ وہی قصہ ہے وہی داستان وہی عالم ہے وہی جہان۔

دیکھئے متاخرین اہلِ کمال نے جو امام فن مسلم ہو چکے ہیں جب کسی متقدم کی غزل پر غزل لکھی تو چند اشعار میں بھی وہ اس نقصان کو پوشیدہ نہ کر سکے اور یہاں دفتر کے دفتر

موجود ہیں مگر ممکن نہیں کہ کوئی منصف شخص یہ کہہ سکے کہ یہ نقل ہے اور وہ اصل یا یہ اصل ہے اور وہ نقل۔

نظامی و خسرو کا مقابلہ | نہایت تفصیل سے مثنوی میں مولانا نظامی کا کمال ابھی ہم بیان کر چکے ہیں لاریب مولانا کی مثنویاں باوجود بیشمار جوابوں کے بھی آج تک لاجواب رہیں۔ خود امیر خسرو کی بے نظیر انصاف پسندی بار بار مولانا کے کمال کا اعتراف کرتی ہے۔ مثنوی مجنوں لیلیٰ میں اُن لوگوں کو جو خسرو پر نظامی کا نام لے کر طعن کیا کرتے تھے مخاطب بنا کر فرماتے ہیں ؎

گر ما ز ہُنر تہی میانیم	بارے تو بگوئے تا بدانیم
از دعویِ این خیال سنجی	ناگفتہ ملاف تا نہ رنجی
بنود چو فسانۂ تو نامی	بیہودہ چہ لافی از نظامی
گفتی درم اوست مُردہ رازیست	آں زان ولیست زانِ تو بیست
گرزاں قدح آری آبخوردم	بے گفتِ تو اعتراف کردم

یہ واقعہ ہے کہ مولانا نظامی نے بغیر کسی نمونہ کے صنف مثنوی کو ایسا آراستہ و پیراستہ کیا کہ سو برس تک تو کسی کی ہمت مثنوی لکھنے کی نہ ہوئی۔ اور بعد سو برس کے جنھوں نے مثنویاں لکھیں تو وہ نظامی جیسی کوئی نمایاں ترقی نہ کر سکے۔ اس لئے کہ وہ اس مرتبۂ کمال تک مولانا کے پُرزور قلم سے پہنچ چکی تھی جو انسان کی قوۃ فکریہ کی انتہائی منزل ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مولانا نظامی جس روش کے موجد ہونے کا فخر رکھتے ہیں

اُس کے مکمل ہونے کا بھی سہرہ اُنھیں کے سر ہے۔ یہ دو کمال یعنی ایجاد و تکمیل مولانا کے ایسے ہیں جن میں کوئی اُن کا ہمسر نہیں خسرو کا نظامی سے جب مقابلہ کیا جائے گا تو یہ حیثیت ضرور ملحوظ ہو گی۔

نظامی کی فارغ البالی خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مولانا نظامی یک فنی تھے طبیعت کا سارا زور مثنوی پر ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا فراغ عطا فرمایا تھا مولانا کو نہ کوئی دوسرا خیال تھا نہ طبیعت پر کسی طرح کا بار۔ اطمینان و سکون سے کلام میں کمال پیدا کرتے رہے۔ خسرو کے وہ اشعار یہ ہیں ؎

اوزان ہمہ فکرِ گوہر آمائے	نہ نہاد ز یک روش بروں پائے
وانگہ ز جہاں فراغ جستہ	وز شغلِ زمانہ دست شستہ
بارے نہ بدل مگر ہمیں بار	کارے نہ دگر مگر ہمیں کار
کوشش ہمہ در سخن سگالی	خاطر ز ہر التفات خالی

اس کے بعد اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ میں مسکین ہوں بندگی سے چارہ نہیں پیٹ کے لئے مزدوری کرتا ہوں صبح سے شام تک اپنے ہی جیسے انسان کے آگے پاؤں پر کھڑا رہتا ہوں۔ اس محنت و ملازمت کا جب صلہ دیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق محنت و مزد نہیں دیتے بلکہ احسان کر رہے ہیں۔ خود خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مسکین منِ مستمند بیہوش | از سوختگی چو دیگ در جوش

شب تا سحر از صبح تا شام — در گوشۂ غم نگیرم آرام
باشم زبر بلاے نفسِ خود رسلے — پیش چو خودے ستادہ بر پاے
تا خوے نزود ز پاے تا سر — دستم نشود ز آبِ کس تر
مزدے کہ دہند منتِ داد — واں گنج کہ من برم ہمہ باد
چوں خر کہ علف کشد بزاری — ریزند جوش و لے بخواری

باوجود اس کے خسرو کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ خمسہ نظامی کے بعد انہیں کا خمسہ جگہ پاسکا۔ حالانکہ جلال فراہانی، خواجو کرمانی، عماد فقیہ کرمانی، مولانا کاتبی۔ ہاتفی وغیرہ وغیرہ سبھوں نے طبع آزمائیاں کیں لیکن اہلِ زبان ہونے پر بھی خسرو کے مقابل نہ ہوسکے۔ اس پر بھی اگر کسی کو خسرو کا کمال نہ دکھائی دے تو اس کا کیا علاج۔ خسرو علیہ الرحمۃ نے مثنوی قران السعدین میں اس کا بہت ہی اچھا فیصلہ کردیا ہے؎

باز کسے را کہ حسد رہ زند — زخمہ دریں رہ نہ یکے۔ دہ زند
جس کی راہ حسد نے مار رکھی ہو — وہ ایک چھوڑ دس اعتراض کرے گا
گر بمثل صد ہنر آرم ز غیب — ہیچ نگاہے نکند۔ جز بہ عیب
مثلاً اگر میں سو ہنر کی باتیں پیدا کروں — تاہم صد عیب کی ہی طرف نظر کرے گا
صد سخنِ راست نگیرد بہ ہیچ — یک رقم کژ کند انگشت پیچ
سو اچھی شعر انہیں کے نزدیک بے قدر ہیں — لیکن سقم ایک بھی ہو تو اسے انگشت نما بنائے گا

گر بہ از ین بست گہر سفتنش | عیب بود عیب کساں گفتنش
اگر اُس کی سخن طرازی مجھسے بہتر ہے | تو دوسروں کی عیب چینی خود اُس کے لیے عیب ہے
ور کم ازیں مایہ رسیدش زغیب | طفلِ رہِ ماست زطفلاں چہ عیب
اور اگر اس کا کلام مجھسے پست ہے | تو وہ ابھی اس راہ میں بچہ ہے بچوں کے کا بُرا ماننا کیا

الحمد للہ کہ اُن مضامین سے فرصت ملی جن کی ترتیب علاوہ تنقید ہشت بہشت کے فقیر کے متعلق کی گئی تھی مولیٰ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُس جناب کا اسے مقبول و پسندیدہ فرمائے جس کے کلام و کمال کا نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں اُس بزرگ و مخلص کی دُعا کا خواستگار ہوں جس کی پیہم سرگرمیوں نے مجھ جیسے کاہل و ناکارہ کو بھی معطل نہ چھوڑا۔ فجزاہ اللہ عنی خیر الجزاء

مثنوی ہشت بہشت

مثنوی کی بنا اور اُس کے ادوار | باخبر رہ روان علم سے یہ امر مخفی نہیں کہ رودکی نے سب سے پہلے مثنوی کی بنیاد رکھی۔ فردوسی نے اوس پر ایک شان دار عمارت قائم کی۔ مولنا نظامی رحمہ نے اوس محل کو آراستہ اور نقش ونگار سے پیراستہ کیا۔ امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سو برس بعد اوس پر ایسی نظر افروز قلعی چڑھائی جسے دیکھکر ان سے بعد آنے والے شعرا اپنی طبیعت کو قابو میں نہ رکھ سکے اور ہر ایک نے اپنے اپنے عہد میں اس بات کی کوشش کی کہ اس محل دلکشا میں کہیں میرا کمال بھی آویزاں ہو جائے۔ لیکن اہل معانی وسخن شناس باانصاف جانتے ہیں کہ اُن اہل کمال کی تمنائیں کہاں تک سرسبز ہوئیں ؎

المنۃ للہ کہ حق بیں ہیں یہ آنکھیں احسان خدا کا کہ یہ دل گھر ہے خدا کا

مثنوی ہشت بہشت | اس وقت پیش نظر امیر علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت ہے جو آپ کے خمسہ میں باعتبار ترتیب تصنیف سب سے آخر دور کی پر جوش صہباے عرفان کا پیمانہ ہی۔ جیسا کہ خود اِس کتاب میں ہمنشین علی کی زبان سے فرماتے ہیں ؎

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

امیر صاحب نے اس مثنوی کو سنہ میں تحریر فرمایا ہی۔ اوس وقت

آپ کی عمر اکیاون سال کی تھی۔ کل اشعار اِس کے تین ہزار تین سو پچاس ہیں جیسا کہ اِن اشعار سے ظاہر ہی ؎

همه بیتش بگاه عرض شمار　　سه صد و پنجه آمد و سه هزار
سال هجری یکے و هفصد بود　　کیں بنا برد سر بچرخ کبود

بحر اس کی خفیف مسدس مخبوں مقصور ہے۔ یعنی فاعلاتن مفاعلن فعلات یوں تو شاعر کے آخر عمر کا کلام سابق کے کلام سے پختگی و برجستگی صفائی و استواری میں بڑھ کر ہوتا ہی ہے لیکن امیر صاحب نے کوشش بھی کی ہی کہ اس کتاب میں شاعری حد کمال تک پہونچ جائے۔ فرماتے ہیں ؎

کوشش کیں خط چناں نگاری چیست　　کہ فزوں آید از چہار نخست
کاولیں نکتہ گرچہ چست بود　　آخریں بہتر از نخست بود

چنانچہ جب یہ مثنوی تمام ہو چکی تو امیر صاحب نے اوس کو ویسا ہی بہتر و برتر پایا جیسا کہ اون کی تمنا تھی۔ اپنی اِس کامیابی کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں ؎

گر بود نافۂ خزانۂ راز　　داند اندیشۂ مرا پرواز

مثنوی بمقابلہ دیگر اصناف نظم کے

اِن جزئیات کے بعد دو باتوں کا بیان کر دینا نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔ اوّل یہ کہ شاعر مثنوی لکھنے کے قابل کب ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کون سے محاسن ہیں جن سے مثنوی کی آرائش تمام ہوتی ہے۔ امر اوّل کے متعلق ارباب تحقیق کی یہ رائے ہے کہ شاعر مثنوی اس وقت

لکھتا ہے جب کلام پر اوس کو پوری قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔کیونکہ کسی واقعہ کو نظم میں بیان کرنا وزن و قافیہ کا سنبھالے رکھنا شاعرانہ تخیل کو ہاتھ سے نہ دینا برائے بیت الفاظ کا داخل نہونا اور ربط کلام پر خیال رکھکر مسلسل واقعات کا بیان کرنا نہایت ہی اہم و معرکۃ الآرا ہے۔اسلئے مثنوی نظم نگاری میں اعلیٰ درجہ کا فن شمار کیا جاتا ہے۔امر دوم کے متعلق سخن سنجوں کی یہ راے سدید ہی کہ چھ باتیں ہیں جو مثنوی کے لئے ستۂ ضروریہ کہی جاسکتی ہیں (۱) آداب سخن کی پاسداری و نگہداشت (۲) قافیہ کا ردیف کے ساتھ دست و گریبان ہونا اور صحت قوافی کا لحاظ (۳) شاعرانہ علم کلام اور قیاس شعری کی قوت (۴) کسی خاص مضمون کو طرق مختلفہ سے بیان کرنا۔مثلاً آفتاب کا طلوع و غروب صبح و شام کی جلوہ آرائی۔گلوں کے قہقہے۔بلبلوں کے چہچہے۔معشوقوں کے سراپا کے مرقعے۔عشاق کی مجبوری و حرماں نصیبی کے نقشے۔ہمکناری کے شوق۔ہم آغوشی کے ذوق وغیرہ وغیرہ (۵) صنایع و بدائع لفظی و معنوی و مراعات النظائر (۶) سب سے آخر مگر سب سے اہم تسلسل ہے یعنی واقعات کے سلسلہ کی کوئی کڑی نکلنے نہ پاے۔جس شخص کا بیان ہو اوس کی حیثیت و شان کا لحاظ ابتدا سے انتہا تک قایم رہے۔شعرا نے مثنوی کے لئے جو بحریں اختیار کی ہیں وہ سب چھوٹی بحریں ہیں قافیہ چھوڑکر دو تین لفظوں میں مصرعہ پورا ہو جاتا ہے اب شاعر کا کمال یہ ہے کہ اونھیں دو تین لفظوں میں واقعہ نگاری۔سخن آفرینی اور

کلام کی سلاست وروانی کا جوہر دکھا دے۔

مثنوی ہشت بہشت کا درجہ

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت اس وقت پیش نظر ہے وہ اِن نکات کو خوب سمجھے ہوے تھے۔یہی وجہ ہے کہ زباندان ہو کر جب کسی اہل زباں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں تو کتنے اہل زبان ہیں جنکو اپنے دامن کی ہوا بھی پانے نہیں دیتے۔آپ کی مثنوی ہشت بہشت تمام اُن محاسن سے آراستہ ہے جو مثنوی کے زیور قرار دیے جائیں۔لیکن واقعات کے تسلسل اور استقصاے جزئیات میں ایسی کامل ہے کہ بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس وصف خاص میں کوئی مثنوی اس کی ہمسری کا دعوی کر نہیں سکتی چاہے متقدمین کی ہو یا متاخرین کی۔یہ مثنوی بھی اپنی سابق کی چار مثنویوں کی طرح سلطان علاءالدین خلجی کے نام سے معنون ہے۔فلسفہ تاریخ سے آشنا جب عہد علائی پر ایک گہری نظر ڈالتا ہے اور پھر اس مثنوی کو پڑھتا ہے تو نصیحت گری کا یہ انوکھا طرز اور تنبیہ و بیداری کا جدید پر لطف سبق دیکھکر بے اختیار کہہ اوٹھتا ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں   گفتہ آید در حدیث دیگراں

اِس تمہید کے بعد مقصود یہ ہے کہ مثنوی کے جن محاسن کا بیان مجملاً ہوا۔اور جنکے متعلق ہشت بہشت میں پایا جانا کہا گیا اُن امور کی تفصیل و تمثیل مثنوی ہشت بہشت کے اشعار لیکر کر دیجاے۔ہر چند مثنوی ہفت پیکر مولنا نظامی کے ساتھ ساتھ اگر اشعار کی خوبی بیان کی جاتی تو لطف مزید حاصل ہوتا۔لیکن یہاں صرف خسرو

کی شاعری کا کمال دکھانا ہے کہ اِس کتاب میں آپ نے کہاں تک قادرالکلامی کی داد دی ہے اور مثنوی کا حق کس حد تک ادا کیا۔ رہا حضرت نظامی کی ہفت پیکر سے مقابلہ اُس کا بیان آیندہ آئیگا اگرچہ خسرو جیسے باکمال وجامع شاعر کے کمال شاعری کا اظہار مجھ جیسے بے بضاعت کے لئے درخور حوصلہ نہیں ہوسکتا ؎

دامانِ نگہ تنگ وگل حسنِ تو بسیار ‏ ‏ گلچینِ بہار تو زداماں گلہ دارد

مگر محض بخیال امتثال امر حابجاسے گلہاے مضامین لیکر ایک گلدستہ طیار کیا جاتا ہے خدا اسے مقبولیت عطا فرماے ؎

الٰہی رنگِ تاثیرے کرامت کن فغانم را ‏ ‏ بموجِ اشکِ بلبل آب دہ تیغ زبانم را

مثنوی ہشت بہشت کے قصے

جو قصہ کہ اِس مثنوی میں منظوم ہوا ہے وہ بہرام گور (شاہ ایران) کی عیش پرستی کا ہے مولٰنا نظامی نے بھی اسی داستان کو ہفت پیکر میں بیان کیا ہے۔ بہرام گور کے متعلق تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس نے دیار عرب میں تربیت پائی تھی اور عربوں ہی کی گود میں اس کا نشو ونما ہوا تھا۔ بہادر تھا شجاع تھا صید وشکار کا شوقین تھا لیکن طبیعت عیاشانہ پائی تھی جس پر ایران کی آب ہوا نے بہار رچا گئی تھی۔ اہل روم سے اُس کے کئی معرکے ہوئے۔ میدان مصاف کی بار بار گرما گرمی نے اُس کے جوہر شجاعت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ ہندوستان سے اُس کو تعلق تھا

چنانچہ ہندوستان کی ایک عورت اُس کے پاس تھی جس کے شمع حسن کا وہ
پروانہ تھا۔ یہی عورت اُس کے ساتھ صید و شکار میں بھی رہتی تھی اور غالباً یہی
دلارام ہے۔ شکار کا شوقین تو تھا ہی اتفاقاً ایک روز کسی گورخر کا تعاقب کرتے
ہوئے ایک کوئیں میں آرہا اور اوسی جگہہ خود موت کا شکار ہوگیا۔ تاریخ میں
بہرام کے متعلق جو کچھ ہے اوس کا خلاصہ اسی قدر ہے۔

مولنا نظامی نے ہفت پیکر میں چند ابواب خسرو سے زیادہ قائم کئے ہیں جن
میں خاقان چین سے بہرام کی جنگ و فتح کا ذکر ہے کہیں اُس کے شیر مارنے
کی تعریف کہیں اُس کے اژدہا مارنے میں بہادری کا تذکرہ۔ کچھ وہ واقعات ہیں
جو اُسے مالک تخت و تاج ہونے میں پیش آئے ہیں غرض چھوٹے چھوٹے پندرہ
بیس عنوان انہیں جزئیات میں ہیں۔ پھر اُن کے ذیل میں کہیں کوئی حکایت آجاتی
ہے اور کہیں کوئی تمثیل۔ ان عنوانوں کے علاوہ وہ سارے ابواب ہفت پیکر
میں موجود ہیں جو ہشت بہشت میں ہیں صرف مدح شیخ کا ایک عنوان (جیسا کہ عموماً
خسرو کی مثنویوں میں ہوا کرتا ہے) اس مثنوی میں بھی موجود ہے ہفت پیکر میں
نصیحت کا مخاطب بیٹا ہے اور ہشت بہشت میں بیٹی باقی تمام بیان ایک ہیں
خسرو کی کتاب ہشت بہشت میں حسب ذیل اکیس ابواب ہیں۔

(۱) حمد۔ (۲) نعت۔ (۳) معراج۔ (۴) تعریف بادشاہ۔ (۵) خطاب بسوے بادشاہ۔ (۶) سبب تالیف
(۷) نصیحت بدختر۔ (۸) صفت دلارام و شکار بہرام (۹) رنجیدن بہرام و گذاشتن دلارام

آراستہ شدن محل بہرام۔ گنبد مشکیں۔ گنبد زعفرانی۔ گنبد ریحانی۔ گنبد گلناری
گنبد بنفشی۔ گنبد صندلی۔ گنبد کافوری۔ وفات بہرام۔ خاتمہ شکر گزاری حق
تعالیٰ۔ خسرو علیہ الرحمۃ بہرام گور کی داستان اِس طرح شروع فرماتے ہیں کہ بہرام
کو گورخر کے شکار کا بہت ہی شوق تھا سوائے اُس کی ران کے اور کسی طرح کا
گوشت پسند نہیں کرتا تھا۔ بغیر شکار گورخر اُسے چین نہیں پڑتا تھا۔

دلارام اوس کی معشوقہ ساتھ ہوتی تھی ایک روز کسی خلاف طبع امر پر خفا ہو کر
بہرام نے اوس کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ دلارام ایک گاؤں میں پہونچکر نغمہ سرائی سیکھتی
ہے اور اوس کمال کی وساطت سے پھر بہرام کی معشوقہ بنتی ہے۔

بہرام کے وزیر دانا نے جب بہرام کا انہماک صید و شکار میں حد سے زیادہ دیکھا
تو اوس نے اوس کے لئے ایک قصر عالیشان بنوایا۔ جس میں سات گنبد تھے
گنبد کی رونق کا سامان یہ کیا کہ ہفت اقلیم کے بادشاہوں کے پاس عاقل و مدبر
اشخاص شاہانہ تحائف کے ساتھ بھیجے اور اون سلاطین سے بہرام کے لئے
اون کی لڑکیوں کی استدعا کی۔ قاصد کامیاب واپس آئے۔ ہر اقلیم کی
شاہزادی ساتھ ساتھ لائے۔

وزیر نے ایک ایک گنبد میں ایک ایک شاہزادی کو جگہ دی۔ بہرام ہر رات
ایک شاہزادی کے ساتھ ہم خواب ہوتا ہے۔ نیند آنے کے لئے شاہزادی
سے کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے وہ شاہزادی معذرت کرتے ہوئے پہلے

بہرام کو دعائیں دیتی ہے پھر قصہ شروع کرتی ہے اس طرح اس میں سات قصے ہیں۔

ہر گنبد کا رنگ جداگانہ ہے جو شاہزادی جس گنبد میں ہے اوس کا لباس بھی گنبد ہی کے رنگ کا ہے۔ خود بہرام کا لباس بھی گنبد کی رعایت سے ہر شب نئے رنگ کا ہوتا ہے۔

جس روز جس گنبد میں جاتا ہے اوس میں ستارہ کے رنگ کا بھی لحاظ ہے اہل نجوم کے یہاں سبع سیارگان اپنا اپنا رنگ خاص رکھتے ہیں۔ کوئی سیاہ ہے کوئی سرخ۔ کوئی سبز اور ہفتہ کے ہر سات ایام یعنی شنبہ، یکشنبہ وغیرہ اونھیں سیاروں سے اپنا اپنا علاقہ رکھتے ہیں۔ غرض گنبد کے رنگ کی مناسبت کہیں نہیں چھوڑی گئی ہے آخرکار بہرام کا گورخر کے شکار میں ایک کوئیں میں گر کر مرجاتا ہے اور داستان کا خاتمہ ہے۔

مولنا نظامی نے بھی ان سارے واقعات کو بعینہ بیان فرمایا ہے لیکن وہ سات قصے جو شاہزادیوں نے کہے ہیں وہ دونوں کتابوں میں جداجدا ہیں۔

خسرو کے قصص سب اون کی قوت متخیلہ کے نتیجے ہیں۔ قصے فرضی ہیں لیکن اسلوب بیان ایسا ہے جس سے فرضی واقعی معلوم ہوتا ہے برخلاف اسکے مولنا نظامی کے یہاں اسرائیلیات بھی داخل ہیں جن کے ہونے سے نہونا اچھا تھا۔

مولانا نظامی کے یہاں اثنائے قصّے میں نصائح کا سلسلہ بھی آجاتا ہے جس سے کہیں کہیں داستان کا تسلسل جاتا رہتا ہے لیکن خسرو کے یہاں کوئی ایسا مضمون بیچ میں نہیں آتا ہے جس سے تسلسل میں کہیں بھی ربط جاتا رہے

داستان گوئی بجائے خود ایک بڑا فن ہے لیکن ہر عہد میں اس کا خاص طریقہ رہا ہے اوس زمانے میں اکثر قصّے طلسم و جادو و دیگر وہمیات سے کامل ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے میں قصہ و داستان کا جو مذاق ہے اوس کو اب سے چھ سو برس قبل تلاش کرنا فضول ہے یہ تو اپنے اپنے زمانے کا مذاق ہی اوس عہد اور اوس دور ایّام میں قصص جسقدر محال و دور از عقل ہوتے سامع کی دلچسپی اوسی قدر زیادہ ہوتی۔

ہفت پیکر کے قصص اسرائیلیات کے سوا جو ہیں اوس عہد کی قصہ خوانی کے وہ صحیح نمونے ہیں خسرو علیہ الرحمۃ نے ہشت بہشت کے قصص کو دائرہ امکان میں لانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ قصّے ایسے دلچسپ لکھے ہیں اور جزئی سے جزئی باتوں کو بھی اس تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ قصّے جیسے کہ خسرو کے زمانے میں دلچسپ تھے آج بھی اون کی وہی دلچسپی ہے۔

ہشت بہشت کے بعض قصّے مغرب کے داستان نگاروں نے بھی پسند کئے اور اون کا ترجمہ انگریزی میں شائع کیا مثلاً بہشت دوم کا جو قصہ ہے وہ انگریزی فسانوں میں بھی موجود ہے۔ [illegible] سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح

خسرو کی شاعری بلند پایہ رکھتی ہے اوسی طرح داستان نگاری اور اُنکی تکمیل و ترتیب میں بھی اونھیں کمال ہے۔

حمد باری تعالیٰ کی حمد میں شاعر عموماً اسمائے حسنیٰ اور صفات الٰہیہ کی توضیح کیا کرتا ہے۔ اپنی قوت شاعری سے مضمون کو پھیلا کر اور طرح طرح کے نکات بیان کرکے داد سخن دیتا ہے۔ اب خوبی و کمال اس میں یہ ہے کہ حمد کا مضمون صفائی و چستی کے ساتھ اِس طرح بیان کیا جائے کہ قریب الفہم ہو اور سخن گذاری کا پیرایہ موثر ہو۔ ساتھ ہی اس کے کوئی تلمیح یا نکتہ تعدیہ لکھکر اہل علم کے لیے ضیافت کا خوان بچھایا جائے تو نورٌ علیٰ نور۔

قدرت کا بیان

اِس وقت مثنوی مذکور کی حمد میں سے اسی قسم کے چند اشعار لیکر اون کی توضیح کی جاتی ہے خسرو اوس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہر چہ نتواں زباد شاہی کرد کردی و میکنی و خواہی کرد

سطوت و جلالت قوت و طاقت شاہی سب کو معلوم ہے۔ ان چیزوں کا ایک ناقص و ادنیٰ نمونہ جب چند دنوں کے لئے کسی کو سلطان ذیجاہ بناتا ہے تو تنگ ظرفی کے سبب کاسۂ پر غرور میں ایسا سودا سماجاتا ہے کہ دائرہ امکان و حدوث سے قدم باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیگر ابنائے آدم اپنے ضعف و کمزوری سے اوس کے غرور و پندار کو امر واقعی تسلیم کرکے اوس خیال باطل کو اور بھی راسخ

کر دیتے ہیں. تاریخ شاہد ہے اور واقعات اِس وقت تک اوس کی تصدیق کرتے ہیں کہ تھوڑیسی قوت و قدرت جہاں انسان کو عطا ہوئی بس اوس نے خدائی کا دعویٰ کرکے اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلیٰ کا علم بلند کیا۔ رعایا و برایا اپنی بدعقلی وکم فہمی کا ثبوت دیتے ہوے اوس کی خدائی کا اقرار کرنے والے بھی ہوئی ۔

عہد عتیق میں نمرود کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے مناظرہ کرنا اس کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ احیا و اماتت کی حقیقت سے ناآشنا وجاہل اپنے زعم باطل کے بموجب کہہ ہی اوٹھا کہ اَنَا اُحْیِی وَاُمِیتُ حضرت ابراہیم خلیل نے بحث کا پہلو بدلکریوں تقریر فرمائی اِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ یعنی اللہ تعالیٰ سورج کو پورب سے نکالا کرتا ہے تو اوسے پچھم سے نکال۔ اِس کا معارضہ وہ نہ کرسکا اور مبہوت ہوکر رہگیا۔

اگر خسرو اللہ تعالیٰ کے اوصاف بادشاہی کو پورے زور کے ساتھ چند ابیات میں بیان بھی کرتے تو یہ شان ظاہر نہو سکتی تھی۔ اور منکر کو بھی کج بحثی کا موقع رہ سکتا تھا اب اس ایک شعر کی بلاغت قابل ہزار داد ہے۔ کس خوبی سے نمرود کے پورے واقعہ کی تلمیح موجود ہے اور کیسی مسکت دلیل سے مخلوق پرستوں کی لب بندی کی ہے سلطنت کی قوت و قدرت تسلیم کرتے ہوے اوس کی بیمقداری اور ایک محدود دائرہ تک محدود زمانہ کے لئے اوس کا اثر کس طرح ثابت کیا ہے۔ اوس پر ایک چھوٹے سے مصرعہ "کردی و کینی دعواری کرد" سے ازمنۂ ثلثہ کا احاطہ کرکے ازل تا ابد

تک اوس کی قدرت کا اظہار کر دیا جس کا دعویٰ تو کسی سے ہو بھی نہیں سکتا۔

کمال صنعت

حرفِ انگشت چوں زتست بشت کس بحرفِ تو چوں نہد انگشت

وسوسہ شیطانی منکر الٰہ سے صنعت باری میں عیب جوئی کرانا چاہتا ہے۔ خسرو نے ایک ہی دلپذیر شعر میں یہ بتا دیا ہے کہ جن قوا و اعضا سے کہ تم اس بے ادبی کا ارتکاب کیا چاہتے ہو وہ بھی اوسی کی مخلوق ہے۔ اُسی کے حکم نے ایک مدت معینہ تک اون کو تمہارا مطیع بنا رکھا ہے جن انگلیوں سے اپنے زعم باطل میں تم اوس کے عیوب کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہو آخر یہ تمہاری مخلوق و پیدا کردہ تو ہیں نہیں ان میں احساس و حرکت کی قوت تمہاری خلق کردہ تو ہے نہیں پھر ایسا کرنا کیا سخت کفران نعمت نہ ہوگا۔ کمال صنعت الٰہی کے بیان کرنے کا کیسا موثر پیرایہ ہے۔

ایجاد و انعدام

تو نگاری ز خاک صورت پاک تو توانیش باز کردن خاک

صانع کا کمال یہ ہے کہ جس طرح بنانے پر قادر ہو اوسی طرح بگاڑنے پر بھی قدرت رکھتا ہو۔ یوں تو اس عالم کون و فساد میں پہاڑ سورج چاند وغیرہ بہت سی بڑی بڑی چیزیں ہیں جن کے متعلق قدرت کا اظہار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان چیزوں کا نیست کرنا جب ہوگا تب ہوگا۔ یہ چیزیں کن کن عناصر سے مرکب ہو کر رونق

بخش عالم ہوئی ہیں یہ تحقیق جب ہوگی تب ہوگی۔ مگر خاک سے پاکیزہ صورتوں کا پیدا ہونا اور چند روز تک اپنی بہار دکھا کر ایک غیر محسوس طریق پر نیست ہوجانا تو رات دن کا مشاہدہ ہے اور یہ عبرت کے لئے زود اثر ہے باعتبار دور کی چیزوں کے۔ اپنے اور اپنے سے قریب کی چیزوں میں غور وفکر کرنا زیادہ مناسب ہے ؎

احسان مانو حسن خداداد کا بتو　　　پتھر تھے تمکو شیشے سے نازک بنا دیا

وفی انفسکم افلا تبصرون انسان کی پیدایش خاک سے ہے۔ گل بوٹے بھی خاک ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ سے کچھ ہوکر پھر خاک ہوجاتے ہیں۔ قیاس خطابی کا ایک عظیم دفتر صرف ایک شعر میں موجود ہے۔ نبات حیوان انسان ان کی بدایۃ ونہایۃ ان کا عروج ونزول ان کا عود الی المرجع ذرا چشم بصیرت سے اگر مطالعہ کیا جائے اور پھر یہ شعر پڑھا جائے تو شاعر کی قادرالکلامی کا پورا لطف حاصل ہو

ترغیب طاعت اور انعام الٰہی

بندگاں از بندگی شب و روز　　　خواجگی بخش و بندگی آموز

بندگی سے خواجگی کیونکر حاصل ہوسکتی ہے اس کو تو وہی سمجھیگا جس نے عبودیت کا مزہ چکھا ہوگا ؎

خداوندی از تو زما بندگی　　　دو کار ست با فرو فرخندگی

خسرو نے اِس شعر میں بندگی وعبادت کی ترغیب جس دل آویز پیرایہ میں بیان کی ہے اوس کا لطف تو ارباب ذوق سلیم ہی پا سکتے ہیں۔ لیکن الفاظ

جہاں تک مدد کر سکتے ہیں وہ گزارش ہے۔ غور کیجئے وہ کونسا دل ہے جس میں خواجگی وسرداری کی تمنا نہیں۔ انسان تمام عمر جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں وپریشان رہتا ہے وہ یہی خواجگی ہے اور غلط راہ روی کے سبب سے اکثر وبیشتر فرزند آدم صحیح معنوں میں خواجگی پانے سے محروم رہے اور رہتے ہیں پس امیر صاحب کا حمد میں یہ فرمانا کہ یہ بھی تیری شان کریمی کا صدقہ ہے جو بندوں کو بندگی سکھا کر تو خواجگی بخشتا ہے۔ جہاں ایک پاکیزہ الفاظ میں حمد الٰہی وذکر نعمت جلیلہ ہے اوسی کے ضمن میں بندوں کو بندگی کی رغبت اور صحیح راہ خواجگی کی طرف رہبری بھی ہے ؎

خلاص حافظ ازاں زلف تابدار مباد　　　که بستگان کمند تو رستگارانند

نعت | خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں شعراء نے عجیب وغریب لطائف پیدا کئے ہیں۔ آپ کے معجزات آپ کے فضائل وکمالات کا شاعرانہ انداز سے بیان کرنا ہر ایک سخنور کے لئے تاج کرامت رہا ہے۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے اس میں بھی جو جدت پیدا کی ہے وہ تمام متاخرین کے گلدستہ نعت میں گل سرسبد ہے۔ چند اشعار اس کے ملاحظہ ہوں۔

میم کا نکتہ

میم احمد کہ دراحد غرق ست　　　کمر خدمت از پئے فرق ست

احمد اندر احد کمر بندست　　　یعنی ایں بندہ آں خداوندست

احمد یا محمد صلی اللہ وآلہ وسلم کی میم سے شاعروں نے بعد امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے طرح طرح کے نکات پیدا کئے۔ جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

محمد کش قلم چون نامور ساخت　　　زمیمش حلقہ طوق وکمر ساخت

خود امیر صاحب دوسری جگہ ایک اور طرز سے نکتہ سرا ہوئے ہیں ؎

میم احمد را گزیدہ بعد ازاں　　　خاتم مہر نبوت ساختہ

ان سب نکات سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرداری وسروری کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے لیکن یہ نکتہ کہ آپ بندہ ہیں اس کی طرف یہ میم کیونکر اشارہ کرتی ہے اس کو امیر صاحب نے دکھایا ؎

تہی دست سلطان پشمینہ پوش　　　گدائی خرد بادشائی فروش

جس طرح خسرو سے پیشتر کسی شاعر نے میم کے نکتہ کو بیان نہ کیا۔ اسی طرح امیر صاحب سے بعد کے شعرا اس سے بہتر یا اس کے برابر نکتہ پیدا نہ کر سکے۔

انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری

پایۂ قدرش آسمان پیوند　　　سایۂ نورش آفتاب بلند

ایک حدیث شریف میں وارد ہے لم یکن لہ ظل یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ دوسری حدیث حضرت جابر سے یوں منقول ہے یَاجَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ نَبِیِّكَ مِنْ نُوْرِہٖ قَبْلَ کُلِّ الْاَشْیَاءِ یعنی مرتبہ ایجاد میں اولیت نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اور تیسری حدیث اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ

فہری یعنی میں نور الٰہی سے منوّر ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے مستنیر ہے ان حدیثوں کی تلمیح اس شعر میں جس طرح واقع ہوئی ہے وہ امیر صاحب کے صاحب فن ہونے کی دلیل ہے مطلب شعر کا نہایت واضح ہے کہ آفتاب وغیرہ جتنی منور اشیا ہیں سب آپ کی ذات پر انوار سے اکتساب ضیا کرتے ہیں ؎

اوست خور و صبح و ہست آفتاب صبح ز خورشید بود نور یاب

اس بنا بر آفتاب آپ کے نور کا سایہ ٹھیرا۔ تو جب سایہ آفتاب کے نور سے پیدا ہوتا ہے اور آفتاب خود سایہ آپ کے نور کا ہے تو آپ کا سایہ کہاں سے آئے آفتاب بلند میں ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ ہر چیز کا سایہ زمین پر گرتا ہے لیکن آپ کا سایہ اوپر ہے پس اوس کو کوئی زمین پر کیونکر دیکھے۔ اس سے ایک لطیف اشارہ علو مرتبۂ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہے یعنی اگر آپ کا سایہ دیکھنا چاہتے ہو تو نظر کو بلند کرو۔ جب فلک چہارم تک نظر کی رسائی ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھنے میں آئے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ آفتاب باوجود اس کے کہ فلک چہارم پر ہے لیکن اپنی روشنی و گرمی سے عالم سفلی کو فیض پہونچا رہا ہے۔ اسی طرح وہ ذات گرامی باوجود اوس شان و عظمت کے جو خالق نے اوسے عطا فرمائی ہے تمام عالم علوی و سفلی کو جو اوس سے بدرجہا اودن و پست ہیں نعمتوں سے مالا مال فرما رہی ہے۔

ہستی ازوے علم برآوردہ　　　او تفاخر بہ نیستی کردہ

نعت میں اس شعر کا خسرو علیہ الرحمۃ کے قلم سے نکلنا مبدء فیاض کے فیض خاص کا نتیجہ ہے۔ فی الحقیقت کمال بندگی یہی ہے کہ بندہ اپنے کو معبود حقیقی کے مقابل میں نیست سمجھے۔

۶ باوجودت زمن آواز نیاید کہ منم۔ اور کمال عشق بھی یہی ہے کہ عاشق معشوق کے مقابل میں فنا ہوجائے ع زندہ معشوق ست عاشق مردہ۔ پس بفحوائے لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ اگرچہ باعث وجود کل کائنات آپ ہی ٹھیرے لیکن چونکہ آپ کا دنیا میں تشریف لانا رشتۂ عبدیت و معبودیت کو صحیح اور سچے طریقہ سے جوڑنا تھا اور عبدیت اوس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک فنا کی کامرتبہ حاصل نہو۔ ان باتوں کا لحاظ کرتے ہوے، امیر صاحب کا نعت میں یہ فرمانا کہ "او تفاخر بہ نیستی کردہ" کیسا بلیغ و پر معنی مصرعہ ہے۔ صاحب معرفت کے لئے دوسرا نکتہ یہ بھی ہے کہ اعلیٰ مرتبہ اوسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ مرتبہ ادنیٰ فنا ہوجاے۔ مثلاً علقہ یعنی وہ کیڑا جس سے انسان پیدا ہوتا ہے اوس کی اپنی صورت نوعیہ جب فنا ہوئی تو اوس سے ایک اعلیٰ صورت انسانی کا اوسپر فیضان ہوا طفل شیرخوار کا ہر روزہ نمو اسی کا مشعر ہے۔ کہ ادون کے فنا سے اعلیٰ کا حصول ہے

پس درآور کارگہ یعنی عدم　　　تا بہ بینی صنع و صانع را بہم

اس لئے وجہ تفاخر ظاہر۔ لیکن یہ ایک صوفیانہ رمز ہے۔ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے
جسے شیخ نے فنا کے مراتب طے کرا کے نیست و نیستی کی لذت سے آشنا کیا
ہو فقد بروی تشکر۔

منقبت اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین	دوستانِ دگر گزاں جمعند صبح را نور و شام را شمعند صبح کی روشنی آفتاب سے ہے۔ اِس لئے اصحاب رضی اللہ عنہم آفتاب ٹھیرے۔ صبح کے لئے نور اور شام کے لئے شمع

مناسب رعایت ہے اس منقبت میں نکتہ یہ ہے کہ دن کا وقت کاروبار کے لئے
ہے اور رات کا وقت عبادت کے لئے زیادہ مناسب کیونکہ یکسوئی خوب ہوتی
ہے۔ پس امت دن کو کاروبار میں اور رات کو عبادت میں اون سے ہدایت
پاتی ہے۔ دین و دنیا کے لئے اصحاب کا مقتدا ہونا رات دن کی رونق بلکہ اُن
کے بقاے وجود کا سبب اون نفوس قدسیہ کے فیضان کو قرار دینا اصحاب کی
عظمت اور تعلیم محمدی کی جامعیت و اہمیت کو بتاتا ہے۔ صرف ایک شعر میں اصحاب
کرام کی سیر کن منقبت لکھنا امیر صاحب ہی کا کام ہے۔

مدح شیخ طریقت	حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ میں جو حق شناسی و سپاس گذاری کا جوہر ودیعت کیا گیا تھا اوس کی چمک آپ کی

تصانیف میں لعلِ شب چراغ ہے اسی بنا پر آپ کی مثنویوں میں ایک عنوان مستقل
مدح شیخ طریقت کا ہر مثنوی نگار سے زیادہ ہے جس سے مقصود اظہار امتنان

ونشتر ہے۔

پیر کی مدح میں فرطِ محبت دائرہ اعتدال سے اکثر کو باہر کر دیتی ہے. مناقب و مدائح کا مطالعہ کرو تو اکثر ایسا پاؤ گے کہ اگر ممدوح کا نام نہ لیا جاے تو مناقب کبھی تو نعت سے اور کبھی حمد سے ٹکرا جاتے ہیں بادشاہوں کی مدح میں وُسا دار اکین دولت کی شان میں جو قصائد لکھے گئے ہیں اور خاصکر متاخرین کے قصائد) اُن میں اسی ستم نے کلام کو بے جان کر دیا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ میں یہ کمال ہے کہ اون کی طبع سلیم سرمو دائرہ ادب سے تجاوز نہیں کرتی جیساکہ حمد نعت منقبت ہرایک کے لئے الفاظ خاص ہیں اور ہرایک کے مراتب خاص ویسا ہی اس کا نمایاں فرق کلام خسرو کی ممتاز خصوصیت ہے اور یہی بیان کا کمال ہے ورنہ اگر خصوصیت اوٹھا دی جاے تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے. غرض شیخ طریقت کی مدح میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ حفظ مراتب کا بے مثل درس ہے اور کمال ولایت کا اظہار جن اوصاف سے کیا ہے وہ ولی شناسی کا حقیقی وصحیح معیار ۔ تمہید منقبت کو دیکھو کس طرح ادب سے مزین ہے ؎

چوں من از خوانِ نعتِ خواجۂ خویش   نعمتِ تازہ یافتم درپیش

زلہ کردم ازاں رقاقے چند   تاکنم توشۂ ابد پیوند

گندمی بود زلہ آدم را   خوانچہ نیز بود مریم را

زلۂ کز رسول [illegible] بود

کنم اکنوں ازاں نعیم جلال خوانچہ مدح شیخ مالا مال

تمہید میں پاس ادب دیکھ چکے۔ اب بیان مدح میں ایک ولی کی کس کمال پر مدح ہوسکتی ہے اس کو ان مدحیہ اشعار میں دیکھو۔

رہنما کی تعریف اور وصی کی شناخت

غوث عالم نظام ملت و دیں قطب ہفت آسمان و ہفت زمیں

رہبر پیش ہیں محمد نام زدہ پے بر پئے محمد گام

پاک روح الٰہی بدین قوی زندہ دار شریعت نبوی

سبحان اللہ وجزاہ اللہ اپنے قلم میں وہ قوت کہاں سے لاؤں جس سے ان اشعار کی خوبی اس طرح صفحہ قرطاس پر کھنچ جاے کہ محاسن کا ہر خط وخال سامنے آجائے بہر حال دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ کمال رہبری کا کیسا اظہار کرتا ہے ارباب عقل کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ رہبر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ باکمال جسے منزل مقصود کی راہیں معلوم وشواریوں پر اطلاع خطرات و مہالک سے واقفیت اون تدابیر کا عالم جن سے خطرات و موانع کا اثر نہ آنے پاے ایسا رہبر اپنے علم وبصیرت سے رہبری کرتا ہوا خطرات و مہالک سے بچتا ہوا موانع کو ہٹاتا ہوا اپنے پیچھے آنے والوں کو سلامتی کے ساتھ اونکے مقاصد تک پہونچا دیتا ہے۔ جیسا ایک ماہر ناخدا۔ کہ وہ سمندر کی راہوں سے واقف مقام خطر سے آگاہ۔ مہالک سے بچ کر نکل جانے کی اوسے سبیل معلوم۔

دوسرا وہ ناقص رہبر جیسے نہ راہ معلوم نہ خطرات کا علم لیکن ہر طرح کے خطرات پر غالب آنے کی قوت اوسے حاصل۔

تیسرا وہ مدعی باطل کہ نہ راہ کی خبر نہ دشواریوں کا علم نہ اون کے اندفاع کی قدرت نہ مقصد کا تعین۔

ان اقسام ثلٰثہ کو مدنظر رکھتے ہوے اس مصرعہ کو پھر پڑھو۔ ع

رہبر پیش بیں محمد نام

رہبر کی صفت پیش بیں کیسی واقع ہوئی ہے اور منازل سلوک طے کرانے پر اوس کی کیسی قوت کا اظہار ہے اب دوسرا مصرعہ پڑھو جس سے یہ معلوم ہو جاے گا کہ یہ صفت اوس رہبر کو کیونکر حاصل ہوئی۔ اور اوس کی رہبری حتمی منزل رساں کیوں ہے۔ ع

زن پے بر پئے محمد گام

جس کا قدم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہو اوس کی رہبری حتمی منزل رساں کیوں نہو۔

اب تیسرے شعر کو دیکھیے جس حدیث کی تلمیح ہے اوس کے بیان کا کہاں موقع ہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ حقیقی تصوف اور صحیح فقر مغز شریعت سے لذت آشنا ہونا اور سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیکر مجسم بن جانا ہے اُمت کا کمال ہی یہ ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوس کا شعار و دثار

بن جائے۔ جسقدر امت کا اتباع کامل اوسی قدر اوس کی توحید مضبوط مفہوم الوہیت صحیح عرفان کامل۔ حق جل مجدہ کی محبت سچی دو واقعی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

مثنوی نگار کا یہ کمال ہے کہ جس شئے کی تعریف کر رہا ہو اُس کے بیان توصیف کر لئے ایسے الفاظ لائے جو اوس کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں اور یہ اوس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک بیان کرنے والے کا علم خود اوس کے تمام رموز نکات سے آشنا نہو۔

یہ کمال خسرو علیہ الرحمۃ کے بیان میں ہر جگہ نمایاں پاؤ گے جس کی ایک کھلی مثال اشعار مذکورہ ہیں۔

کیمیا سنج کورۂ مقصود | کردہ حل جملہ نقد ہائے وجود
دلش از عشق خون دیدہ پر آب | ایں ست کبریتِ احمر آں سیماب

کمال عشق اور قوت تکمیل

سالک کا سلوک ابتدا میں لازم ہوتا ہے پھر ایک مقام و وقت ایسا آتا ہے جہاں پہونچکر وہ اپنے منازل عروج بھی طے کرتا رہتا ہے اور دوسروں کی بھی دستگیری و رہبری کرتا ہے یعنی اپنی ذات سے کامل اور دوسروں کے لئے مکمل۔ جیسا کہ علوم متداولہ پڑھنے والے ابتدا میں پڑھنا شروع کرتے ہیں اور پھر ایک خاص استعداد علمیہ جسے فراغ تحصیل سے تعبیر کیا جاتا ہے جب اُنھیں

حاصل ہو جاتی ہے تو اپنی تحصیل و ترقی کے ساتھ دوسروں کے جہل ہٹانے اور اُنپر نقش علم جمانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

ان اشعار میں شیخ کے وجود کو کامل و مکمل جن بلیغ استعاروں میں کہا ہے اوس پر غور کرو تو لذت عشق مزہ دے جاے گی۔ کورہ مقصود کا کیمیا سچ کہنا کیسا نادر نکتہ ہے۔ کیمیاگر کیا کرتا ہے مس یعنی تانبا لیتا ہے اوس کو صاف کرتا اور گلاتا ہے جب اوس کے کثیف و ردی اجزا گل کر خاکستر ہو جاتے ہیں اور قابلیت طلا کی طرف مستحل ہونے کی پیدا ہو جاتی ہے تو اُس وقت اجزاے کیمیاوی ڈال کر کندن بنا دیتا ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ اپنے پیر دستگیر شیخ طریقت (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کے کامل و مکمل ہونے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ مقاصد میں جو اغراض فاسدہ و ہواے نفسانیہ کی آمیزش ہو گئی ہے جس سے حقیقی مقصد نہاں ہو گیا ہے اور جس تک پہونچنا اصل کمال ہے یہ مجسمۂ کمال و تکمیل پہلے اوسے غل و غش سے پاک کرتا ہے یہاں تک کہ مقصد حقیقی کی دلکش تصویر متعین و مشہود ہو جاتی ہے۔ اب کہ اوس میں قابلیت پیدا ہو جاتی ہے تو اجزاے کیمیاوی کبریت احمر اور سیماب جو اوس کے پاس ہیں اون کا ایک ذرہ اوس میں ڈالکر خالص طلا بنا دیتا ہے۔

اِس کیمیا سنجی کے لئے جسے اجزاے کیمیاوی قرار دیا ہے اوس کی خوبی ایک

اہل دل ہی سمجھ سکتا ہے کبریت احمر یعنی گوگرد سرخ طلا کے لئے اکسیر ہے اسی طرح عشق حقیقی عاشق کی روحی ترقیات کے لئے اکسیر ہے علاوہ اس کے عشق کی آگ مشہور ہے خود گوگرد بھی آتش انگیز چیز ہے پس جو دل کہ عشق کے باعث خون ہوگیا ہو اوس کی تشبیہ بعلت صوری و معنوی کبریت احمر کے ساتھ نہایت نادر تشبیہ ہے۔ دوسری تشبیہ اس شعر میں اشک کی سیماب سے ہے اشک کو قرار نہیں ہوتا رو کو تو رک نہیں سکتا ع

ابھی روکا تھا ان اشکوں کو پھر باہر نکل آئے

سیماب کی بے قراری ضرب المثل ہے نیز کشتۂ سیماب اکسیر ہے عشق کی رعایت سے اوس کے سب لوازم جمع ہو گئے کیمیا گری کا بھی نسخہ ہاتھ آگیا عشق الٰہی سے دلکو سوختہ کرو کیمیا کا یہ بے خطا نسخہ ہے ؎

سیماب کشتہ ہوئے تو مس کو طلا کرے دل جس کا کشتہ ہو وہ خدا جانے کیا کرے

برادران طریقت کی مدح

داں مردانِ رہروانِ یقیں ہر یکے والئ ولایتِ دیں

ہمہ شیطاں کش و فرشتہ خدم در رہش بر ہوا نہادہ قدم

زندہ دارِ شب از دمِ تسبیح غلغل افگندہ در روانِ مسیح

ہر سواز شینِ شرع ساختہ تاج دلِ شاں عرش و سجدہ شاں معراج

ان اشعار میں اپنے برادران طریقت کی خسرو علیہ الرحمۃ نے مدح فرمائی ہے جو بالواسطہ

شیخ کی ہی مدح ہے۔ مرید کا کمال شیخ کے اثر فیض کا نتیجہ ہے پھر جس کمال کا اظہار ہے وہ وہی عبودیت شریعت کی پابندی، راتوں کی بیداری سجدہ میں نیازمندی وخاکساری۔ آخر شعر میں ان دو حدیثوں کی تلمیح ہے قلب المومن عرش اللہ اور الصلوٰۃ معراج المومنین۔

شیخ کی مدح ختم ہوئی خاتمہ پر جس تذلل و عجز کا اظہار مخلصانہ دعا میں فرمایا ہے وہ خاکساری و شکستگی، باہمی مودت و اتحاد قلبی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

دعا اور باہمی اتحاد

ملکِ وحدت بنامِ ایشان ست　　بندہ خسرو غلامِ ایشان ست

نامِ من زاں ستودہ کیشان باد　　حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

نصیحت بسلطان علاء الدین خلجی

شعرا نے اپنے بادشاہ وقت کو نصیحت کی ہے خسرو نے بھی نصیحت کی ہے لیکن علاوہ اور نصیحتوں کے امیر خسرو نے بادشاہ وقت کو خود اس کے نفس سے ڈرایا ہے اور یہ ایک عجیب جامع و نادر نصیحت ہے شعرا عموماً بادشاہوں کو دشمنوں کے غلبہ سے مظلوموں کی آہ سے پرہیزگاروں کی بددعا سے غرور و تکبر کے نتائج بد اور از قبیل اور باتوں سے ڈراتے ہیں۔ شاہان سلف کے حالات سے عبرت گیری کی نصیحت کرتے ہیں لیکن یہ نصیحت کہ محافظ و پاسبان تو روپے کے بندے ہیں تم ہوشیاری کو اپنا پاسبان بناؤ اور آپ اپنے محافظ رہو کہ یہی بہترین حفاظت ہے۔ تمہاری

غفلت سے بڑھ کر کوئی تمہارا دشمن نہیں۔ اس کو وضاحت کے ساتھ خسرو نے بیان کیا ہے۔ امیر خسرو نے دیکھا کہ عیش و تنعم میں پڑ کر جو غفلت پیدا ہوتی ہے یہی بدترین دشمن زوال سلطنت کا اصل باعث ہے۔ بادشاہ اگر غافل نہ ہو تو پھر نہ مظلوموں کی آہ ہے نہ ابرار کی بددعا۔ اِس لئے بادشاہ کو اس اہم نکتہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں ؎

ور چہ کس نیست دشمنِ تنِ تو	غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو
ور چہ صد پاسباں بود ز پس	پاسِ تو بہ ز تو ندارد کس
بر چنیں پایہ کاستواریِ تست	پاسبانِ تو ہوشیاریِ تست
پاسبانیکہ بہر مزد بود	پاسبان نے کہ سیم دزد بود

بادشاہ میں اگر دو صفتیں ہوں تو قیام سلطنت کے لئے کافی ہیں یعنی عدل اور شجاعت۔ عدل کو تو جیسا چاہئے اوروں نے بھی بیان کیا ہے لیکن بزدلی کے نتیجہ کو دکھا کر شجاعت کی ترغیب امیر خسرو جس خوش اسلوبی سے دیتے ہیں ملاحظہ ہو ؎

چوں درآئی بصفِ تیغ زناں	از تزلزل کشیدہ دار عناں
لشکرے کز عدو فرار کند	چوں بسلطاں رسد قرار کند
لیکن ار شہ نعوذ باللہ تافت	کے فراہم شود صفے کہ شگافت
شاہ کوہے بود بسنگِ وقار	جنبشِ تو قیامت آرد بار

آخر شعر میں اس نکتہ کو بھی ملاحظہ کیجئے کہ بادشاہ جب کوہ ہے اور میدان جنگ سے اوس کا بھاگنا قیامت تو قیامت کے روز جو کوہ کا حال ہوگا وہ معلوم ہے۔ جو نصیحتیں کہ خسرو نے علاءالدین کو کی ہیں اور جس بے جگری سے کی ہیں وہ خسرو کی حقانیت کا عجیب نمونہ ہیں علاءالدین خلجی کا عہد تاریخ میں پڑھو تو تمہیں معلوم ہو کہ کس جبروت کی یہ سلطنت کرتا تھا۔ یہ خسرو ہی کا کام ہے جنہوں نے ہر مثنوی میں نصیحت کی ہے اور اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ علاءالدین کی بدمستی کا ایک نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مغلوں کی شکست اور ظفر خاں کی موت علاءالدین کے لئے بہت ہی ازدیاد مسرت کا باعث ہوئی۔ مزید برآں مہمات ملکی تو برتو بادشاہ کے حسب مراد ہونے لگیں جس سے علاءالدین آپے میں نہ رہا دیکھتا تھا کہ اقبال بڑھ بڑھ کر اوس کے قدم لے رہا ہے ہر طرف سے فتح نامے آرہے ہیں ہر سال دو تین بیٹے مشکوے علی میں پیدا ہوتے ہیں سارے مصالح ملکی دل کے حسب خواہش سرانجام پارہے ہیں خزانے ہیں کہ پے درپے پہونچ رہے ہیں روزانہ جواہر و مروارید طبلوں میں بھرے جارہے ہیں فیل خانوں میں ہاتھی کھڑے جھوم رہے ہیں ستر ہزار گھوڑے شہر کی پایے گاہ میں بندھے ہنہنا رہے ہیں ایک چھوڑ دو دو تین تین اقلیمیں زیر قدم ہیں۔

بادشاہ اس جاہ و حشم کو دیکھ دیکھ مست ہو رہا تھا۔ دور دور کی سوجھنے لگی تھی۔

اور نئی نئی تمنائیں بےچین کرنے لگی تھیں۔ ایسے ایسے سودے پکانے لگا جو کبھی
کسی سلطان کے دماغ میں ہرگز نہ سمائے تھے۔ نہایت مستی و بےخبری و نہایت
رعونت و غفلت اور کثرت جہل و بلادت سے دست و پا گم کرکے ناممکنات و محالات
میں اندیشہ کرنے لگا ؎

دیکھنا کثرت بلانوشی　　کاسۂ آسماں ہے جام مرا

بے علم تو تھا ہی نہ لکھنا جانے نہ پڑھنا۔ مزاج کا بھی بدخو۔ طبیعت کا بھی سخت
دل کا بھی قسی جوں جوں دنیا زیادہ ملتی جاتی تھی اور مقصد برآتے تھے وہ اور
بھی بےخبر اور مدہوش ہوتا جاتا تھا خدا اور رسول سب کو بھول بیٹھا ؎

بامِ فلک پہ آدم خاکی کو لے اُڑا　　آیا کبھی جو ران تلے بادپائے عیش

اپنی مجلسوں میں بار بار کہنے لگا کہ مجھے دو مہمیں پیش آئی ہیں اون کی اودھیڑبُن
میں لگا ہوا ہوں اوّل یہ کہ خداوند تعالیٰ نے جس طور سے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ
والتسلیم کو چار یار دیئے تھے کہ اون کی قوت و شوکت سے وہ دین و شریعت جاری
ہوئی جس سے آپ کا نام نامی قیامت تک باقی رہے گا۔ اور آپ کے بعد جو
شخص اپنے کو مسلمان کہتا اور سمجھتا ہے وہ اپنے کو آپ کی اُمّت و ملّت میں تصوّر
کرتا ہے اوسی طور سے اللہ تعالیٰ نے مجھکو بھی چار یار دیئے ہیں ایک الغ خاں
دوسرا ظفر خاں، تیسرا نصرت خاں، چوتھا الپ خاں۔ ان کو میری دولت سے
بادشاہوں جیسی قوت و شوکت میسر ہوئی ہے اور یہ ایسے ہیں کہ اگر میں چاہوں

ان چاروں کی قوت سے ایک دوسرا دین و مذہب جاری کرسکتا ہوں اور میری اور میرے یاروں کی تلوار کے زور سے خلق وہ راہِ روش جس کو میں جاری کروں اختیار کرسکتی ہے۔ اور اس دین و مذہب میرے اور میرے یاروں کے نام جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے یاروں کے نام قیامت تک رہینگے رہ سکتے ہیں۔ پھر کیوں نہیں میں بھی ایک دین و مذہب نیا قایم کروں۔ غرض قیامت تک اپنا نام باقی رکھنے کے لیے اسی طرح کے خیالات کفریہ اسکے دماغ میں چکر لگاتے اور حضار مجلس سے پوچھا کرتا کہ کس طرح سے ایسی بات کروں جس سے میرا نام قیامت تک رہ جائے اور جس چیز کو میں جاری کرجاؤں میرے بعد بھی خلق اس پر عمل کرے دوسری مہم اس کی یہ تھی کہ سکندر وار جہانگیری کروں اور ربع مسکوں کو اپنے تصرف میں لے آؤں ؎

وہ بات کر جو کبھی آسماں سے ہو نہ سکے ستم کیا تو بڑا تو نے افتخار کیا

دوسری مہم کا دیباچہ تو شروع بھی کردیا تھا اپنے کو خطبہ و سکہ میں سکندر ثانی لکھوانے لگا تھا ؎

بخت پر نخوت نہ کر اس کا نہیں کچھ اعتبار چار دن مہمان ہے دو روز ہے مہمان چاندنی

اب ناظرین خود بھی غور کرلیں کہ ایسے بادشاہ کو دینداری، بیکس نوازی، ضعفا پروری، عدل گستری کی نصیحت کرنی خدا کا خوف دلانا، قیامت کی بازپرس کی طرف متوجہ کرنا کیا آسان ہے؟ اور طرفہ یہ کہ اسی بادشاہ کی سرکار میں جب کہ بحیثیت ملازم ہوں لیکن بادشاہوں کو نصیحت کرنی جس قدر خطرناک ہے وہ ظاہر ہے۔ ایاز قدر خود بشناس۔ اس لیے آخر میں فرماتے ہیں ؎

من کیم کت زنم زپند نفس دولت و بخت پند گوے تو بس

هست بیدار گردنِ بیدار ۔۔۔ ہمچو باراں برشے دریا بار
نشر دچرب گردنِ بادام ۔۔۔ نہ حلاوت بشیرہ دادن ام
لیکن آرد بحضرتِ شاہی ۔۔۔ ہر کسے قدرِ خود ہوا خواہی
گر پذیری فراجت احسان ست ۔۔۔ در گزاری خود ازو آسان ست

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آپ کو نصیحت کرنی حکمت بہ لقمان آموختن ہے۔ لیکن خیر خواہی سلطنت کی راہ سے میں نے اپنی عقل کے مطابق تحفۂ ناچیز پیش کیا ہے۔ آپ کریم ہیں قبول فرمائیں نصیحت کے وقت مخاطب کے اوصاف کا بھی اعتراف کرنا اور یہ کہنا کہ آپ خود عاقل و فرزانہ ہیں۔ ہماری نصیحت کی ضرورت نہیں۔ میں تو ایک محقر تحفہ پیش کرتا ہوں یہ آپ کا کرم ہی کرم ہے کہ اسے شرف قبول بخشیں۔ دلدہی اور قبول نصیحت کے لیے اس سے زیادہ موثر پیرایہ نہیں ہو سکتا۔ قطع نظر اس سلاست و بلاغت اور حق گوئی کے جو ان اشعار میں ہے رموز سلطنت و فراجدانی سلاطین میں امیر صاحب کا کیسا کمال ثابت ہوتا ہے یہ نصایح صاف بتا رہے ہیں کہ امیر صاحب کی مصاحبت سے سلاطین کو وہی فیض پہنچتا تھا جو سکندر کو ارسطو جیسے وزیر سے حاصل تھا۔ خوش نصیب تھے وہ سلاطین جن کے دربار کی رونق ایسے امیر سے تھی۔

نصیحت بدختر نیک اختر

شعرائے سلف کی تصنیف صرف شاعری کا آب و رنگ نہیں ہے۔ بلکہ گوناگوں افادات کا ایک خزانہ ہے جسے بحور و قوافی سے مخفی کر دیا گیا ہے تاکہ اہل اسے ہٹا کر اگلوں کی کمائی سے مالا مال ہوں اور نا اہل کا ہاتھ اس کے پانے سے محروم رہ جائے انہیں مقاصد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے کلمات جو عموماً سامع کو خوشگوار نہ گزرتے ان کے لیے ان پاک نفسوں نے ایک باب نصیحتِ فرزند کا قائم کیا۔

خسرو کی جدت، ایک دلچسپ بحث

باپ اپنے بیٹے کو سب کچھ کہہ سکتا ہے اور ہر لب و لہجہ میں کہہ سکتا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کی جدت طبع یہاں بھی اپنا جوہر دکھاتی ہے یعنی بجائے اس کے کہ نصیحت کا مخاطب ولادِ ذکور کو قرار دیتے اس کتاب میں آپ نے دختر نیک اختر کو مخاطب فرما کر کچھ نصیحتیں کی ہیں جس سے بہت بڑا سبق تعلیم و تربیت کا طبقہ اناث کے لیئے حاصل ہوتا ہے اور ایک شریف بہو بیٹی کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کون سے ہنر و سلیقہ کے زیور ایسے ہیں جو فی الحقیقت شریف عورت کو مزین کر دیتے ہیں اس طرح یہ صنف نازک بھی خزانہ خسروی کے عطیات سے محروم نہ رہی۔

نصیحت سے پہلے ایک عجیب دلکش مباحثہ ہے جس کا ممنون طبقۂ اناث ہمیشہ رہیگا یعنی اس امر پر کہ لڑکی بھی فرزند ہے اور شفقتِ پدری کی اسی قدر یہ بھی مستحق ہے جسقدر کہ فرزند نرینہ دلائل قایم کیئے ہیں اور پھر جس شاعرانہ قوت سے یہ ثابت کیا ہے کہ نعماے الٰہیہ میں سے ایک بہت بڑی نعمت لڑکی کا وجود ہے وہ آپ کے قیاس شعری کی قوت اور قوت محاکات کا زبردست ثبوت ہے۔

محاسن بیان میں صنعتِ لفنات جس طرح کہ متکلم کے کمال کا ثبوت ہے اسی طرح شاعر کی نظموں میں اس نوعیت کے صنایع حسنِ نظم کو اور چار چاند لگانے والے ہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ اس صنعت کا نمونہ جس زور بیان اور حسن اسلوب سے اس جگہ پیش فرماتے ہیں وہ دلکش اور سراپا اثر ہونے میں اپنی نظیر آپ ہے۔

عام طبیعتیں ولادتِ دختر سے نفور رہتی ہیں اور لڑکوں کی ولادت کی متمنی و آرزومند۔ اسی کراہت کا نتیجہ ہے کہ بہت سے ملکوں میں لڑکیوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا اور میراث پدری سے بالکل بےنصیب کر دی جاتی ہیں۔

بدقسمتی سے بہت سی آبادیاں ایسی آج بھی موجود ہیں جن میں خود مسلمان اسی مہلک مرض میں

مبتلا ہیں ہادیِ مطلق اُنھیں ایمان کامل عطا فرمائے تاکہ وہ اپنی میراث کتاب اللہ کے موافق تقسیم کریں۔ خیر یہ تو ایک جداگانہ بحث ہی جس کا یہ موقع نہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہی کہ لڑکی جہاں پیدا ہوئی بس والدین پر خجالت و تاسف کا ایسا ہجوم ہوتا ہی کہ چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اولاد ہونے کی مسرت کا فور کثیر دلوں کا ملال بانوں تک آجاتا ہی کہ لڑکی پیدا ہوئی گھر خالی ہوا۔

خسرو علیہ الرحمۃ اس خیال باطل کا اس انداز خاص سے رد فرماتے ہیں کہ سطحی نظر رکھنے والوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ حضرت امیر بھی اونھیں میں سے ہیں لیکن نظم کے صنائع و بدائع سے جو واقف ہے وہ بیان کی خوبی دیکھتا ہے اور لطف سخن سے سر دھنتا ہے۔ داد دیتا ہے لیکن اُس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ دیکھو۔ قبل اس کے کہ اصلاح کی باتیں شروع کریں اپنے کلام کو زیادہ موثر کرنے کے لئے پہلے اپنے آپ کو عوام الناس کی سلک میں منسلک کرتے ہیں اور ٹھیک اوسی طرح جیسا کہ ایک عامی ولادت دختر سے دل تنگ ہو جاتا ہے خسرو علیہ الرحمۃ بھی کراہت کا اظہار کرتے ہیں اور اس مبالغے سے اس داستانِ الم کا نقشہ ایک شعر میں کھینچتے ہیں کہ جس سے زیادہ متصور ہو نہیں سکتا۔

فلسفہ جذبات اور شکسپیر کے ڈرامے سے مثال

اس مقام و کلام کا لطف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے فلسفہ جذبات کا محققانہ مطالعہ کیا ہوگا۔ ایسی حالت میں جبکہ ایک مجمع مخالف کے سامنے اون کے خیال باطل کا رد مقصود ہو تو اونھیں راہ صواب پر لانے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ اون کے

جذبہ فاسدسے فساد کا اندفاع اور اونھیں امرحق کی طرف متوجہ کرنے کا زیادہ موثر پیرایہ کون سا ہے؟ اپنے کو پہلے اون کا ہمدرد ثابت کرنا یا اختلاف کا ابتدا ہی سے اظہار؟

انگریزی خواں اصحاب جنھوں نے شکسپیر کے ڈرامے عموماً اور جولیس سیزر کا خصوصاً مطالعہ کیا ہوگا، اونھیں یہ نکتہ یاد ہوگا کہ سیزر کے قتل کے بعد اوس کا دوست انٹنی جب بلوائیوں کے سامنے پہونچتا ہے توکس انداز سے تقریر کا افتتاح کرتا ہے۔ بروٹس کے افعال کا کس طرح ذکر کرتا ہے۔ تھوڑی تقریر کے بعد یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ بروٹس ایک شریف آدمی ہے۔ حاضرین آہستہ آہستہ اپنی غلطی اور بروٹس کی شرارت کا احساس کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جوش سے مجمع لبریز ہوجاتا ہے اور انٹنی کا مدعا انھیں بلوائیوں کے ہاتھوں سے پورا ہوتا ہے۔ شاعر کی اسی صنعت و کمال کو اشعار ذیل میں دیکھو۔

خسرو اور زبان عوام کی ترجمانی

اے زعفت فگندہ برقعِ نور ہم عفیفہ بنام ہم مستور

ماہت از ہفت بر نرفتہ ہنوز روشنی چوں مہ چہاردہ روز

کاش ماہِ تو ہم بچہ بودی دررحم طفل ہشت مہ بودی

فی الحقیقت کمال شاعری یہ ہے کہ فطرت انسانی پر فلسفیانہ نظر ڈال کر جذبات انسانی کا ایسا نقشہ کھینچا جائے جیسے لوگ حیرت زدہ ہوکر نقوش و خطوط کے

فوٹو میں ہو بہو دیکھیں۔ پہلا اور دوسرا شعر فطری جذباتِ پدری کا نقشہ پیش کرتا ہے اور تیسرا شعر اوس جذبے کا پتہ دیتا ہے جو دوں ہمتی و خیال فاسد نے پیدا کر دیا ہے۔ اس لطف کو دیکھو۔

بیٹی کا وجود اگرچہ جاہلانہ و پست خیالات سے مکروہ و قابل نفرت معلوم ہوتا ہے لیکن جوشش خون و علاقہ جزئیت کچھ دلی میلان کا بھی سراغ دیتا ہے۔ اوّل و دوم اشعار میں اوسی شفقت پدری کا اظہار فرماتے ہیں اوس کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہیں اپنی اولاد ہے اس سے اوس کی صورت ایسی پیاری اور حسین معلوم ہوتی ہے کہ چودھویں رات کا چاند اوس کے مقابل میں ماند ہے یہ سب کچھ ہے لیکن بیٹی ہے جب یہ خیال آتا ہے تو باپ کہتا ہے کہ کاش تو پیدا نہ ہوتی۔ داغ لاولدی اس داغ سے بہتر تھا۔ اور اگر تیرا استقرار حمل میں ہو گیا تھا تو اٹھوانسی ہوتی یعنی آٹھ مہینے بعد پیدا ہوتی تاکہ جلد مر جاتی یہ ایک مشہور تجربہ ہے کہ آٹھ مہینے کا بچہ بچا نہیں کرتا اسی لئے ہندوستان کی عورتیں آٹھواں مہینہ زبان پر لانا بھی پسند نہیں کرتی ہیں اور اسے منحوس و شگون بد سمجھتی ہیں اِس کا اظہار ان گنا کہہ کر کیا جاتا ہے۔ دیکھو ایک طرف تو اون جذبات کا اظہار ہے جو باپ میں بحیثیت باپ ہونے کے پایا جاتا ہے دوسری طرف اوس کراہت و نفرت کا نقشہ ہے جو جہالت و تاریکی دماغ کا نتیجہ ہے۔

یہاں تک شاعر نے عوام کی زبان میں کہ اون کے دونوں جذبات کی تصویر کشی

کی۔ اب اوس کی التفات کروٹ لیتی ہے اور ایسی تدریجی حرکت کرتی ہے کہ
اوس کی ہر جنبش میں سابق سے زیادہ قوت کا اظہار نمایاں ہوتا ہے۔

اصلاح عوام اور صنعت التفات

لیک چوں دادۂ خدا ے رواست — با خداداد گان ستیزہ خطا است
من پذیرفتم آنچہ یزداں داد — کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم بہر چہ از در اوست — کان دہد بندہ را کہ در خور اوست
ہر چہ او داد بس پسندیدہ است — ہم در اول صلاح او دیدہ است

اشعار مذکورہ بالا میں اصلاح عوام میں ترقی جس آہستگی سے کی گئی ہے اور اوس
کراہت کا جس طرح آہستہ آہستہ اندفاع کیا گیا ہے وہ کس قدر دلپذیر و پرتاثیر ہے۔
شاعر پہلے شعر میں یہ کہتا ہے کہ بیٹی کی ولادت ناگوار و مکروہ سہی لیکن کیا
کیا جاے خدا کی دی ہوئی چیز میں بندہ ستیزہ کرے یہ تو بڑی غلطی ہے پھر دوسرے
شعر میں یہ کہتا ہے عطاے الٰہی رد نہیں کی جا سکتی بلکہ قبول کی جاتی ہے پس میں نے
بھی قبول کیا۔ تیسرے شعر میں اسے نعمت سمجھتے ہوے اظہار تشکر و امتنان ہے
چوتھے میں انتہاے پسندیدگی کی صدا ہے۔ سلسلۂ کلام پر غور کرو۔
پہلے ستیزہ پر تعجب پھر اوس کی قبولیت اس کے بعد شکریہ آخر میں
انتہاے پسندیدگی۔ اس قدر کہہ لینے کے بعد شاعر کا بیان ایک اور
پہلو بدلتا ہے۔

گراں بہا دلائل سے صنفِ نازک کی اہمیت

پدرم ہم ز مادر ست آخر | مادرم نیز دختر ست آخر
گر نہ بر در صدف نقاب شدے | قطرۂ آب باز آب شدے
دانہ بے کشت کے بہ بار آید | آسماں بے زمیں چہ کار آید
بے پدر ممکن ست شد معلوم | ق چوں مسیحا ز مریم معصوم
لیک بے مادر خجستہ وجود | ولدے را نگفتہ کس مولود

عورتوں کے وجود کی اہمیت اور صنف نازک کا بقائے بنی آدم میں عنصر قوی و غالب ہونا جس طرح کہ ان اشعار میں ثابت کیا گیا ہے فقیر کی نظر سے کوئی نظم یا نثر اس زور و قوت کے ساتھ دیکھنے میں نہیں آئی۔ بالخصوص آخری شعر جسمیں قیاس تمثیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور مولود کہے گئے لیکن آج تک بغیر ماں کے کسی کو مولود نہیں کہا جا سکا۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ بغیر ماں کے مولود کا پایا جانا غیر ممکن اور بغیر باپ کے ممکن تو ماں یعنی عورت کا وجود افزایش بنی آدم میں باپ یعنی مرد سے زیادہ اہم و ضروری۔ اگر مردوں کا وجود تمھیں عزیز ہے تو ان کی افزایش بغیر افزایش اناث ناممکن ہے دوسرے شعر میں یہ کہتے ہیں کہ اگر پانی کو سیپ نہ ملے تو پانی پانی ہے لیکن سیپ جو بمنزلہ ماں کے ہے وہ چند دنوں میں اوس کی حقیقت بدل کر اوس مرتبۂ کمال پر پہونچاتی ہے جہاں ہو نکر تاج شاہانہ کی زینت اوس سے کی جاتی ہے۔ اسی

طرح ایک کیڑا بصورت علقہ یعنی جونک مادۂ منویہ کے ساتھ باپ کی صلب سے جدا ہوتا ہے اور رحم مادر کی بدولت اشرف المخلوقات اور تمام کائنات پر تصرف کرنے والا اون سے خدمت لینے والا ہو جاتا ہے پس انسان کو کرامت انسانی جس کی بدولت نصیب ہوتی ہے کیا اوس کا وجود قابل نفرت و کراہت ہے؟ کیا یہ ناسپاسی منعم و مربی کے حق میں جائز ہو سکتی ہے۔ نہیں کبھی نہیں ہرگز نہیں

نصیحت کا شفقت آمیز حصّہ

ان دلائل کے بعد خسرو علیہ الرحمۃ بیٹی کو ایسے شفقت بھرے الفاظ سے خطاب کرتے ہیں جس کا ایک ایک لفظ محبت والفت پدری میں ڈوبا ہوا ہے۔ جس طرح ایک وہ باپ خطاب کرتا ہو جس کے ہر رگ وپے میں اسلامی تعلیم سرایت کر گئی ہو اور اپنے پیغمبر کا اسوۂ حسنہ اوس کے دل پر نقش نگیں بن گیا ہو حقوق اولاد سے واقف ہو اور شفقت پدرانہ اپنے اوپر فرحت بخش و روح افزا فرض جانتا ہو۔

اے تنت راحتِ جانِ من پیوند   کہ ہم مادری و ہم فرزند
تو بدیں مایہ کز صفا داری   گر نہی پا بدیدہ جا داری
سر برآراز مبارک اختر خویش   کہ مبارک تری ز جوہر خویش
آنچہ نقش تو با صلاح من ست   چوں تو خون منی صلاح من ست

یہاں پہونچکر یہ بیش بہا مضمون ختم ہوتا ہے لیکن اس تائید میں کہ خسرو علیہ الرحمۃ

لڑکی کے وجود سے اندوہگین نہ تھے اور ان باتوں سے اپنے دل کی تسلی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اصلاح عوام مقصود ہے۔ اگر اس موقع پر وہ اشعار جو خمسہ کی اوّل مثنوی مطلع الانوار میں موجود ہیں نقل کر دیے جائیں تو ناموزوں نہ ہوگا۔

مطلع الانوار سے تائید مزید

اے رُخِ تو چشم و چراغ دلم	خوب تریں میوہ ز باغ دلم
گرچہ کہ اخواں چو تو نیک اخترند	نے ز تو در دیدۂ من بہترند
گاہِ تماشا بدلِ باغباں	سرو ہماں باشد و سوسن ہماں
دختر اگر نیست پسر کے شود	بے صدفِ تازہ گہر کے شود
بخت کہ فالِ تو ہمایوں نہاد	نام تو مستورۂ میموں نہاد

دیکھو اشعار مطلع الانوار میں کہیں نام و نشان بھی اوس نفرت کا نہیں ہے اسلئے کہ وہاں محض اپنی لڑکی کو نصیحت مقصود ہے۔ ابتدا ہی اس شفقت سے فرماتے ہیں کہ تو میرے آنکھوں کی نور دل کا سرور باغ دل کا اچھے سے اچھا میوہ ہے تیرے بھائی بھی گو نیک اختر اور میرے جگر کے پیوند ہیں لیکن میری نگاہ میں تجھ سے بہتر نہیں ہیں۔ اور ایسا کیوں نہو۔ باغبان جب اپنے ہرے بھرے لہلہاتی باغ کو دیکھتا ہے تو سرو و سوسن دونوں کی تازگی اوس کے لئے یکساں نظرا فروز و تفریح بخش ہوتی ہے۔

اب اگر اتنی تفصیل کے بعد بھی کوئی یہ کہے کہ نہیں خسرو علیہ الرحمۃ بھی مثل عوام

تنگ حوصلۂ تیرہ خیال اشخاص کے ولادت دختر سے دل تنگ ہوتے اور ناقد
کی تقریر شاعر کے شعر کی تاویل ہے تو اس سخن فہمی کا کیا جواب ۔
اِس شاندار و مرصع تمہید کے ختم ہونے پر نصائح کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جسمیں
کمال نکتہ سنجی سے ایسی سودمند نصیحتیں کی ہیں کہ ہر نصیحت بجائے خود ایک زریں
ارباب دانش سے یہ مراد پوشیدہ نہیں کہ نصیحت کرنے کے لئے تو ہر شخص
آمادہ ہو جاتا ہے لیکن جو نصیحت کا حق ہے وہ ہر ایک سے ادا نہیں ہوتا۔ اس
میں چند نکات بمنزلہ اصول ہیں جنھیں معمولی نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ مثلاً

خسرو اور نکات نصیحت

مخاطب کی ضروریات کا اوس کی شان و حیثیت کے موافق لحاظ رکھنا، افراط
و تفریط سے نصیحت کا بری رہنا، وہ نصائح ایسے اصول پر مبنی نہوں جو ناصح کے
خود تراشیدہ ہوں بلکہ اون کی بنیاد ایسے اصول پر ہو جو محقق و مسلم ہو چکے
ہوں خطاب کے وقت اگرچہ ایک ہی فرد واحد مخاطب ہو لیکن نصیحت میں ایسی
جامعیت ہو جو کل اجناس کے لئے یکساں مفید ہو۔

خسرو علیہ الرحمۃ کو جہاں دیوان فطرت سے بہت سی نعمتیں عطا ہوئی تھیں وہاں
نصیحت گری کا سلیقہ بھی بہ تمام و کمال عطا ہوا تھا۔ یہاں چونکہ نصیحت کی مخاطب
بیٹی ہے اِسلئے جو نصیحتیں کی ہیں اون میں طبقۂ اناث کی بہبود و صلاح کا کامل
لحاظ کرلیا ہے۔ ایک شریف بہو بیٹی کے مخصوص فرائض کیا ہیں۔ وہ کون سی صفات

ہیں کہ اگر کسی عورت میں نہ پائی جائیں تو وہ اپنی صفات سے خالی و عاری سمجھی جائے گی اس کو وضح طور پر دکھایا ہے۔

عصمت و عفت کی تاکید

ان نصائح کی بنیاد ایسی مضبوط چٹانوں پر ہے جنہیں فرضی و ملمع تہذیب کے طوفان جنبش نہیں دے سکتے۔ خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

گرچہ خردی کنوں و بے تمیز | روزے آخر بزرگ گردی نیز
تا بود در بزرگیت دستور | خردہ چند گومیت مستور
از عروسی شوی چو بر سر تخت | عصمتت خواہم اول آنگہ بخت

خلاصہ یہ کہ اے بیٹی اگر چہ اس وقت تو کم عمر اور چھوٹی ہے اور اپنے بھلے برے کی تجھے تمیز بھی نہیں لیکن آخر ایک روز جوان ہوگی پھولے گی پھلے گی اوس وقت کے لحاظ سے میں چند نادر باتیں کہتا ہوں تاکہ وہی باتیں تیری اوس زندگی میں

دستور العمل ہوں۔

اے بیٹی خدا تجھے جب عروس بنائے تو اوس وقت کے لئے خدا سے میری یہی دعا ہے کہ بخت و اقبال سے پہلے عصمت کی دولت سے وہ تجھے مالا مال فرمائے۔

عصمت و عفت اگرچہ مرد کے لئے بھی ضروری ہے لیکن عورت کے لئے اوس سے بہت زیادہ ضروری۔ شریعت میں بے عصمتی کی سزا گو مرد و زن دونوں کے لئے یکسان و مساوی ہے لیکن عورت کی بے عصمتی سے خاندان و قبیلہ

پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے اوس کا اندازہ ہر شریف کرسکتا ہے۔

طاعت و عبادت

ازمن ایں آنچہ اولیں پندست　　　جہد بر طاعتِ خداوندست
تا توانی خدا پرستی کن　　　وز نیاز خدائے مستی کن

بچوں کا پہلا مدرسہ جس کی تعلیم بہت ہی اثر کرنے والی ہے وہ ماں کی آغوش شفقت ہے اگر ماں خدا ترس و عبادت گذار ہے تو اولاد میں اللہ کی عظمت عبادت کی رغبت بچپن ہی سے راسخ ہو جائے گی اور جوان ہو کر اپنے لئے، قوم کے لئے، ملک کے لئے اون کا وجود رحمت ہوگا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بغیر دینداری و خداشناسی ایک انسان انسان نہیں ہوتا بلکہ حیوانی زندگی بسر کرتا ہے۔

حیا و پردہ

پا بدامانِ عافیت در کن　　　رو بدیوار و پشت بر در کن
راہِ در گم کن از درونِ سرائے　　　در مثل خضر در زندگشائے
زن کہ در کوچہا بہ تگ باشد　　　زن نباشد کہ مادہ سگ باشد

عورتوں کے لئے حیا و شرم بہترین زیور ہے۔ اگر عورت میں حیا نہیں تو کچھ نہیں سیر و تفریح اور در بدر مارے پھرنا شریف زادیوں کو زیب نہیں دیتا ایسی باتیں گو ابتدا میں معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن انتہا میں اون کا نتیجہ حیا سوز نکلتا ہے یہ سب بُری عادتیں ہیں۔

جشن نا در سرود

باد پیچ و دف که لعب زن ست | بروے ایں چنبر ست آں رسن ست
دف شاں بر ہراسِ دشمن و دوست | فتنہ را بانگ می زند در پوست
آنکہ اوّل سرود سادہ بود | در نہایت صلاے بادہ بود

شریف بہو بیٹیوں کے لئے جھولا جھولنا۔ طبلہ بجانا۔ نغمات و سرود سے جی خوش کرنا عیب ہے۔ ابتدا میں یہ تفریح طبع کا سامان ہے لیکن انتہا اس کی شرافت کی بربادی ہے

حد سے زیادہ بناؤ سنوار

در زن آرد دو فتنہ رسوائی | سیم پاشی و پیکر آرائی
بس عروساں کہ فتنہ جوے شدند | از سفیدہ سیاہ روے شدند
چوں شدی بہر ہفت و نہ در رنج | نقد عصمت فتاد در شش و پنج
ایں ہمہ فتنہا کہ ہست وبال | با رضاے حلال ہست حلال

بناؤ سنوار، زیبائش و آرائش اوسی انداز سے چاہیئے جتنا کہ اوس کے شوہر کو پسندیدہ ہو اور شرافت کی حدود میں ہو۔ ہر وقت پوڈر و غازہ ملنا ہمہ دم اپنی آرایش میں محو رہنا چاہے گھر بنے یا غارت ہو سخت عیب ہے۔ شریف عورتوں کی تزئین بھی ایک امتیازی شرافت رکھتی ہے۔ شریف زادیاں صاف ستھری رہتی ہیں اچھے کپڑے پہنتی ہیں آرایش بھی کرتی ہیں لیکن ان کی ہر ایک شان آبرو باختہ عورتوں سے صاف امتیاز رکھتی ہے۔

خانہ داری وکفایت شعاری

از عروساں خزینہ داری بہ ۔۔۔ است گوئی وراست کاری بہ
مرد اگر یک قراضہ کار کند ۔۔۔ زن بکدبانوی ہزار کند
دل نگہبان رخت باید داشت ۔۔۔ گرہ خویش سخت باید داشت
چوں زشو خرچ زن فزوں باشد ۔۔۔ حال سامان خانہ چوں باشد

عورت کا کمال یہ ہے کہ گھر داری میں ایسا سلیقہ پیدا کرے کہ ایک روپے میں ہزار روپے جیسی عافیت و فراغت شوہر و بچوں کو پہونچے بغیر مرضی شوہر ایک حبہ بھی خرچ نہ کرے عورت کے لئے سخاوت ہنر نہیں ہے بلکہ شوہر کی کمائی اور اوس کی دولت اوسی کے مطابقِ مرضی صرف کرنا عورت کا کمال ہے۔

ہنر ودستکاری

گرچہ زر باشدت فراغ نہ تنگ ۔۔۔ باز نداری زدوک وسوزن ننگ
دوک وسوزن گذاشتن نہ فن ست ۔۔۔ کالت پردہ پوشی بدن ست

عورتوں کا خاص ہنر چرخہ کاتنا اور کپڑا سینا ہے خبردار اس ہنر خاص سے غفلت نہ ہونے پاسے چاہے خدا تجھے اپنے فضل سے مالا مال کردے لیکن ہنرمندی سے بے پروائی نہو۔

ہر ایک نصیحت کو پڑھو اور اس پر غور کرو کہ خسرو یہ نصائح اپنے بیٹی کو فرمارہے ہیں اولاد سے زیادہ محبت کس کے ساتھ ہوگی جب ایک ایسا جلیل الشان باپ اپنی

بیٹی کے لئے ان اوصاف سے متصف ہونا پسند کرتا ہے تو وہ دوسری عورتوں میں بھی ضرور انہیں اوصاف کو ڈھونڈھے گا۔

امرا کا اثر متوسط و غربا پر

تجربہ اس پر گواہ ہے کہ افراد ہوں یا اقوام جہاں ان میں تمول آیا بس کاہلی و بے پروائی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ ادبار و نکبت ہے۔ خسرو اسی لئے بیٹی سے یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ رزق میں کشایش فرمائے اور فراخی دولت تجھے نصیب ہو تو اوس وقت بھی اون ہنروں سے غفلت نہ کرنا جو شعار عورتوں کا ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ امرا و اہل دول کا اثر آہستہ آہستہ اوسط و ادنی طبقہ پر بھی پڑتا جاتا ہے پس جب امرا کا گھر ایسا ہو کہ جہاں نہ گانا ہے نہ بجانا، نہ جھولا ہے نہ راگ راگنیاں نہ بناؤ سنوار ہے نہ بیہودہ اسراف بلکہ خانہ داری کا انتظام ہے اور بی بی کی سرگرمی۔ خود بی بی ہر طرح کا سلیقہ رکھتی ہو اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو محسوس کرتی ہو۔ علی الصباح اوٹھ کر دوگانہ فریضہ ادا کر کے تلاوت سے جب فارغ ہوئی ہو تو بچوں کے کپڑے درست کرتی ہو یا اپنا لباس بناتی ہو غرض خود کام کرتی ہو اور کام کرنے والوں پر نظر رکھتی ہو۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود اوس گھر کا ساز و سامان درست ہوگا۔ اور اوس کا اثر اوسط و ادنیٰ پر یہ ہوگا کہ وہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو عار نہ سمجھیں گے بلکہ بڑائی کی علامت خیال کریں گے۔ رفتہ رفتہ قوم کی قوم میں قوت عملیہ کو ایسی جنبش ہوگی کہ ہر جنس اور اوس کا ہر فرد اپنے اپنے

فرائض میں مصروف ہوگا۔

اس زمانے کے خوش حال طبقہ میں اپنا کسی طرح کا کام اپنے ہاتھ سے کرنا عیب سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غربا و مساکین کا شعار ہے۔ عورتیں ہیں کہ مہز و خانہ داری سے ہاتھ اوٹھا بیٹھی ہیں اوس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہے کہ شوہر روپیہ کماتے کماتے تھکا جاتا ہے لیکن گھر میں کسی کو آسایش نصیب نہیں۔ شاید خسرؒ کے عہد میں بھی امرا کے گھرانوں کا انھیں لغویات و باطل خیالات کی طرف میلان شروع ہوگیا ہوگا۔

نئی تہذیب کا اعتراض

بہرحال اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ نصیحتیں اسی قابل ہیں کہ ہر شریف ہو بیٹی انھیں اپنا دستور العمل بنائے۔ لیکن ہزار افسوس کہ اس دور تہذیب کے روشن خیال حضرات خسرو کی ایسی بیش بہا نصائح پر کہہ اوٹھے کہ "اوس زمانے میں عورتوں کی حالت نہایت پست تھی امیر خسرو اس قدر صاحب دولت و ثروت تھے لیکن بیٹی سے کہتے ہیں کہ خبردار چرخہ کاتنا نہ چھوڑنا اور کبھی موکھے کے پاس بیٹھ کر ادھر اودھر نہ جھانکنا" میرے دوستو۔ جوشِ تہذیب میں آکر اسلام کے مایۂ ناز بزرگوں کو اپنے مطاعن کا ہدف نہ بناؤ۔

ناصح کی شان کا علو

ذرا اس کو سوچو کہ یہ نصائح کس نے کیے ہیں۔ کس زمانے میں کیے ہیں نصیحت

کرنے والا کس دل و دماغ کا شخص تھا۔ اس کی خاندانی وجاہت کیا رتبہ رکھتی تھی علاوہ علم وفضل کے کیسی آب وہوا میں یہ زندگی بسر کرتا تھا۔ انقلابات ایام کے کیا تجارب اس کے پاس تھے اوس وقت مسلمانوں کی ذی علم جماعت دنیا میں کیا وقار وقعت رکھتی تھی۔ اگر تم انصاف سے ان امور پر ایک سرسری نظر بھی ڈالوگے تو تم اپنے اس فیصلے پر قائم نہ رہوگے کہ عورتوں کی اوس وقت ایسی ذلیل و پست حالت تھی جو اون کو ایسی نصیحتیں کی گئیں۔

امیر خسرو اوس باکمال و بلند حوصلہ باپ کے فرزند ہیں جس نے ترکستان سے جب ہندوستان کا ارادہ کیا تو خاک ہند نے کس کس طرح اپنے مہمان عزیز کی میزبانی کی۔ بادشاہ نے جاگیر دی۔ عہدہ دیا منصب کا پایہ بلند کیا یہاں تک کہ امراے سلطنت کی سلک میں منسلک ہو گئے۔

امیر خسرو کی ماں اوس جلیل الشان باخدا رئیس کی بیٹی تھیں جنھیں دینی دولت کے علاوہ ہندوستان میں عماد الملک کا لقب حاصل تھا اگر والدین کی شرافت اون کے حوصلہ کی بلندی ہمت کی فراخی اولاد کے حق میں کچھ بھی مفید ہوتی ہے اور والدین کا خون اگر کچھ بھی اثر رکھتا ہے تو پھر اسے خسرو کے حق میں ماننے سے کیوں دریغ کیا جائے خود امیر خسرو کی ذات گوناگوں کمالات کی جامع تھی علوم فنون میں اونھیں جو یگانہ بلند حاصل تھی اوس کی شہادت اون کی تصانیف ہیں۔ تزکیہ باطن کے لئے محبوب الٰہی کا محبوب ہونا کفایت کرتا ہے۔ تمول کے لیے لفظ امیر کافی ہے۔ انقلاب دہر کا تجربہ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ گیارہ سلاطین با آئین ان کے وقت میں گذرے

جن میں سے سات بادشاہوں کے تقرب کا انھیں پورا موقع ملا۔ موقع شناسی اور ردملغ میں سلجھاؤ اس سے ظاہر ہے کہ سلاطین کا تغیر سلطنت کا نظام الٹ دیا کرتا تھا۔ لیکن امیر خسرو ہر عہد میں ممتاز و باوقار رہے۔

ایام سلف کی برکات

وہ زمانہ مسلمانوں کی ایسی اعلیٰ تہذیب کا تھا جس نے ہندوستان جیسے متعصب ملک میں اپنی تہذیب گھر گھر پہونچا دی تھی۔ مسلمانوں کے قوائے عملیہ سست و کاہل نہ تھے اس لئے محض بیکار رہنا موجب عار سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی تخصیص مرد و عورت کی نہ تھی تعلیمات اسلامی کا یہ اثر تھا کہ سلاطین تک شریعت کے فتوے سے کانپ اوٹھتے تھے۔ اوس وقت علما و مشایخ کی ایسی جماعت ہندوستان میں تھی اور روز افزوں ہو رہی تھی جن کی تصانیف آج شریعت و علوم اسلامیہ کی ضامن ہیں۔

دنیا کے مختلف گوشے مسلمانوں کے سیف و قلم سے مفتوح ہو چکے تھے ان کی سطوت و جلالت اکناف عالم پر چھائی ہوئی تھی۔ پس اوس عہد میں جبکہ ملک اپنے زیر نگیں تھا فاتحانہ دلولکا نہ جذبات دل و دماغ میں تھے۔ سیاست کی تلوار اور شریعت کا تازیانہ ہر طرح کی محافظت کرسکتا تھا۔ اولیاے کرام و علماے عظام کی پاک صحبتیں خیالات فاسدکی بیخ کنی کیا کرتی تھیں فتوحات کے فراخ دروازے بے زری و تنگ دستی کے مفہوم کو مٹا رہے تھے خسرو جیسا دماغ دل کامل

امیر کبیر آزمودہ کار اپنی بیٹی کو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اگر تمغائے شرافت نہیں ہے
تو پھر اس عہد کے مسلمان جن کی حالت ہر پہلو سے زبوں ہے ان کی بات پایۂ
اعتبار رکھنے کی کیونکر مستحق ہو سکتی ہے۔ اوس عہد کی ماؤں کی بلندی تو اسی سے
ظاہر ہے کہ اون کی اولادیں دنیا میں ہر طرح کی یادگاریں چھوڑ گئیں۔ علم، عمل
دولت، سلطنت، جرأت، شجاعت کیا کچھ فضائل انسانی کے بیش بہا خزائن نہ
تھے جو اسلاف نہ چھوڑ گئے۔ لیکن اون کے جانشین ایسی ہی بلند حوصلہ و عالی
ہمت پیدا ہوئے جنھوں نے نہایت بدسلیقگی سے اون بیش بہا خزائن کا مالک
اغیار کو کر دیا اور خود دست نگر ہونے کا بھی شعور کھو بیٹھے۔

حاصل جواب

وہ شریفانہ معاشرت کہاں گئی۔ جبکہ عورتوں کے کپڑے غیر محرم دیکھ بھی نہ سکتے
تھے چہ جائیکہ اون کا سینا اور دھونا۔ تم چرخہ چلانے یا سلائی کا ہنر جاننے پر
طعن کرتے ہو یہ تو ویسا ہی ہوا جیسا کہ ناعاقبت اندیش اہل دول لڑکوں کو تعلیم سے محروم
اس بنا پر رکھتے ہیں کہ علم غربا کے لئے ہے، ہماری اولاد کو کیا دفاتر میں نوکری یا
اسکولوں میں معلمی کرنی ہے۔

ہاں یہ اعتراض کہ کمالات علمیہ اور دیگر فضائل انسانی کی طرف اس بلند آہنگی سے
کیوں توجہ نہ دلائی گئی جس قدر کہ امور خانہ داری پر زور دیا گیا تو اس کا جواب
یہ ہے کہ یہ بھی خوبی کا ایک مکمل ہے کہ جہاں نصیحت کا مخاطب بیٹی کو فرمایا ہے

تو اوس وقت ایسی نصائح جو ما بہ الامتیاز مرد و زن ہیں اونھیں کو غالب رکھا ہے اور جہاں بیٹا مخاطب ہے تو اوس سے وہی باتیں کہی ہیں جن کا سزاوار مرد ہی ہو سکتا ہے۔ اگر عام پند او رما بہ الاشتراک نصایح سے خطاب فرماتے جو مخصوص فرائض انات نہیں بلکہ فرائض انسان و اسلام ہیں تو پھر یہ معلوم ہوتا کہ خطاب دختر کی اس میں تخصیص کیا ہے۔

خطیب کا یہ بھی ایک کمال ہے کہ مخاطب کا صحیح اندازہ کرکے اوس کو ایسی نصیحتیں کرے جو اوسی سے مخصوص ہوں ورنہ عام نصیحت کے لئے خصوصیت و تشخص بیکار ہے اوس کے لئے پھر خطاب عام چاہئے۔ بہرحال خسرو کے تمام نصائح کو پڑھ جاؤ اوس کے بعد ایک ایسی ذات کا جوان اوصاف سے متصف ہو تصور کرو تمھیں ایک رحمت الٰہی مجسم نظر آئیگی اِفسوس ہے کہ یہ مضمون اندازہ سے بہت زیادہ پھیل گیا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ پر جبکہ ایسا قلم معترضانہ رواں ہو جسے اون کے کلام کا صحیح مفہوم لکھنا چاہئے تھا تو پھر اُس کی اصلاح اس سے کم میں ناممکن تھی۔ اس دَور کے ارباب قلم کی غلطی تسلیم کرنا اس سے کہیں زیادہ سہل ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ پر ایک بے بنیاد الزام کا اثبات زبردستی کیا جائے۔ ناظرین مجھے معاف فرمائیں میں سلف کا دلدادہ و شیفتہ ہوں ؎

فتنۂ گفتگوے ایشانم مستِ لابِ سبوے ایشانم

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ ایسے مضامین تھے جو آغاز مقصد سے قبل مثنوی میں عموماً

خسرو لکھا کرتے ہیں۔ اب اصل قصہ سے اقتباس کر کے حسن کلام کا نمونہ دکھایا جاتا ہے۔

بیان حسن کنیز چینی

بر چو نار بخ نو بشاخ درخت ‏ ‏ ‏ ‏ سخت رستہ ز صحبت دل سخت

رگ نمودہ برون ز لطف بدن ‏ ‏ ‏ ‏ ہمچو رشتہ درون در عدن

شوخی و عاشقانہ انداز کے ساتھ پہلے شعر میں سختی کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ بالکل زالی ہے اور اچھوتا تخیل ہے لیکن معقول۔ دوسرے شعر میں گورے گورے بدن میں سے رگوں کا پھوٹ کر ایک دل فریب رنگ پیدا کرنا کیسا نادر خیال ہے۔ جس کسی نے سلک مروارید کو دیکھا ہو گا اس تشبیہ کے لطف کو وہی سمجھ سکتا ہے کہ کیسی لطیف تشبیہ ہے۔

قدر اندازی بہرام

آہن تیر چوں محک کردے ‏ ‏ ‏ ‏ خط گوراں ز پشت حک کردے

ور ز آہو بدے نشانۂ او ‏ ‏ ‏ ‏ موے بشگافتے ز شانۂ او

ور شدے بر نشانہ سخت انداز ‏ ‏ ‏ ‏ رخنہ در ناف کوہ کردے باز

صرف تین اشعار میں تمام شعبہائے تیر اندازی کے کمال کو جس صفائی و سلاست سے آپ نے بیان کیا ہے اُس سے کلام کی پختگی و چستی ظاہر ہے یعنی جس طرح چاہتا تھا تیر چلاتا تھا۔ کبھی تو گورخروں کی پشت پر جو خطوط ہوتے تھے اونھیں تیر سے اڑا دیتا

کبھی ہرن کے بالوں کی موشگافی کرتا۔ اور شکار کو کچھ بھی آسیب و آزار نہ پہونچتا اور جو زخم پہونچانا چاہتا تو ایسی قوت و طاقت سے تیر بیٹھتا کہ گورخر کا تو کیا ذکر پہاڑ میں بھی سوراخ ہو جاتا۔ خسرو علیہ الرحمۃ ہشت بہشت کی بنیاد رکھتے ہوے فرماتے ہیں ؂

پس نوشتم بکلک مشک سرشت　　نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت

تا کسے کاندرو گذر یابد　　بے قیامت بہشت دریابد

اب اس بہشت کا جسے لطف حاصل کرنا ہو اوس کو ایک سرسری نظر سے پوری کتاب مطالعہ کرنا ضرور ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اشعار کہاں کہاں سے لئے گئے ہیں اور باہم ربط و مناسبت اونمیں کس طرح ہے۔

گنبد مشکیں بہشت دوم

بہرام کے وزیر باتدبیر نے صید و شکار سے جب بہرام کو باز رکھنا چاہا ہے تو اوس نے سات گنبد عجیب و غریب نادر حسین طیار کرائے ہیں۔ ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے ہر ایک میں ایک شاہزادی ایک ایک اقلیم کی رونق بخش ہے۔ بہرام ہر ایک شاہزادی کے گنبد میں ایک ایک شب جاتا ہے اور کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے۔ شاہزادی قصہ بیان کرتی ہے۔ اس طرح اس میں سات قصے امیر خسرو نے نظم فرمائے ہیں۔ خسرو کی شاعرانہ قوت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ ایک بہشت کا بیان شروع کرتے ہیں تو اوس کے رنگ کو بیان کرتے ہوے ابتدا قصے سے آخر قصے تک اوسی رنگ کی رنگینی معلوم ہوتی ہے۔ جو بات نکلتی ہے اوسی

رنگ میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے۔ پھر اوس رنگ کے فلسفے کو بیان کرکے اپنی رنگینی طبع کا عجیب رنگین ثبوت دیتے ہیں۔ مثلاً گنبد مشکیں کی تمہید میں فرماتے ہیں ؎

روز شنبہ کہ باد مشک انگیز | شد بدامانِ صبح غالیہ ریز
شہ بگنبد سرائے مشکیں شد | خانہ زو ہمچو نافہ چیں شد
جامہ را ہم برنگِ کیوانی | داد ترتیبِ عنبر افشانی

ان اشعار میں قطع نظر اون صنائع لفظی کے جو امیر صاحب کا روزمرہ ہے گنبد کا رنگ چونکہ سیاہ تھا اس لئے بہرام کا اوس میں داخل ہونا بھی بروز شنبہ رکھا گیا۔ اور ستارہ شنبہ یعنی زحل کا رنگ سیاہ ہے۔ بہرام خود سیاہ پوش ہے شہزادی کا لباس بھی گنبد مشکیں کی طرح سیاہ ہے۔ اس کا التزام مثنوی کے ہر قصہ میں ہے کہ جس طرح ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے اُسی کی رعایت سے شاہزادیوں کا لباس بھی مختلف رنگ کا ہے۔

ہر یکے ہم برنگِ مسکنِ خویش | جامہ را رنگ داد بر تنِ خویش

اگرچہ کمال شاعری و لطفِ سخن کو ان باتوں سے سروکار نہیں لیکن اس قسم کی رعایتوں سے ایک دل فریب تخیل پیدا ہوتا ہے اور ساری کتاب کو پڑھ جانے سے ایک ایسی میناکاری معلوم ہوتی ہے جو ہشت بہشت کو اسم بامسمیٰ بنا دیتی ہے۔
گنبد مشکیں یعنی بہشت دوم میں سیاہ رنگ کی رعایت مقصود ہے۔ اسلئے امیر صاحب اوس وقت کو جبکہ تینوں شاہزادے غریب الوطنی ورہ نوردی کے بعد باپ کے

پاس آتے ہیں۔ اور باپ خوش خوش بڑے لڑکے کو سلطنت حوالہ کرتا ہے یوں بیان فرماتے ہیں ؎

پدر پیر شادمانی یافت | بار دیگر ز سر جوانی یافت
بسکہ از خوش دلی بہ تمکیں گشت | موے کافور گونش مشکیں گشت
کردہ روشن بہ مہترین پسراں | بالش مشک وام تاجوراں
چتر مشکینش داد با ہمہ چیز | دیگراں را لواے مشکیں نیز

لیکن اس خیال سے کہ سیاہ رنگ عموماً نشان ماتم ہے اس کو عیش و نشاط، فرحت و انبساط سے کیا علاقہ۔ اِس لئے امیر صاحب ختم قصے پر اس فلسفہ کو بیان کرتے ہیں کہ سیاہ رنگ بھی اپنے موقع و مناسبت سے دل آویز و نظر افروز ہوا کرتا ہے ؎

رنگ مشکیں شعار عباسی ست | زیور آراے چرخ شماسی ست
ظلمت شب کہ مشک فام بود | بہر آسایش تمام بود
خون تر در میانِ نافۂ خشک | تا نگردد سیہ نباشد مشک
خط و خالیکہ دلستاں دارد | مشک رنگ ست زیب ازاں دارد

بیان وجوہ میں بتدریج ترقی قوت بھی ملحوظ خاطر ہے۔ قصہ ختم ہوتا ہے۔ بہرام ہم آغوش ہو کر خواب سے راحت پذیر ہوتا ہے۔ اوس عیش کے وقت کو یوں بیان فرماتے ہیں ؎

شاہ کز نازنین مشکیں موے | ایں فسانہ شنید روے بروے

خفت در خواب گاہ حور العین گل در آغوش و مشک بربالیں

واقعہ نگاری اور تسلسل

سبحان اللہ ایک رنگ سیاہ نے کتنے خوش آیند خیالات پیدا کر دیے ہیں جس سے
شاعر کی قوت متخیلہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اوس کے
تمام اجزا اس طرح بیان کیے جائیں کہ تسلسل مضامین کی کوئی کڑی چھوٹنے نہ پائے
اس کے ساتھ ہی اس کا بھی لحاظ رہے کہ غیر ضروری بات مذکور نہ ہونے پائے بعض
مقام ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں کنایہ تصریح سے زیادہ صراحت کرتا ہے اور کلام کی
بلاغت اوسی کی مقتضی ہوتی ہے۔ کسی جگہ تصریح و تشریح کے بغیر بلاغت کا حق ادا نہیں
ہوتا۔ مثنوی نگار اگر اس کا لحاظ نہیں کرتا ہے تو اوس کی خامی و کم مائگی سمجھی جاتی ہے
خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری اس کمال میں بھی کامل ہے۔ ہر ایک قصہ میں اس تفصیل
سے جزئیات کو بیان فرماتے ہیں کہ ایک بات سے دوسری بات خود نکلتی آتی ہے
اوس پر زبان کی صفائی اور بندش کی چستی کا یہ حال ہے کہ اوس سے کم عبارت میں
اگر اوسی مضمون کو بیان کیا جائے تو لطف ادا کو کھوئے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اور اگر طول
دی جائے تو حشو و زوائد میں شمار ہو۔ اوس کا اصلی لطف تو اوسی کو حاصل ہو سکتا ہے
جو پوری کتاب پڑھ جائے۔ لیکن دو ایک نمونہ جستہ جستہ پیش کرتا ہوں۔

پہلی مثال ہشت دوم کی شاہزادی نے جو قصہ بیان کیا ہے اوس میں تین غریب الوطن
شاہزادوں کی فراست اور علم بالآثار کا ذکر ہے۔ اوس وقت جبکہ شاہزادے ایک

بادشاہ کے مہمان ہیں اور اون کی ضیافت میں شراب وکباب مہیا کیا گیا ہی۔ ایک نے شراب میں آدمی کے خون کا لگاؤ بتلایا۔ دوسرے نے کباب کو کتے کا قرار دیا۔ تیسرے نے بادشاہ کو باورچی کا لڑکا کہا۔ بادشاہ پشت دیوار سے اون کی گفتگو سن رہا تھا۔ اپنے متعلق ایسا ہوش ربا حکم سن کر تحقیق شروع کرتا ہے۔ پہلے دونوں حکم صادق آتے ہیں۔ اس سے تیسرا حکم جو خود اوس کے متعلق ہے اوس کے صدق کا پلہ غالب آتا ہے۔ ماں کے پاس جاتا ہے اوس کے غضبناک انکار پر قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ آخر ماں کو جب اپنی موت کا یقین آجاتا ہے تو مجبور ہو کر اقرار کرتی ہے۔ بادشاہ اپنے مہمانوں کے پاس آتا ہے اور اون کی فراست کی داد دینا چاہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تم لوگوں نے کیونکر یہ پہچان لیا۔ وہ وجہ بتلاتے ہیں۔ امیر صاحب کا قلم اس طرح اوس کی تصویر کشی کرتا ہے ؎

شہ چو بشنید راز مادر خویش	سر فگند از خجالت اندر پیش
رفت در خود فرو دحیران گشت	وز چنان پرسشے پشیماں گشت
جست بیروں ز کاخ شرمندہ	وز تحیر نہ زندہ نے مردہ
شد بخلوت سرائے مہماناں	بے زباں گشت زاں زباندا ناں
چوں گذشت از شراب دورے چند	راز را بر گرفت مستی بند
گفت کانچہ از شما شنیدم راز	ہمچناں یافتم چو جستم باز

ایسے خجلت انگیز راز کے افشا نے بادشاہ کی جو حالت کردی ہوگی اوس کا نقشہ

امیر صاحب کے قلم نے کس خوبی سے کھینچا ہے۔ ایک ایک شعر کو پڑھئے اور ہزاروں داد دیجئے۔ بادشاہ کا ہکا بکا ہو جانا ایک فطری بات ہے لیکن تسلسل بیان اس کا مقتضی ہے کہ بادشاہ خود اپنے منہ سے اس شرمناک راز کی تصدیق کرے تکمیل قصہ کے لئے اوس کے منہ سے اقرار کرانا ضروری تھا۔ اس لئے بیچ میں شراب کو ڈالا۔ اس سے عمدہ ذریعہ اقرار کا ہو نہیں سکتا تھا۔

دوسری مثال اسی طرح ہشت بہشت کے بیان میں شاہزادہ جب طلسمی سرمہ آنکھوں میں لگا کر وزیر کے دربار میں نظر سے غائب ہوتا ہے اور اپنے موکل دیو کو اشارہ کرتا ہے کہ بدکار وزیر کو دھول لگائے اس کا بیان بس ہو بہو فوٹو ہے ؎

کرد اشارت بدیو تا برخاست — دست خود کرد بہر سیلی راست

زد قفائے بخواجۂ دیواں — کہ بلرزید زاں طراق ایواں

کارداراں زجائے برجستند — سرآں حال را ہمے جستند

ہمدریں گفتگوئے بد ہر کس — کاہر من باز در رسید زپس

زد چناں سیلیِ دگر ناگاہ — کز سرِ خواجہ برفتاد کلاہ

کلہ گرد خوردہ رازاں گرد — تا ستاند قفائے دیگر خورد

حیرتے درمیانِ خلق افتاد — دوست آزردہ گشت دشمن شاد

مردماں از خجالتِ دستور — دور گشتند یک بیک زحضور

ایں زسودائے سیلیش خنداں — واں دگر شست دست از نداں

خواجہ جست از خجالتِ سیلی   بارخِ زرد گردنِ نیلی

ان ابیات میں جس تفصیل سے دیو کا ہاتھ اوٹھانا اور ڈہول مارنے کے لئے اوس کو سنبھالنا اور پھر ایک ڈہول لگا کر ٹھیر جانا لوگوں کا متحیر ہونا اور آپس میں تحقیق کی نظر سے گفتگو کرنا۔ اس اثنا میں دوسری ڈہول کا رسید ہونا وغیرہ وغیرہ جس شرح و بسط سے بیان کیا ہے اوس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ سچ پوچھئے تو واقعہ مذکورہ کی تصویر اس سے زیادہ روشن و دل آویز کیا کھینچی جا سکتی تھی۔

ان دو نمونوں سے یہ دکھلانا تھا کہ امیر صاحب جہاں صنائع و بدایع اور محاسن لفظی و معنوی کے خسرو ہیں وہاں بیان واقعات میں بھی اوسی قدر ارفع و اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ امیر صاحب مثنوی لکھنے کا حق رکھتے تھے اور صحیح معنو میں آپ نے مثنوی کا حق ادا کیا۔

حیثیت شخصی کا لحاظ

مثنوی نگاری میں یہ حصہ شاعر کے لئے نہایت ہی معرکۃ الآرا رہے ایک ہی حالت ہوتی ہی مگر اوس کا اثر باعتبار اشخاص مختلف ہوتا ہے اب اگر شاعر حالت کے ساتھ شخص کا لحاظ نہیں رکھتا ہے تو اوس کے بیان کا یہ پہلو کمزور رہ جائے گا۔ مثلاً فرض کرو ایک نبرد آزما ہے جس نے مختلف میدانہائے کارزار میں اپنے شجاعت کا جوہر دکھایا ہے۔ وہ کسی ایسے ناز پروردہ کا ہم سفر ہے جس نے تنعم کے سایہ سے کبھی قدم

باہر نہیں نکالا۔ اتفاقاً کسی موقع پر رہزنوں کی جماعت حملہ آور ہوتی ہے تو اوس وقت
اوس تجربہ کار سپاہی اور ناز پروردہ رفیق کے دل پر جو اثر ہوگا وہ ایک دوسرے
سے بالکل مغائر ہوگا۔

سپاہی آزمودہ کار کے حواس درست ہوں گے دست و بازو میں قوت موجود
ہوگی رگوں میں شجاعت کا خون دوڑتا ہوگا۔ چہرہ جوش بہادری سے تمتما رہا ہوگا۔
برخلاف اس کے ناز پروردہ کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹ رہی ہوں گی۔ بدن پر
لرزہ طاری ہوگا۔ ہوش برجا نہوں گے۔

اس مثال سے یہ غرض ہے کہ جب کسی واقعہ یا حالت کا بیان ہو تو جس شخص سے
اوس کا تعلق ہے اوس کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے اس کمال کے بھی
نمونے ملاحظہ ہوں۔

مثال اوّل۔ بہرام شکارگاہ میں خفا ہوکر دلارام کو گھوڑے سے اوتار
دیتا ہے اور خود گھوڑے کی باگ موڑ کر روانہ ہوجاتا ہے۔ دلارام دشت پرخار میں تنہا
رہ جاتی ہے اوس وقت اوس کے دل پر کیا گذری اور اوس نے کیا کیا اور کیونکر
کیا اس کی ہو بہو تصویر ان اشعار میں دیکھئے یہ یاد رہے کہ دلارام بہرام کی معشوقہ
جاں نواز ہے عیش و عشرت ناز و تنعم میں نشو و نما پایا ہے۔ دل کی کلی ہمیشہ کھلتی رہی
ہے یہ کوئی معمولی حیثیت کی عورت نہیں ہے اس پر جو یہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا
تو اس کی حالت بھی معمولی حیثیت کی عورت سے مغائر ہوگی خسرو اسی کو بیان کرتے ہیں۔

ماند بیخویشتن صنم تا دیر · تشنہ و غرق آب و جاں سیر
پس بصد خستگی زجا برخاست · راہ صحرا گرفت و می شد راست
بسکہ منزل بدشت ویراں داشت · سایۂ خویش دیو می پنداشت
بسکہ رہ بر سنان تیزش بود · موزہ غربال خاک بیزش بود
ازکف پائے خارہائے چو تیر · میگذشتش چو سوزنے ز حریر
پاکہ از برگ گل فگار بود · چوں شود چوں بروئے خار شود
کس نہ ہمراہ و رہنماش مگر · سایہ در زیر و آفتاب زبر
می نمود اندراں پریشانی · گفتہ و کردہ را پشیمانی
زاں بساط ددان آہو خائے · کردہ بیم ددانش آہو پائے
بیم بودش کہ پا شود بطواف · چوں سم آہو از میانہ شگاف

کس خوبی سے خسرو علیہ الرحمۃ نے اوس کی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہے ملاحظہ ہو
پہلا اثر تو اس ناگہانی آفت کا یہ ہوا کہ وہ ایسی متحیر و ششدر ہو گئی کہ تھوڑی
دیر تک یہ بھی سمجھ نہ سکی کہ واقعہ کیا گذرا جب آہستہ آہستہ اوس کے حواس اپنا صحیح
فعل کرنے لگے تو اوسے اپنی اس نازک حالت کا اندازہ ہوا۔ زبان سوکھ کر کانٹا
ہو رہی ہے جسم ہے کہ پسینہ میں شرابور ہے جینا وبال ہو رہا ہے۔ دیکھئے پہلا شعر
ان سب کیفیات پر کس طرح حاوی ہے ؎

ماند بیخویشتن صنم تا دیر · تشنہ و غرق آب و از جاں سیر

کچھ سوچ سمجھکر اوٹھتی ہے تو جسم میں طاقت نہیں بدن ہے کہ رنج و غم سے چور

چور ہے بصد خرابی اوٹھی اور ایک سمت کا رخ کیا۔ اس کیفیت کو دوسرے شعر میں دیکھیئے

پس بصد خستگی زجا برخاست　　　　راہ صحرا گرفت و می شد راست

ایک صحرائے لق و دق مہیب و وحشتناک ہے۔ غولان بیابانی کا نشیمن ہے۔

تنہائی و بیکسی نے ایسا متوحش کر دیا ہے کہ اپنے سایہ کو بھی وہ بھوت سمجھتی ہی انتہائی

اضطراب و گھبراہٹ خوف و وحشت میں جو حالت کہ طاری ہوتی ہے اوس کا صحیح

نقشہ یہی ہے جو اس شعر میں ہے ؎

بسکہ منزل بدشت دیواں داشت　　　　سایۂ خویش دیو می پنداشت

اوس کی نزاکت و لطافت کے ساتھ صحرائے پرخار نے کیا سلوک کیا اوس کو

اس شعر میں دیکھیئے ؎

بسکہ رہ بر سنان تیز ش بود　　　　موزہ غربال خاک بیزش بود

اسی طرح ہر شعر ایک خاص حالت و کیفیت کا نمونہ ہے۔

دوسری مثال۔ بہشت دوم کے قصے میں بادشاہ نے جبکہ بیٹوں سے تخت

و تاج کا مالک بننے کے لئے کہا ہے تو اوس وقت ہر ایک بیٹے نے جو جواب دیا

ہے وہ قابل لحاظ ہے مثلاً بڑا بیٹا یہ جواب دیتا ہے ؎

پور دانا بخاک سود کلاہ　　　　گفت جاوید باد دولت شاہ

کی روا باشد از ہوا خواہی　　　　کہ زنم پیش شہ دم شاہی

تا تو ئی مُلک بر کسے نہ سزاست | بے تو خود زیستن برائے چہ راست
تخت ما ولے چوں منے نبود | جائے تو جائے چوں منے نبود
مور با آنکہ بر سریر بود | کی سلیمان و تخت گیر بود

بیٹے کی سعادت مندی اسی کی مقتضی تھی کہ باپ کے رہتے ہوئے بیٹا ہوس سلطانی نہ رکھے لیکن ضمن جواب میں اس امر کی ناموزونی جو آخر شعر میں بیان کی گئی ہے وہ حسن التعلیل کے ساتھ عجب ادب آموز نکتہ ہے ؎

مور با آنکہ بر سریر بود | کی سلیمان و تخت گیر بود

اس شعر پر جتنا غور کروگے اتنا ہی لطف آئیگا۔

اب بادشاہ منجھلے بیٹے کو بلاتا ہے اور اوس کے سامنے تخت و سلطنت پیش کرتا ہے منجھلے کا جواب سنئے ؎

گفت ما را بجان و بینائی | کردنی شد ہر آنچہ فرمائی
لیک پیشت حدیث تاج و سریر | عیب باشد ز بندہ عیب مگیر
گر بود در سرت کہ افسر خویش | خود مزین کنی بگوہر خویش
مہترے ہست آخر از من خورد | بار سر جز بدوش نتواں برد
بر بزرگاں رواست این معراج | لولوے خورد نیست در خور تاج

اگر منجھلا بیٹا صرف اسی قدر جواب پر اکتفا کرتا کہ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر لیکن تاج و سریر کا ذکر آپ کے سامنے کرنا بڑے عیب کی بات ہے اگر اس میں حکم

عدولی ہو تو بندہ کو نافرمان نہ خیال کیا جائے تو بڑے اور منجھلے کی خصوصیت نمایاں نہوتی۔ اس لئے اوس نے اپنے جواب میں اس قدر اور اضافہ کیا کہ اگر آپ کی یہی خواہش ہے کہ آپ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں تاج شاہی سے مزین فرمائیں تو بسم اللہ بڑا بھائی موجود ہے یہ حق اوس کا ہے اور آپ کے بعد اوسی کو زیب دیتا ہی اُس کی دلیل یہ ہے کہ سر سے بوجھ اوتار کر کاندھے پر رکھنے کا دستور ہے۔ اب جواب کامل ہوگیا۔ بڑے اور منجھلے کا فرق بھی نمایاں ہوگیا۔ باپ کی موجودگی میں سلطنت سے دست برداری بھی ظاہر کر دی اور اوسی کے ساتھ بڑے بھائی کا ادب و حق ملحوظ رکھتے ہوے فرق مراتب باپ اور بڑے بھائی کا بھی "بار سر جز بدوش نتواں برد" کہہ کر قائم کر دیا۔

تیسری مثال۔ ہشت ششم کے قصے میں جس وقت سوداگر زادہ طلسمی حمام سے ایک سال بعد برآمد ہوا ہے اُس وقت اوس کے غلاموں کو جو مسرت ہوئی ہے اور جس طرح اونھوں نے اپنی خوشی کا اظہار ولی نعمت سے کیا ہے، اوس فرط جوش و محبت میں بھی اون کی غلامانہ حیثیت پوری طرح ملحوظ ہے ؎

چوں بدیدند روے منعم خویش	دردویدند خواجہ را در پیش
ہریک از بندگاں بہ آزادی	گریہ میکرد لیکن از شادی
بندہ وارش بپا در افتادند	بوسہ بر دست و پاش میدادند

جذبات عاشق و معشوق اور اُن کے لوازم سرسری نگاہ میں عاشق کی

نیاز مندی معشوق کی بے نیازی ایک معمولی مضمون ہے جسے ہر سخنور بیان کرتا
ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ منزل عشق کی راہیں جس طرح عمل میں دشوار گزار ہیں
اوسی طرح اون کا بیان بھی خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں ایسے ایسے لطیف نکات ہیں
جنھیں ہر ناظم کی قوت فکریہ پا نہیں سکتی ؎

ہزار آیت خوبی ست در مطالعۂ رو　　نہ ہر کہ خط بشناسد مفسری داند

پہلی مثال۔ عاشق جب مژدۂ وصل پاتا ہے تو اس روح پرور خبر سے اوس
پر ایک عالم وجد طاری ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی عاشق کے لئے معشوق کا وصال
بہت ہی دشوار ہو۔ کوشش و سعی کی راہیں مسدود ہوں۔ ہجوم یاس نے اوسے
بالکل ہی وا رفتہ و از خود رفتہ کر دیا ہو اوس بیخودی کے عالم میں اوسے مژدۂ
وصل پہونچے تو پھر اوس کے وجد و طرب کا ایک اور ہی عالم ہو گا۔ خسرو علیہ الرحمۃ
بہشت پنجم میں اوس غریب الوطن شاہ زادے کا قصہ جو ملکہ ملتان کی شگی تصویر
دیکھ کر دل ہاتھ سے دے چکا ہے وصل سے مایوس ہو کر پاگل ہو رہا ہے اوسکے
پاس جس وقت مژدۂ وصل پہونچا ہے تو اوس کی کیا حالت ہوئی اوس کو بیان
کرتے ہیں ؎

سوئے عاشق دوید یارے زود　　بردش از دوست مژدۂ مقصود
چوں بگوش وے ایں سخن در شد　　بے خبر بود بے خبر تر شد
ماند حیراں دراں حکایت نغز　　جوشے از دل در او فتاد بمغز

خاست چوں بیدلان جاں داؤ   دل دیوانہ راعناں دادہ
پاے کوباں بوجد و حال آمد   در نہاں خانۂ وصال آمد

دوسری مثال ہشت ششم میں سوداگرزادہ جبکہ ایک طلسم سے نکل کر ایک طلسمی گاؤں میں پہونچا ہے اور وہاں ایک بوڑھی عورت نے اوسے مہمان بنایا ہے تو اوس پیرزن کی حسینہ وجمیلہ لڑکی سے مہمان کی آنکھہ لڑتی ہے تیر عشق دل کے پار ہوجاتا ہے اور وہ محبوبہ اپنی اداے معشوقانہ سے اوسے بسمل بنادیتی ہے

زال را بود دخترے عیار   دل فریبے چو صد ہزار نگار
دزد دلہا دو چشم پرُفن او   خون صد بگینہ بگردن او
گشت چوں یک دگر نظرہا گرم   نازنیں سر فرو فگند زشرم
روے پوشید و کرد آں سو پشت   میہماں را بہ یک کرشمہ بکشت

معشوقہ کا سر جھکا لینا منہ کا چھپا لینا جہاں مقتضاے شرم وحیا ہے وہاں ایک ناز دلربایانہ بھی ہے لیکن شاعر کا کمال اس نکتہ کے ادا کرنے میں ہے جو اس جملہ میں مضمر ہے (کرد آں سو پشت) جس سے اس کا اظہار مقصود ہے کہ جس طرح میرا چہرہ روشن اور آنکھیں پرُفن ہیں پیٹھ بھی ویسی ہی محرابی ہے پیٹھ پھیرنے سے مقصود اظہار اون خوبیوں کا ہے جو پشت پھیرنے سے ہی نمایاں ہوتی ہیں۔

تیسری مثال۔ اسی ہشت ششم میں اوس موقع پر جبکہ سوداگرزادہ طلسمات طے کرتا ہوا آخر طلسم میں مبتلا ہوا ہے اوس وقت اوس کی حیثیت شاہانہ ہے ایک

ملک کا خود مختار بادشاہ ہے عجب عیش وعشرت سے ایام بسر ہو رہے ہیں خاص کر جب رات ہوتی ہے تو ایک گلبدن نازک اندام ایک گلدستہ پیش کرتی ہے اور تمام شب بادشاہ لذت و سرور میں بسر کرتا ہے آخر نوبت اوس معشوقہ کی پہونچتی ہے جس کا وصال طلسم کا خاتمہ ہے۔

یہ نازنین ایسی ماہ طلعت و پری پیکر ہے کہ سارے طلسمات میں ایسی دلکش صورت اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی بادشاہ بیتاب ہو کر اوس سے ہم آغوش ہوا چاہتا ہے وہ اوس وقت اپنی نزاکت جس پیرایہ میں بیان کرتی ہے اوس سے یہ نکتہ حل ہوتا ہے کہ حسن کی سرکار ایسا بلند پایہ رکھتی ہے جہاں شاہانہ جاہ و تجمل اور ملوکانہ آرایش بھی ہیچ ہے ملاحظہ ہو ؎

ترک جادو گرِ فریب انگیز   گفت آہے بزن برآتشِ تیز
گرد میدان بارگہ برتست   تن شاہانہ را ببایدشست
تا نگردد چو گیرمت بکنار   نازک اندام من زگرد فگار
کہ مرا نام مردم دیدہ است   گرد بر دیدہ ناپسندیدہ است

لیل و نہار شاعر کا یہ بھی کمال ہے کہ اگر اوسے ایک ہی مضمون بار بار کہنا ہو تو ہر مرتبہ اوسے ایک جدید پہلو سے کہے مثلاً آفتاب کا طلوع وغروب جب عالم شاعری میں ہو تو ایک نئے انداز سے ہو اسی کے ساتھ استعارے ایسے ہوں جو اون واقعات سے جن کا تعلق اوس لیل و نہار سے ہے

مناسبت رکھتے ہوں اس کی مثالیں اس مثنوی میں بیشمار موجود ہیں یہاں صرف چار شعروں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

صبح

(۱) بامداداں کہ صبح جامہ سفید — پردہ برداشت از رخ خورشید
(۲) گنبد آسماں چو شد بیدود — گشت روشن جہانِ زراندود
(۳) آسماں چوں ز چشمۂ خورشید — کرد پیراہن زمانہ سفید
(۴) شاہ انجم برسم ہر روزہ — چوں برآمد بہ تخت فیروزہ

شب

(۱) شب چو دریائے چرخ برزد رنگ — چشمۂ مہر شد بکام نہنگ
(۲) چوں جہاں رخ نمود در پرِ زاغ — شد فلک پر ز صد ہزار چراغ
(۳) در پرِ زاغ چوں نہاں شد مہر — پر طاؤس باز کرد سپہر
(۴) چرخ چوں زلف شب فگندہ بدوش — ماہ گشت از ستارہ زیور پوش

ہر شعر کا استعارہ کیا لطف پیدا کرتا ہے اوس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اصل قصہ پڑھنا ضرور ہے یہ کل اشعار ہشت بہشت سے لئے گئے ہیں ناظرین اگر چاہیں تو صرف ایک ہی قصہ پڑھ کر شاعر کی طبع روشن کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

وصل و وصال | بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا اظہار نہایت ہی مشکل ہوتا ہے کہیں آداب و تہذیب کا قانون زبان کی مقراض بننے کو

تیار ہوتا ہے اور کہیں حیا گلو گیر ہوتی ہے لیکن ایک قادر البیان چند الفاظ کے
ایر پھیر میں سب کچھ اس صفائی سے کہہ جاتا ہے کہ مخاطب صحیح سمجھ جاتا ہے اور
معترض منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

خلوت کی باتیں عاشق جانے یا معشوق۔ زبان اوس کا افشا کیوں کر کرے
لیکن جس کے قلم میں زور ہے وہ حسن بیان کا پردہ ڈال کر یوں کہتا ہے۔

پہلی مثال

خویش را کردہ بود لعبت سیم	بمراد حریف خود تسلیم
او بدنداں عقیق رامی سفت	قندی خست وانگبیں میرفت
زاں لب لعل می کشید شراب	نقل ہم پستہ بود ہم عناب

دوسری مثال

در برآورد یار زیبا را	کرد خوش جان ناشکیبا را
یافت آں آرزو کہ در سر داشت	کام دل دید و کام دل برداشت
ہمہ شب بابت بہشتی خویش	راند در جوئے شیر کشتی خویش

تیسری مثال

عاشقانہ بپائے یار فتاد	کار با بوس و با کنار فتاد
او درآویخت در دو زلف چو شست	گردن خود بطوق مشکیں بست
روے بر رو نہاد و دوش بدوش	خرمن گل کشید در آغوش

برد غارت بدرج مروارید   این ہمی چید او ہمی بارید

ایک ہی معنی کو گوناگوں رنگیں لباس اور نئے شان اور نئی ادا سے آراستہ کرنا خسرو کا حصہ ہے۔

جزئیات داستان نگاری

داستان نگاری کے ذیل میں بہت سی چھوٹی باتیں ایسی آتی جاتی ہیں جن کا کوئی خاص مرتبہ تو نہیں ہوتا لیکن ان کا بیان اس کا ضرور مقتضی ہوتا ہے کہ اس انداز سے کہی جائیں کہ خالی از لطف نہوں۔ مثلاً باغ و راغ کوہ و صحرا یا معشوقوں کا سراپا وغیرہ اثنائے قصہ میں اگر ان کے بیان میں طوالت کی جای تو تسلسل میں خلل پڑتا ہے اور اگر انہیں معمولی الفاظ میں کہا جاے تو لطف بیان جاتا ہے۔ بدیں وجہ ایک باکمال شاعر ہمیشہ ایسے مواقع پر پھولوں کا ایک چمن کھلاتا ہوا بلبلوں کے چہچہے سناتا ہوا کسی پری جمال کی ایک جھلک دکھاتا ہوا ناظرین کو اصل داستان کی طرف بڑھائے جاتا ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ بھی اس مثنوی میں ایسے مقام کا کم سے کم ایک اور زیادہ سے زیادہ تین شعروں میں حق ادا کرتے ہوئے داستان کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں ؎

وصف معشوقہ

رخ بزیبائی از گل افزوں داشت   پاے تا سر لباس گلگوں داشت

صنمے دید آفتاب درفش   شقۂ بر تن از حریر بنفش

دید کامد میانۂ بازار شاہدے ہمچو صد ہزار نگار
زلفِ مرغول عنبر آلودہ ہندو آسا بگل بر آمودہ
نرگسش از کرشمہ شور انگیز کشتہ عشاق را بغمزۂ تیز

باغ وصحرا

لالہ برکف گرفتہ جامِ شراب نرگس از مستی اوفتادہ بخواب
گشتہ باد از شگوفہ عنبر بوے سبزۂ نو دمیدہ بر لبِ جوے
سو بسو از درخت میوہ قطار شاخ سر بر زمیں فتادہ ز بار
دید در پیشِ غار صحرائے لالہ وگل دمیدہ ہر جائے
کشت در کشت روضۂ چو بہشت جوے بر جوے بر کنارۂ کشت
بر سر سبزہائے مینا رنگ نائے کنجشک پُر ز نغمۂ چنگ

اسی طرح کی بہت سی جزئی باتیں ہیں جن کا احاطہ تمثیل وتحریر سے ناممکن ہے ایک وہ شخص جس نے داستان گوئی و داستان نویسی کے فلسفہ کو سمجھا ہے وہی خسرو علیہ الرحمۃ کی واقعہ نگاری کی داد دے سکتا ہے ہشت بہشت و ہفت پیکر کے قصص اگر اس نگاہ سے کوئی مطالعہ کرے تو اسے خسرو علیہ الرحمۃ

کی برتری صاف دکھائی دے گی۔

تشبیہ و استعارے

نظم ہو یا نثر، حالت فرحت و انبساط ہو یا رنج و اضمحلال تشبیہ و استعارے سے کلام بہت کم خالی ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات بیخواستہ جذبات کا اظہار تشبیہ و استعارے میں ہو جاتا ہے مثلاً حالت غم و اندوہ میں اظہار غمناکی اس طرح کرتے ہیں کمر ٹوٹ گئی چھاتی پھٹ گئی دل خون ہو گیا۔ حالانکہ ایک غم زدہ مصیبت کا مارا تصنّع و تکلف کر نہیں سکتا یہ تو جذبات کا زور ہے جو اس کے منہ سے کلمات استعارے میں نکل رہے ہیں۔ اب ایک ایسی چیز جو اس قدر عام ہو سلسلۂ نظم میں کس قدر ندرت و لطافت چاہے گی۔ شاعر کا اس صنف صنعت میں یہ کمال ہے کہ اوس کے استعارے و تشبیہ ایسی روانی و سلاست سے نظم ہوئے ہوں جس میں تکلف و تصنّع کا شائبہ تک نہو۔ ایسی جدّت و ندرت اوس تشبیہ و استعارے میں ہو کہ اوسے سنکر سامع میں شگفتگی پیدا ہو جاے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری کہ اوس میں پیچیدگی نہو جدت ہو زور ہو لیکن سامع کو سمجھنے میں تکلف نہو۔

اب ہم جا بجا سے ایسے اشعار التقاط کر کے لکھتے ہیں جن کے طرز ادا اور حسن بیان میں ندرت تشبیہ یا جدت استعارہ یا کوئی دوسری خوبی ایسی پائی جاتی ہے جو مثنوی کے لئے زیور ہے۔ ایسے اشعار کے مواقع سمجھنے کے لیے قصوں کو ضرور پڑھ جانا چاہیئے۔ یہاں تو صرف کلام کی خوشنمائی و دل فریبی کا بیان مقصود ہے۔

بہشت سوم

زاں طلسمے کہ کرد مردِ دلیر　　　مہ ز برشد عطارد آمد زیر

یہ وہ موقع ہے کہ حسن زرگر اپنی حکیمانہ چال سے اُس قید خانہ طلسم سے رہائی پاتا ہے اور اس کی بی بی جس نے افشائے راز کیا تھا وہ اوپر پہنچکر قید ہو جاتی ہے۔ عطارد کی منزل چاند سے اوپر ہے۔ یہاں معاملہ برعکس ہو گیا۔ اس لیے خوبی مصرعہ ظاہر۔

بہشت چارم

جانِ شیریں بداں شکر خا داد　　　خضرے را دمِ مسیحا داد

بادشاہ ہرن کے کالبد کو چھوڑ کر طوطی کے قالب میں آیا ہے طوطی ہند کی شکر گفتاری مشہور ہے اس موقع پر اُس کو مسیحا دم بتانا اور رنگ سبز کی باعث خضر سے جنھیں حیات جاوید حاصل ہے تشبیہ دینا قابل لحاظ ہے۔

ایضاً

در زماں مرغ را بہ خنجر کشت　　　کشتہ را ایں کہ باز دیگر گشت

وزیر نابکار کالبد شاہی کو چھوڑ کر مرغ کے مردہ جسم میں آیا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ کوئی ایک بار

مرتا ہی یہ بدشعار وزیر دو بار مرا۔ ایک تو جب اپنے قالب کو رہا کرکے قالب شاہی میں آیا۔ اور ایک جب مُرغ کے قالب میں آکر ذبح ہو گیا۔

بہشت پنجم

بان نوشند نشاط فرماید خسپد و خیزد و فرود آید

جس طرح ایک موصوف کے لیے کئی صفات پے در پے ذکر کرنا صنعتِ تنسیق الصفات ہی اسی طرح چند افعال کا پے در پے ایک فاعل کے لیے بیان یہ بھی صنعت ہی۔
بادشاہ کی بادہ پیمائی، معشوقہ دل نواز سے طرب انگیزی، خواب شیریں کا لطف اور سحر کے وقت بالاخانہ سے اتر کر باہر آنا یہ سب کس اختصار کے ساتھ ایک شعر میں آگیا ہی۔

ایضاً

کردہ رہ تا بجایگاہ رسید زیر زیر زمیں بماہ رسید

جائے گاہ معنی منزل گاہ۔ زیر زمیں چل کر ماہ تک پہونچنے کا لطیفہ کیا نادر ہی۔

ایضاً

شاہ را کامد آں صنم در پیش گم شد اوّل در و پس از خویش

بادشاہ ملک کو دیکھکر پہلے اُس کے حسن و جمال سے متحیر و شسدر ہو جاتا ہی۔ پھر اُس کی صورت بعینہٖ اپنی معشوقہ بادشاہ بیگم سے مشابہ پاکر دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہی۔
الٰہی یہ ماجرا کیا ہی۔ غیر کا مکان۔ غریب الوطن میزبان اُس کے گھر بادشاہ بیگم ساقی کی خدمت

کیونکر انجام دے سکتی ہے۔ اس جلسہ میں اُس کا آنا اور اس بے حجابی سے محفل میں حاضرین کو اداے محبوبانہ سے والہ و شیدا بنانا کیونکر ممکن ہے ع

گم شدا وّل در دپس اندر خویش

میں اختصار و وضاحت کو جس طرح جمع کیا ہے وہ قابل ہزار داد ہے۔

ہشت بہشت

آفتابے بکف گرفتہ چراغ — دید کامد بروں ز گوشۂ باغ

خود چو خورشید و شمع اندر پیش — صد ہزاراں ستارہ گرد و پیش

یہ وہ سماں ہے کہ پریوں کی ملکہ پچھلی شب کو چراغ ہاتھ میں لیے باغ میں آتی ہے اور پریاں تاروں کی طرح اس کو حلقہ کیے ہوئے ہیں۔ شاعرانہ انداز بیان کا لطف ظاہر ہے۔

ایضاً

شمع را پیش برد قبلۂ حور — او چو پروانہ در حوالی نور

یہ وہ موقع ہے کہ پریوں کی ملکہ کی کنیز سوداگر زادہ کو بلا کر لے جاتی ہے۔ خود شمع لیے ہوئے آگے آگے جا رہی ہے اور سوداگر زادہ اُس کی روشنی میں پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔ پروانوں کا قاعدہ ہے کہ جہاں شمع ہوگی وہاں آ آکر آئینگے اور جمع ہونگے۔ اب شمع کو جہاں لے جاؤ وہ اُس کے ساتھ ساتھ ہیں سوداگر زادہ جس لطف و کیف میں کہ اُس کنیز کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے الفاظ میں اُس کی بہتر تصویر کشی اس سے اور کیا زیادہ ہوسکتی ہے۔

ایضاً

برد غارت بدُرجِ مروارید — ادہی چیداین ہمی بارید

لطف بوسہ بازی کی یہ ایک اچھوتی تشبیہ ہی۔ جس انداز سے امیر صاحب نے اس مضمون کو بیان کیا ہی یہ اُنھیں کا حصہ ہی۔ دوسرے کسی شاعر کے کلام میں اس لطف کی ساتھ یہ مضمون نہیں دیکھا گیا۔

ایضاً

صُبح چوں کرد جیبِ ظُلمت چاک — سایۂ خاک رفت ہم در خاک

تاریکی شب زمین کا سایہ ہی۔ جب صُبح ہوتی ہی تو سایہ جہاں سے نکلا تھا اسی جگہ پوشیدہ بھی ہوجاتا ہی۔ بیان کا یہ طرز اپنی جدت میں کیا شان رکھتا ہی۔

بہشت ہفتم

مو پریشان و روخراشیدہ — سمن از برگِ گل تراشیدہ

ملکہ نے حنائی اُنگلیوں سے اپنے چہرہ کو جو نوچا ہی اُس کی کیسی پیاری تشبیہ ہی۔ پھر ایک ہی شعر میں الفاظ پریشان و خراشیدہ و تراشیدہ اظہار رنج و غم کے لیے کس قدر موزون و جامع ہیں۔ اِس کتاب کی شعر و شاعری کے متعلق جن لطائف کا نمونہ پیش کرنا تھا جستہ جستہ اُن کی طرف اشارہ کردیا گیا۔

اب دوسری حیثیت سے اس کتاب پر تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت ہی جس سے یہ معلوم ہو کہ محاسن شعری کے علاوہ قصّوں کے ساتھ ساتھ کوئی سبق اخلاق کا بھی ملتا ہی

یا نہیں۔ ان داستانوں سے اصلاحِ نفس و حصولِ عزت بھی ممکن ہی یا نہیں۔ قصص کے ذیل میں تدبر و تفکر کا نتیجہ اور اُس کی ترغیب پائی جاتی ہی یا نہیں۔ مصنف نے تصنیف کے وقت ان باتوں کا خیال رکھا تھا یا نہیں، ناقد کو اس سے کوئی بحث نہیں ہاں اگر مصنف کا خیال بھی کسی طرح معلوم ہو جائے۔ تو یہ ایک اضافہ اُس مصنف کے کمال میں ہوگا۔ لیکن نقد کے لیے صاحبِ تصنیف کے خیال کی جستجو ایک عبث شئے ہی۔

الف لیلہ کب لکھی گئی اور آج یورپ اُس پر اپنے نوٹ چڑھاتا ہی جس سے تاریخی معلومات پیدا ہوتے ہیں حالانکہ لکھنے والے کا خیال بھی اس طرف نہیں گیا ہوگا کہ یہ داستان الف لیلہ کسی وقت اُن بیش بہا معلوماتِ تاریخی کا سُراغ بتائیگی۔ مصر کا تمدن بہت قدیم تھا۔ اُس وقت کی لکھی کوئی تاریخ ڈھونڈو تو نہ ملیگی۔ لیکن اُس کے کھنڈروں میں پھر پھرا کر اور قدیم آثار میں غور و فکر پیدا کر کے عہد قدیم مصر کی ایک تاریخ درست کر دی گئی جس پر بہت کچھ اعتماد کیا جاسکتا ہی۔ ایک سُراغ سے اتنے نہانی سراغوں کا پتہ لگا ہی کہ عقل متحیر ہو جاتی ہی۔

انگریزی میں شیکسپیر کے ڈرامے مشہور ہیں۔ لیکن اب اُن ڈراموں کی شارحین نے وہ بال کی کھال کھینچی ہی اور نکات بیان کیے ہیں کہ شاید شیکسپیر کا وہم بھی وہاں تک نہ پہنچا ہوگا۔ غرض اس سے یہ ہی کہ ناقد کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جس نکتہ کو وہ بیان کرنا چاہتا ہی مصنف کا ذہن بھی اُس طرف منتقل ہوا تھا یا نہیں۔ اُس کو کامل اختیار حاصل ہی کہ مفید یا غیر مفید جیسا کچھ بھی وہ نتیجہ حاصل کرے اُسے بیان کر دے۔ لیکن امر علیٰ الاجمہ

میں یہ کمال ہے کہ جس طرح نظم کی قوت اُن میں وسیع ہے اسی طرح اخلاق کا دامن بھی اُن کا طویل الذیل ہے۔ وہ صرف شاعری نہیں کرتے بلکہ امراضِ روحانی کے لیے تیر بہدف نسخے لکھتے ہیں۔ ادویات کی تلخی کو قصص و حکایات کی شوخی و شاعرانہ تخیل سے خوش گوار زود ہضم بناتے ہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں قصے تو عیش و عیاشی کے ہیں لیکن ؎

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ است　　　ہر کہ دیدش نقد خود مردانہ است

اگر ذرا تعمقِ نگاہ سے کام لیا جائے تو بیشمار فواید معاشرت و اخلاق اور تمدن وغیرہ کے انھیں قصوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بہشت دوم میں جو قصہ ہے اُس میں شاہزادوں نے جس طرح آثار و علامات کو دیکھکر حکم لگائے ہیں۔ اُسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ گوناگوں علوم و معارف کا دفتر اپنی ذات میں پنہاں رکھتا ہے۔ صحیفہ عالم کے مطالعہ کرنے والے انھیں پیش پا افتادہ چیزوں سے معلومات کے زر و جواہر رول لیتے ہیں۔ ایک غافل وہاں سے بے خبر گذر کر اُن بیش بہا جواہر سے محروم رہ جاتا ہے۔ کائنات کی طرف امعان نظر سے دیکھنا اور اُس میں تفکر و تدبر پیدا کرنا بڑے بڑے نہانی اسرار کا انکشاف کر سکتا ہے جو تزائد عقل اصلاحِ نفس و ترقی تمدن کے باعث ہو سکتے ہیں انگریزی میں اس طرح کے غور و فکر کو (Observation) آبزرویشن کہتے ہیں۔ فلسفہ طبیعات میں اس کی صدہا مثالیں ہیں۔ بہشت سوم میں حسن زرگر کے قصہ سے یہ نصیحت حاصل ہوتی ہے کہ اپنے راز کی حفاظت ضروری امر ہے۔ خاص کر عورتوں سے اُس کا اظہار بسا اوقات خطرات سے دوچار کر دیتا ہے۔ طبقہ اناث کی خلقت کمزور ہے

اور عقل بھی ناقص۔ حسن زرگر نے اپنے راز کو بیوی سے ظاہر کر دیا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے ایک بہت ہی بلند منارہ پر اُس کو مقید کر دیا۔ اسی قصہ سے دوسری نصیحت یہ حاصل ہوتی ہے کہ مصیبت کے وقت اگر دامن صبر ہاتھوں سے نہ چھوٹے تو مخلصی آسان ہے۔ جیسا کہ حسنِ زرگر نے قید ہوکر اپنی عقل کو پراگندگی سے بچایا۔ اور پھر عقل سے کام لیکر اپنے آپ کو رہا اور معشوق راز کو قید کر دیا۔ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ کمال اگر بخت و اتفاق سے مصائب میں مبتلا ہو جائیں۔ اور حساد و اعدا کا وار اُن پر چل بھی جائے پھر بھی کمال آخر میں اُنھیں مرتبۂ اعلیٰ تک پہنچا ہی دیتا ہے۔ جس طرح کہ حسن زرگر بادشاہ کی خدمت میں بلند منصب تک پہنچا۔ اس کی طرف امیر صاحب بھی اشارہ فرماتے ہیں۔

از خرد کارش آں روائی یافت   کز ملک شغل کدخدائی یافت

تا بدانی کہ ہر کرا خرد ست   آرزو ہاش در کنار خود ست

اِن دو شعروں سے یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ خسرو کا مقصد قصہ خوانی نہیں ہے۔ بلکہ تلقین و نصیحت کا یہ ایک پیرایہ ہے۔ ہاں یہ سوال ایک سطحی نظر کا شخص کر سکتا ہے کہ نصیحت کسی ایسے قصہ سے بھی بیان کی جا سکتی تھی جس میں اس طرح کے مضامین خلاف تقدس نہ ہوتے۔ لیکن ارباب فن جو اپنے پہلو میں ایک درمند دل رکھتے ہیں وہی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ نصائح کے محتاج وہی بیچارے گنہگار ہیں جن کا حاسہ اخلاق استقدر مردہ و بے حس ہو گیا ہے کہ نیکی و کمال کے محاسن سنکر اُن کے حاسہ اخلاق میں جنبش تک نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے سمجھانے کا یہی طریقہ بہتر ہے کہ وہ جن معائب میں مبتلا ہوں

قصہ انھیں کے رنگ کا چھیڑا جائے۔ ہم مشربی وہم رنگی اُن کی توجہ کو کامل طور سے مبذول رکھیگی۔ لیکن جب کہ آخر میں نتیجہ رسوا کن نکلیگا تو اُن کو یقیناً خود بخود یہ خیال پیدا ہو گا کہ جس طرح ہمارے ہم مشرب کو رسوا ہونا پڑا ہو سکتا ہی کہ ہمیں بھی رسوائی نصیب ہو۔ بہرحال اس بحث کا یہ محل نہیں۔ یہاں تو صرف اسقدر بیان کرنا ہی کہ خُذْ مَا صَفَا دَعْ مَا کَدَرَ۔ "ہزل بگزار جدا زو بردار" کو پیش نظر رکھکر اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت کچھ زر و جواہر خرابہ سے بھی مل سکتے ہیں۔ کیسے مُبارک نفوس تھے مسلین سلف کے بن کے ہزل میں بھی فوائد ومنافع تھے۔

مقابلہ ہفت پیکر وہشت بہشت

اس سے پیشتر کہ مقابلہ میں دونوں کا رنگ دکھایا جائے یہ کہدینا مناسب ہی کہ مقصود دونوں حضرات کے لطف کلام کا اظہار ہی نہ کسی کی پستی و بلندی دونوں کلام اپنے اپنے رنگ میں ارفع و اعلیٰ۔ پستی کا کسی جانب گزر کہاں۔ دونوں ہمارے ہر حیثیت سے پیشوا و مقتدا۔ ہاں جس کے کلام میں جو لطف و نزاکت کہ فقیر نے سمجھی ہی اُسے اپنی فہم کے مطابق اہل وطن کے سامنے پیش کر دیا ہی۔ اگر انھیں بھی پسند آئے تو چشم ما روشن و رنہ دلِ ماشاد۔ یہ تو اپنا اپنا مذاق ہی اور اپنا اپنا معیار ؎

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن نہ مرا گوش بہ مدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

حمد حمد کا مضمون ایسا دلچسپ ترانہ اور دلکش نغمہ ہے کہ تمام عالم حیوان، نبات وجماد کی زبان قال وحال کا ساز اوس کے کیف ولطف سے ترنم ریز مستی وسرور ہی جس کی سبحہ گردانی کا اظہار خود محمود کے اس روح افزا صوت وصدا سے ہو رہا ہے کہ یسبح للہ ما فی السموٰت وما فی الارض مگر جس کو دیکھئے ایک نئی دھن سے گا رہا ہے اور جس پر نظر کیجئے ایک عجیب بیخودی کے جوش میں الاپ رہا ہی الحق ؎

اے ترا با ہر دلے رازے دگر   ہر گدا را بر درت نازے دگر

پھر انسان جس کی دستار فضیلت پر علمہ البیان کی کلغی سجائی گئی ہو اس کی شیوہ بیانی کا کیا پوچھنا۔ علی الخصوص رہروان سلوک ومعرفت تو کچھ ایسے دلکش ساز میں حمد کی صدا سُنا جاتے ہیں کہ صدیوں بعد جب کبھی ان کے کلام کا اعادہ کیا جاتا ہے تو ارباب ظاہر وغفلت شعار بنی آدم بھی تھوڑی دیر کے لئے وجد میں آکر بیخود ہو ہی جاتے ہیں اِس وقت حضرت نظامی وحضرت امیر خسرو (علیہما الرحمۃ) کی مثنوی ہفت پیکر وہشت بہشت سے چند اشعار لیکر پیش کرتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو کہ اوس قادر مطلق نے ان شیریں بیانوں کو کیسی قوت وقدرت عطا فرمائی تھی کہ باوجود امتداد دہر وتغیرات گوناگوں آج بھی اُن کے کلام کی حلاوت اوسی طرح ذوق نواز ہے۔

حمد کے ارکان حمد میں چند باتیں ہیں جنھیں ایک باکمال سخنور علی الترتیب بیان کیا کرتا ہے سب سے پہلے واجب الوجود وقدیم بالذات کا مسئلہ آتا ہی اس کے بعد

ربوبیت و تخلیق کا مضمون۔ پھر عبد و معبود کا علاقہ اور آخر میں نیازمندی و دعا طرازی انھیں عناصر اربعہ سے ایک حمد کامل حمد کہی جاتی ہے جس کا طریقہ خود اوس جل مجدہٗ نے سورۂ فاتحہ میں بتا دیا ہے۔

اس وقت تفصیلی بحث تو ان دونوں باکمالوں کے مضمون حمد پر مقصود نہیں لیکن جستہ جستہ بعض اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں جس سے اقلیم سخن پر اُن دونوں سخنوروں کے سلطنت کی نوعیت معلوم ہوگی۔

مسئلہ وجوب و قدم

نظامی	خسرو
اے جہاں دیدہ بود خویش از تو	اے کشایندۂ خزانۂ جود
ہیچ بودے نبود پیش از تو	نقش پیوند کارگاہ وجود
آفرینندۂ خزانۂ جود	بود بی را ہمیشہ بود از تو
مبدع و آفریدگار وجود	بود نابود را وجود از تو

مولٰنا نے جس خوبی سے ذات عزاسمہٗ کا وجوب و قدم اور خالق جملہ کائنات ہونا بیان فرمایا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جس سادگی سے دلیل لائی گئی ہے اور ایک کے تسلیم سے دوسرے کا لزوم جس خوبی سے پیدا کیا ہے اوس کے سامنے حکماء و متکلمین کے دلائل ہیچ ہیں اوس پر بود و نبود اور جود و وجود میں صنعت تجنیس و اشتقاق صنائع لفظی کی عمدہ مثال۔

لیکن اسی مضمون کو جس روانی و سلاست سے کہ خسرو کہتے ہیں اوس کی برتری وبلندی صاف عیاں ہے۔ پہلا شعر دوسرے شعر کا جواب ہی اور دوسرا شعر پہلے شعر کا نقش ثانی وہی الفاظ ہیں اور اوسی صنعت تجنیس واشتقاق کے التزام کے ساتھ اوسی مضمون کی تکرار ہے مگر قابل لحاظ یہ امر ہے کہ چند نئے الفاظ کی نئی ترکیب نے اصل مضمون کو کس درجہ اوج کمال پر پہونچا دیا ہے بالخاص کر دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ "بودنی را ہمیشہ بود از تو" جہاں ذات باریتعالیٰ کے خالق ہونے کا اقرار ہی وہاں مادیین کے ایک ملحدانہ مسئلہ کا جواب بھی ہے۔

یہ حق ناشناس فرقہ کہتا ہے کہ جس قدر اشیار کا ظہور عالم میں ہو رہا ہے وہ تنوعات حرکت اور مادۂ قدیم کی جنبش کا نتیجہ ہے خسرو اس خیال باطل کا رد کرتے ہیں اور صحیح فلسفہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ہر ایسی شے جو ہست ہونے کی قابلیت رکھتی ہے وہ ہمیشہ ہر آن و ہر زمان تجہی سے خلعت وجود پہن رہی ہے تیرے سوا کوئی خالق کسی شے کا ہو نہیں سکتا۔ اسی شعر کا دوسرا مصرعہ "بودنا بودرا وجود از تو" لطف صنعت تضاد کے ساتھ تمام ماسوی اللہ کے وجود امکانی کو جو نیستی سے فضائے ہستی میں آیا ہے جس طرح وجود واجب کی تجلیات کا مظہر بتا رہا ہے وہ بھی قابل ہزار داد ہے۔ مولٰنا نظامی نے جس قدر مضمون کہ اپنے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں کہا تھا اوس سے بہت زیادہ اس دوسرے شعر کے ایک مصرعہ میں موجود ہی۔

اب ایک نظر اس پر ڈالنی چاہیئے کہ خسرو نے ان خوبیوں کے علاوہ بندش

والفاظ میں کیا ترقی کی ہے مولٰنا نظامی نے خداوند کریم کو خزانہ جود کا آفرینندہ اور امیر خسرو نے خزانۂ جود کا کشایندہ قرار دیا ہے اس وقت فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ خزانہ جود کے لئے اوس کو کشایندہ کہنا زیادہ فصیح اور بلاغت کا پہلو لئے ہوئے ہے یا آفرینندہ کہنا کوئی خاص لطف پیدا کرتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اہل مذاق صحیح خزانہ کے لئے فتح وکشود کو زیادہ مناسب سمجھیں۔

اسی طرح مولٰنا نظامی کے کلام میں مبدع کا لفظ جس کی تفسیر عطف تفسیری کے ساتھ لفظ آفریدگار نے کی ہے وہ لطف نہیں پیدا کرتا ہے جو امیر خسرو کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں صرف ایک لفظ نقش پیوند نے اپنی چست بندش سے ایک خاص خوبی پیدا کر دی ہے۔

قاعدہ ہے کہ جب کوئی مقلد کسی مضمون میں کسی موجد کی تقلید اس طرح کرے کہ وہ اوسی مضمون خاص کو اونھیں الفاظ میں ادا کرنا چاہے جس کو موجد نے اختیار کیا تھا تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مقلد چاہے جس قدر کوشش کرے لیکن اوس اصل کے مقابل اہل معنی یہ ضرور امتیاز کر لیتے ہیں کہ وہ اصل ہے اور یہ نقل۔ مگر خسرو میں یہ خاص کمال اور اہل فن ہونے کی دلیل ہے کہ وہ اپنے حسن کلام اور زور بیان میں مقلد نہیں سمجھے جا سکتے۔ بلکہ ہر موقع پر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنی روش خاص میں اس بندش وترکیب کے خود موجد ہیں۔

دوسری خصوصیت خسرو کی یہ ہے کہ جس مضمون کو مولانا نظامی نے انتہائے بلندی تک پہونچا دیا ہے اور اس میں کوئی پہلو کمال کا باقی نہیں رہا تو وہاں سے خسرو صاف آگے نکل جاتے ہیں اور اُسے ہاتھ تک نہیں لگاتے لیکن جہاں مضمون تشنہ ہی تو پھر وہاں یہ مینہ برسا دیتے ہیں خسرو کی یہ دونوں خصوصیتیں آپ کو جابجا ملینگی۔

وحدت الوجود

نظامی	خسرو
سازمند از تو گشت کار ہمہ	لاے توحید اژدہاست بپائے
اے ہمہ آفریدگار ہمہ	کہ خدایان خورد بغیر خدائے
ہستی و نیست مثل و مانندت	اندر آں لاے معرفت پیشہ
عاقلاں بزچنیں ندانندت	لام الف گشت پاے اندیشہ
	ہست بی نیست آشکار و نہفت
	ہم تو ئی لیحز تراتشاید گفت

مولانا کے شعر میں ہست و نیست مثل و مانند میں جو لفظی تناسب ہے اس کا لطف ظاہر ہے لیکن عقلا کے علم و عرفان کا (ہستی و نیست مثل و مانندت) میں انحصار جیسا کہ واقعہ ہے ویسا ہی دلکش طرز میں ادا بھی ہوا ہے مگر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ وحدت الوجود کا ایک سرجوش جرعہ ہے جو ہزاروں خم کا نشہ رکھتا ہے

ایک ہی مصرعہ میں ایسے اہم مسئلہ کو اس صفائی و سادگی سے بیان کر جانا مولانا نظامی کا حصہ ہو گیا اس مسئلے کی تحقیق جسے حاصل ہو گی وہ (دل ہمہ آفرید گار ہمہ) کی جب تکرار کرے گا ایک لطف تازہ پائیگا امیر خسرو نے بھی اس مسئلہ کو بیان کیا ہے لیکن آپ نے یہاں بھی وہی طرز اختیار کیا جس طرز کے وہ خود موجد و امام ہیں یہ طرز بیان کچھ اس مثنوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سرکار خسروی کی اقلیم سخن کا یہ بے بہا جواہر اکثر اصناف نظم میں درخشاں وتاباں ہے چنانچہ وہ معرکۃ الآراء قصیدہ مرآۃ الصفا جو خاقانی کے جواب میں ہے اوس میں فرماتے ہیں ؎

زدریاے شہادت گر نہنگ لا بر آرد سر تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش

اس شعر کی شرح میں مولانا جامی کا ایک رسالہ بھی ہے۔ مذکور الصدر اشعار مثنوی کو پڑھئے قطع نظر اس تجنیس و تناسب کے جو بہ پا و دریاے اندیشہ لا و لام الف میں ہے مقام نفی و اثبات کو کس عارفانہ و مجددانہ طرز سے بیان کیا ہے۔

کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کے جو رموز و دقائق ائمۂ تصوّف نے بیان کئے ہیں اُن میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ توحید الوہیت عین وحدت الوجود ہے۔ افسوس کہ اوس شرح کی یہ تنقید متحمل نہیں ہو سکتی۔ بہر حال یہ اشعار وحدت الوجود کے لئے ایک بلاغت کے ساتھ گویا ایک حق نما آئینہ ہیں فہم من فہم۔

اب خسرو کا تیسرا شعر ملاحظہ ہو ؎

ہست ونیست آشکار ونہفت ہم تو ئی جز ترا نشاید گفت

یہ شعر دراصل مولنا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہے فن معقول
میں واجب کی تعریف یہ ہے کہ جس کی ہستی ضروری اور نیستی محال ہست بے
نیست اوسی کا ترجمہ ہے۔ ماسوی کا ترجمہ جز ترا واقع ہوا ہے اب شعر پھر پڑھو
ہست ونیست آشکار ونہفت میں صنعت تقابل وتضاد کی خوبی عالم امکان کی
بے ثباتی وجود واجب کا صورتاً ومعناً ثبوت' ہوالاول والآخر والظاہر والباطن
کی طرف رہبری ایک مضامین گوناگوں کا ہجوم اس شعر میں پاؤگے۔

ربوبیت

خسرو	نظامی
شب فرستی وشب فروزی ہم	تو دہی صبح را شب افروزی
روزی آری فراخ روزی ہم	روز را نور ومرغ را روزی

مولنا کے یہاں روز وشب کا مقابلہ افروزی و روزی کا تناسب قابل
تعریف مگر صبح وشب اور روز و نور کے سلسلے میں روزی مرغ کا ذکر کسی قدر اجنبی
مرغ کی صبح سے مناسبت ظاہر لیکن روزی مرغ کی تخصیص ذرہ غریب۔
امیر خسرو کے شعر میں شب و روز کے تقابل اور فروز در وز کے تناسب کے ساتھ
اصل مضمون ایک خاص خوبی سے ادا ہوا ہے جس طرح شب افروز ماہ ہے اوسی طرح
فراخ روز آفتاب جس کا تقابل تناسب معنوی کا عمدہ پہلو ہے مگر بحالت یاے مجہول

آفتاب کو فراخ روز اور بحالت یاے معروف فراخ روزی کہنا اس ترکیب میں دو معنی کا ایہام ہے جن میں ہر ایک بجاے خود لطف سے خالی نہیں اوّل فراخ روز اُس شخص کو کہتے ہیں جو بخت و دولت میں اوروں سے زیادہ حصّہ رکھتا ہو۔ اس اعتبار سے تمام کواکب کے مقابل آفتاب اس صفت میں مخصوص ہے۔ دوم فراخ روز و فراخ روزی کی ترکیب لفظی دلالت کرتی ہے کہ جو شخص روز یا روزی کا ذریعہ ہے وہ فراخ روز یا فراخ روزی سمجھا جائیگا ایسی حالیتں جبکہ آفتاب ہر روز کی روشنی کا ذریعہ اور مربی نباتات ہے بہرنوع وہ فراخ روز یا فراخ روزی ہو سکتا ہے۔

خسرو	نظامی
گر بجاں زندگی ست حیواں را	اے بتو زندہ ہر کرا جانیست
زندگانی تو میدہی جاں را	وز تو نور تو ہر کرا نانیست
جاں کہ او را بماند کس	بحیات ست زندہ موجودات
رایگانش دہی بمو رو مگس	زندہ لیک از وجو دست حیات

مثنوی کی سلاست موجود رکھتے ہوئے خدا کی رزاقی و حیات بخشی کو معمولی طور پر بیان کیا ہے پہلے شعر میں اس کے سوا کوئی خاص خوبی نہیں ہے ہاں دوسرا شعر مولنا کے کمال کا شاہد ہے اور آپ کی خلاقی مضمون کا نمونہ۔ لیکن خسرو کے یہاں یہی مضمون ایسے طرز سے ادا ہوا ہے کہ اس میں جان پڑگئی۔ زندگی و زندگانی

کا تناسب اور مورد نگس کا مقابلہ جان کے عزیز و بے بہا ہونے کو تیسرے مصرعہ
میں ثابت کرتے ہوئے خزانہ کریم کی بے دریغ بخشش کو "رایگان دہی"
کے ساتھ بیان کرنا عجیب جاں نوازانداز ہے۔

خسرو کا پہلا شعر مولنا کے دوسرے شعر کا نقش ثانی ہے جس کے خط و
خال زیادہ دلپذیر ہیں لیکن دوسرا شعر خاص خزانہ خسروی کا درشا ہوار ہے۔

مدعا طرازی

نظامی	خسرو
چوں کہ بردر گہہ تو گشتم پیر	آمدم بر درِ تو بے خود وار
زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر	باخودم دار و بیخودم مگذار
چہ سخن کیں سخن خطاست ہمہ	بکرم رحمت خواہیم بسوز
تو مرائی جہاں مراست ہمہ	بندہ ام خوانُ بندگی آموز
من سرگشتہ راز کار جہاں	دُور کن باد خسروی زسرم
تو توانی رہاند باز رہاں	پُر کن از خاک بندگی بصرم

مولنا کے اشعار دعائیہ پڑھو۔ اُن سے یہ معلوم ہوگا کہ ایک وہ بندہ جسکی
عمر آستانہ خالق پر بسر ہوئی ہے پیری کی حالت میں جب مقام خوف کی سیر
کرتا ہے تو (زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر) کی صدا بلند کرتا ہے پھر جب مقام رجا
پر پہونچتا ہے اوس وقت (تو مرائی جہاں مراست ہمہ) کا جلوہ اوس کے پیش نظر

ہوتا ہے ان سب سے اوس بندے کی شکستگی وخاکساری اور توکل وقناعت کلی صاف ظاہر ہے لیکن یہی دعا جب خسرو کی زبان سے نکلتی ہے تو سوز و گداز سوختگی و برشتگی بیہوشی و خود فراموشی میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے پھر دعا کا خاتمہ جس مدعا پر کیا ہے وہ کمال بلندی حوصلہ سے مشعر ہے۔

بیخود و باخود خاک و باد کا تقابل و تناسب باد خسروی کا ایہام اور خواجہ و بندہ کا تلازم گویا صنایع لفظی و رعایات معنوی کا گنجینہ ہے اور نفس مضمون کو جس خوبی سے بیان کیا ہے اوس کا پورا لطف اہل معنی کو آسکتا ہے۔ خاص کر تیسرے شعر میں جس مدعا کی خواستگاری کی گئی ہے وہ تصوف و سلوک کے ایک بڑے مقام کی آرزو ہے بظاہر اس کے یہ معنی ہیں کہ کبر و نخوت کو میرے دماغ سے دور کردے اور نیازمندی و بندگی کی خاک سے میری نگاہ کو بھردے لیکن حقیقتاً غرض یہ ہے کہ خودی و ہستی کے خیال کو میرے سر سے نکال تاکہ میں خود کو مٹا کر فضائے خدائی کی سیر کرسکوں جسے اصطلاح صوفیہ میں سیر فی اللہ کہتے ہیں اور میری آنکھوں کو جو لوازم بندہ و حادث کی دیکھنے والی ہیں اونھیں لوازم بندگی کی خاک سے پُر کردے تاکہ مجکو لوازم بندگی بالکل نظر نہ آئیں اور یہ قاعدہ ہی کہ جب خاک سے بصر پر ہوجاتی ہے تو بینائی کچھ کام نہیں دیتی ہے۔ حمد کے یہ چند اشعار جو ان دونوں باکمالوں کے پیش کیے گئے اُن میں اتحاد مضمون تھا جس سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ ایک ہی مضمون و مفہوم کون کس نکتہ سنجی سے ادا کرتا ہے

اب چند اشعار بلا مقابلہ ایسے نقل کیے جاتے ہیں جن کا مضمون باہم متحد نہیں ہے،

خسرو	نظامی
از تو خاکی خوش آتش ناچیز	نام تو کابتدائے ہر نام ست
بو لہب خوار و بو تراب عزیز	اوّل آغاز و آخر انجام ست
ہر کرا شکر گوے خویش کنی	اوّل الاولی بسبق و شمار
نعمتش را بشکر بیش کنی	آخر الآخر باخر کار
وانکہ باشکر نبودش خویشی	ہر کسے نقشبند پردۂ تست
گوشمالی دہی بدرویشی	ہمہ ہیچند کردۂ تست
	ہمہ را روے باخدا دیدم
	واں خدا بر ہمہ ترا دیدم

مولٰنا نے دوسرے شعر میں ہوالاوّل وہوالآخر کے مضمون کو جس سہل ممتنع الفاظ میں فصاحت وسلاست کے ساتھ بیان کیا ہے اوس کی خوبی ذوق سلیم چاہتی ہے اسی طرح دیگر اشعار بھی اپنی اپنی روش میں ایک خاص معنی رکھتے ہیں۔

خسرو کے یہاں بھی پہلے شعر میں لف ونشر مرتب اور خاک وآتش خوار و عزیز کے تقابل کے سوا جو معنوی تناسب بولہب و بوتراب میں ہے اوس کی خوبی بیان نہیں ہوسکتی پھر خاک کی خوشی اور آگ کی ذلت پر بوتراب کی عزت اور بولہب کی ذلت کو شاہد بنانا ایسی حسن التعلیل ہے کہ اوس کا اظہار غیر ممکن ہے۔

نعت شریف

حمد کے بعد نعت کا مضمون گویا لازم و ملزوم کے مثل ہے ایک نکتہ داں شاعر نعت میں ایسے مضامین رنگینی کے ساتھ بیان کرتا ہے جن سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت آپ کی شان کی عظمت و جلالت ظاہر ہوتی ہے نیز وہ کمالات جو پیغمبر روحی فداہ کے ساتھ مخصوص ہیں اوس کا بیان بھی جذب قلوب کے لئے نعت کا ایک عنصر قوی ہے۔ اگر مضامین نعتیہ کی تحلیل کی جاے تو حسب ذیل اجزا اُس کے قرار پائیں گے۔

(۱) مرتبہ ایجاد میں ذات مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل و اوّل ہونا۔

(۲) رسالت و نبوت کا ذات اقدس پر خاتمہ۔

(۳) آپ کی رسالت کا عامہ و تامہ ہونا۔

(۴) آپ کی شریعت کا تمام شعبہاے حیات انسانی کے لئے ایک کامل دستور العمل ہونا۔

(۵) آپ کے اخلاق مثل شفقت، رحم، عطا، سخا، شجاعت، ہمت وغیرہ وغیرہ (۶) معجزات۔ انہیں مضامین سے رنگیں بیان شاعر نعت کا ایک روح پرور گلدستہ تیار کرتا ہے۔ اس مختصر تمہید کو یاد رکھتے ہوئے بلبلان گلزار مدینہ کی نغمہ سرائی سنناچاہئے۔

نظامی	خسرو
نقطۂ خط اولیں پرکار	روشنائی دو چراغ یقیں
خاتم کار آفرینش کار	نو بنشین و شمع باز پسیں

خسرو	نظامی
نور او کز سپہر صد چند ست	نو بر باغ ہفت چرخ کہن
مہ شگاف و سپہر پیوند ست	دُرۃ التاج عقل و تاج سخن
انبیا پیش آں خجستہ چراغ	
طفل گہوارہ در مقام بلاغ	

مولانا نے اوّل ما خلق اللہ نوری اور خاتم النبیین کے مضمون کو نہایت پسندیدہ طور پر بیان کیا ہے اوّل و آخر کا مقابلہ نقطہ و خط کا تناسب نو و ہفت میں سیاقۃ الاعداد کا التزام جیسا کہ قادر البیانی کا مولانا کے ثبوت ہے ویسا ہی عقل و تاج سخن کا درۃ التاج کہنا ایک نکتۂ جاں نواز ہے۔

یہی مضامین اشعار خسرو میں ہیں یہاں مقصود کا بیان بدلالت التزامی ہے جس کا لطف ظاہر ہے پیشین و پسیں شگاف و پیوند کا تقابل روشنائی، چراغ، نور و ماہ و سپہر کا تناسب مہ شگاف و سپہر پیوند کی تلمیح ایسے صنایع ہیں کہ شعرا کو جن کی بندش میں طرح طرح کی دشواریاں واقع ہوتی ہیں اور یہاں بے تکلف زبان قلم سے نکلا پڑتا ہے ان محاسن سے علاوہ مولانا کے مطلع کا پورا مضمون ایک خاص بلاغت کے ساتھ امیر خسرو کے یہاں صرف ایک مصرعہ میں ادا ہو جاتا ہے نور پیشین و شمع باز پسیں۔ پھر یہ کیسی بلیغ نعت ہے اور انخلق کلہم من نوری دسراجاً منیرا کی کیسی معنی خیز تفسیر بیشک آسی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تجلیاں ہیں جو انبیاے سابقین کی مصور و مقدس حیات اور اُن کے

چشمہ تبلیغ کی روانی و شیرینی ہمیں محسوس ہو رہی ہے اور بیشک یہ واقعہ ہے کہ ایک شمع سے ہزاروں شمعیں جگمگا اُٹھتی ہیں۔ پس وہ شمع جسے اُس حیٌ و قیوم نے عرب کے دوسو کھے پہاڑوں میں روشن کیا اُس سے بشمار شمعیں روشن ہوئیں اور ہوتی رہیں گی ؎

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتو آں　　　ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

پھر مہ شگاف کے لفظ میں معجزہ شق القمر اور سپہر پوند میں آسمان کے خرق و التیام کی تلمیحیں حسن بیان کا نمک ہیں۔ تیسرے شعر کی چستی اور الفاظ کا باہم دست و گریباں ہونا ایسی وجدانی کیفیت ہے کہ اُس کا لطف بیان میں نہیں آسکتا۔ مضمون اس شعر کا ایسا بلیغ ہے جس پر صد آفرین و مرحبا۔ دیکھو تمام انبیا علیہم السّلام کی تبلیغ ایک خاص قوم تک محدود تھی اور اُن کی شریعت ایک خاص دور ایام کی مصلح۔ ان انبیا علیہم السّلام کا کیا ذکر جن کی تبلیغ و تعلیم سے اُمت محروم رہی اور اُنھیں اپنی اُمت ہی کے ہاتھوں جامِ شہادت پینا پڑا۔ اُن اولوالعزم انبیا علیہم السّلام کو دیکھو جن کی دعوت تبلیغ کو لبیک کہا گیا کہ افرادِ اُمت میں سے کسقدر اُن کے متبع ہوئے اور متبعین پر کہاں تک اُس تعلیم کا اثر تھا۔ بنی اسرائیل کا موسیٰ سے یہ کہنا کہ یا موسیٰ اجعل لنا الٰھاً کما لھم آلھہ۔ (یعنی اے موسیٰ ہمارے لیے بھی تو ایک ویسا ہی معبود تیار کر جیسا کہ اُن لوگوں کا معبود ہے) اور عیسائیوں کی تثلیث کیا ظاہر کرتی ہے۔ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جل مجدہ نے خاتم النبیین، کافۃ للناس رحمۃ للعالمین فرما کر آپ کے دامن رسالت کو ایسا وسیع فرما دیا کہ تمام عالم علوی و

سفلی اوس کے سایۂ رحمت میں تا یوم محشر آ گئے دعوت تبلیغ و تاثیر توحید کا نقش دیکھنا ہو تو مہاجرین و انصار کا تصوّر کر لو۔ آغاز اسلام میں کیا کچھ مصائب ان نفوس قدسیہ پر نہ گذر گئے مگر توحید سے ذرّہ برابر جنبش نہ ہوئی آج بھی کلمۂ شہادت کا اقرار خالص توحید کا ثبوت دے رہا ہے اس شعر کو اب پھر پڑھو سے

انبیا پیش آں خجستہ چراغ　　طفل گہوارہ در مقام بلاغ

رسالت ختم المرسلین کے کیسے دقیق نکتوں کی طرف اشارہ ہے فیتدبروا یا اولی الابصار

خسرو	نظامی
خاتم چرخ زادہ ز انگشتش	اوّلیں گل کہ آدمش بفشرد
پدر او چکیدہ از پشتش	صاف او بود دیگراں ہمہ دُرد
اوست جانے کہ قالبش بیقیں	و آخریں دور کا سماں راند
جان روح اللہ است و روح امیں	خطبۂ خاتمیت او خواند
	ایں جسد را حیات ازاں جان ست
	ہمہ تختند و او سلیمان ست

مولانا کے اشعار میں اول و آخر صاف و درد جسد و جان کا تقابل اور خاتم و سلیمان و تخت کا تناسب لفظی و معنوی نہایت ہی پسندیدہ ہے۔ وجود باجود کو اصل الاصول اور بدایت و نہایت کا ذات اقدس سے تعلق ثابت کرنے کے لئے جو الفاظ جمع کئے ہیں ہر ایک اون میں سے ایک درخوش آب ہے (ہمہ تختند و او سلیمان ست) ہیں

ایک نئی ترکیب سے سلطان کونین کی حکمرانی ظاہر و باطن کا اظہار۔

مگر خسرو نے اس موقع پر نازک خیالی اور مضمون آفرینی کی جدت کو اوج کمال پر پہونچا دیا ہے دونوں کے پہلے شعر کو پڑھو ذات گرامی روحی فداہ کے اصل ہونے کو جس طرح خسرو نے بیان کیا ہے اوسکی بلندی علانیہ پاؤ گے۔ کنت نبیاو آدم بین الماء والطین۔ انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری کی تلمیح کیسی لطیف ہے حضرت عیسیٰ جن کا لقب روح اللہ اور حضرت جبرئیل جن کا لقب روح الامین ہے اون کی جانوں کو جان نازنین کا قالب قرار دینا اشعار نعتیہ کی روح ہے۔

نظامی	خسرو
امی و امہات را مایہ	امی و حرف سنج تختۂ کن
عرش سایہ ست عرش را سایہ	قلمش راست کار و راست سخن
پنج نوبت زن شریعت پاک	کاف و نون یک قم ز نامۂ او
چار بالش نہ ولایت خاک	لوح محفوظ زیر حامۂ او
ہمہ ہستی طفیل او مقصود	بہترین نقطۂ رسل بشمار
او محمد رسالتش محمود	آسماں دائرہ است و او پرکار

مولانا کے اشعار میں امی و امہات محمد و محمود کا اشتقاق پنج نو اور چار میں سیاقۃ الاعداد مثنوی کا زیور ہے۔ لیکن آپ کے امی ہونے پر آپ کو مایۂ امہات جو کہا ہے ایسی عجیب و غریب نعت ہے کہ مولانا غالباً اس کے موجد ہیں۔ فقیر کے علم میں

کسی دوسرے شاعر نے اس لفظ کو اس طریق سے نہیں باندھا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ان دونوں فدائیان رسول نے نظم میں بیان کیا ہی نثر میں ایسی تصویر کشی کی جائے کہ تمام خط وخال اس کے واضح ہو جائیں لیکن مدعی متعصب کا خیال قلم روکتا ہے اس لئے صرف ایک اشارہ کرتا ہوں کہ اصطلاح شعر لفظ امہات میں ارباب فلاسفہ سے الگ ہے حکما کی اصطلاح میں امہات سے مراد اربعہ عناصر ہوتے ہیں لیکن شعرا کے نزدیک کبھی اس کا اطلاق عالم علوی و عالم سفلی پر ہوتا ہے اور کبھی امہات سے امہات اسماء مراد ہوتے ہیں جو موافق مذہب صوفیہ الاوّل والآخر والظاہر والباطن یہ چار اسماء الٰہیہ ہیں ان لطیف اشارات کا لحاظ رکھتے ہوئے شعر پڑھیے اور ہزاروں داد دیجئے۔

خسرو بھی علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں امی ہونے پر عالم ماکان ومایکون ہونا لوح محفوظ کا آپ کے زیر خامہ ہونا بہترین نعت ہے اس پر لوح وحرف تختہ وقلم کاف ونون نقطہ و دائرہ و پرکار کا تناسب نہ بیج میں سیاقۃ الاعداد ان صنائع نے مثنوی کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے لیکن مایہ امہات جو تاثیر بے اختیار پیدا کرتا ہے وہ لطف کہاں۔

خسرو	نظامی
ختم پیغمبران یار خدائے	شاہ پیغمبراں بہ تیغ و بہ تاج
گرہاں را بصدق راہ نمائے	تیغ او شرع و تاج او معراج

خسرو	نظامی
منکر شرع را ز اصل و فرع	امر و نہیش براستی موصوف
سر زدہ ہم بتازیانہ شرع	نہی او منکر امر او معروف
بہدایت دلیل بے دیناں	ہر کہ برخاست میفگندش پست
بشفاعت پناہ مسکیناں	وانکہ او فتاد میگرفتش دست
چوں بحجت زہر دعوی خاست	تیغ ازیں سو بقہر خوں ریزی
حجت اورا درست دعوی راست	رفق ازاں سو بمرہم آمیزی
در جہاں گیری از زبر تا زیر	مرہمش جاں نواز تنگ دلاں
ہم زبانش درست وہم شمشیر	آہنش بند ساے سنگ دلاں

سیاست نبوی کا سیاست سلطانی سے جس خوش اسلوبی سے فرق بتایا ہے وہ قابل لحاظ ہے جس نے غزوات کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہوگا اس مقام کا لطف اوسے آئیگا ستم شعاروں کی سرکوبی کے ساتھ مجروح دلوں پر رحمت وشفقت کا کیسا پھایا رکھا ہے۔ ان باکمالوں نے حمد ونعت میں مسائل صحیحہ کی ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ اگر صحیح مذاق سے ان کی کتابیں پڑھی جائیں تو بہت کچھ عقل کی روشن کرنے والی باتیں معلوم ہوں باعتبار مضمون ومفہوم دونوں حضرات کے اشعار یکساں ہیں لیکن شاہ پیغمبراں میں وہ قوت نہیں جو ختم پیغمبراں میں ہے۔ اسی طرح خسرو کے اس مصرعہ میں کہ "بشفاعت پناہ مسکیناں" جو شان رافت ورحمت عیاں ہے وہ "مرہمش جاں نواز تنگ دلاں" سے زیادہ ہے

نعت میں بھی تقریباً وہ اشعار لکھ دیے گئے جن کے مضمون باہم مشترک تھے اب خسرو اقلیم سخن کے اوس نعتیہ مضمون کو دیکھو جس کے یہ خود موجد ہیں اور تمام متاخرین اسی چمن ہمیشہ بہار کے گلچین ہیں۔

میم احمد کہ در احد غرق ست　　کمر خدمت از پئے فرق ست

احمد اندر احد کمر بند ست　　یعنی ایں بندہ آں خداوند ست

احد و احمد کی تجنیس زائد بندہ و خداوند کا تقابل این و آں اور کمر و کمر بند کا تناسب گویا انکا روزمرہ ہے لیکن دوسرے مصرعہ کے پئے و فرق کے الفاظ صنعت تقابل کے ساتھ ممکن کو واجب سے حادث کو قدیم سے عبد کو معبود سے جس طرح ممتاز کر رہے ہیں اوس کی داد دی نہیں جا سکتی۔

قران کریم نے جہاں کہیں مراتب مخصوصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے ہیں وہاں ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ عبد سے یاد فرمایا ہے مثلاً معراج کا جہاں بیان ہے وہاں یوں ارشاد ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام اسی طرح انتہائے مقام قرب و اختصاص کو یوں فرمایا ہے فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ۔

اس نکتہ کو ملحوظ رکھ کر اس بیان کی داد دیجیے کہ احمد کا میم جو احد کے وسط میں ہونے کی وجہ سے گویا احد میں فنا ہو گیا ہے فی الحقیقت وہ میم احد و احمد خداوند و بندہ کے فرق و امتیاز کے لئے خدمت و عبادت کا پٹکہ ہے تاکہ خلق جان لے کہ احمد بندہ اور احد خداوند ہے اور احمد ہر وقت بندگی خداوند میں کمر بستہ و مستعد ہے۔

منقبت

جس طرح حمد کے بعد نعت کا مضمون لازم ہے اسی طرح مضامین نعتیہ کا ایک قوی عنصر خلفاے اربعہ و دیگر اصحاب کرام کی منقبت ہے کوئی نعت اصحاب کی مدح سے خالی نہیں ہوتی مولانا نظامی نے چار یار باصفا کی منقبت صرف ایک شعر میں مجملاً بیان فرمائی ہے ؎

چار یارش گزیں باصل و بہ فرع — چار دیوار گنج خانہ شرع

لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے یہاں بھی حسن بیان و زور کلام کا دریا بہا دیا ہے ملاحظہ ہو ؎

چار یارش بچار سوے زمیں — چار رکن چہار صفہ دیں

اول آں اولیں خلیفہ کار — ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

دوم آں کز شکوہ پایۂ او — دیو بگریختہ ز سایۂ او

سوم آں جامع جریدۂ پاک — چاشنی گیر خوان ارسلناک

چارم آں قصر وحی را دہلیز — در علم و کلید خیبر نیز

آنکہ پاکند و پاک کیشانند — رضی اللہ عنہم ایشانند

مذکورہ اشعار میں صنایع لفظی و معنوی تناسب و تقابل سیاقۃ الاعداد و تلمیحات عجیبہ جس قدر موجود ہیں اون کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ہاں دوسرا شعر جو خلیفہ اول کی مدح میں لکھا ہے وہ خسرو کا حصہ ہو گیا منقبت میں پوری آیہ کریمہ ثانی اثنین اذ ہما فی الغار کو بحر مثنوی میں موزوں کر کے تلاوت کرنا دراصل اس مدح کی کرامت اور مبدء

فیاض کے فیض خاص کا اثر ہے اوّل کو ثانی قرار دیکر لاثانی ثابت کرنا خسرو تسلیم سخن کا وہ انداز بیان ہے جس میں غیر کی شرکت پائی نہیں جاتی۔ علی ہذا خلیفہ چہارم حضرت مولیٰ علی کی منقبت میں قصر و دہلیز و در کا تناسب اور آپ کو در علم و کلید خیبر کہنا ایک بے مثل بیان ہی آپ کے عقد میں جگر پارۂ نبوی بضعۃٌ منّی حضرت سیدۃ النسا فاطمۂ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور حضرت مولیٰ حضور اقدس کے ساتھ اخوت کی قرابت بھی رکھتے تھے اسلئے آپ کو وحی الٰہی کے محل عرش منزل صحن خانہ کہنا اور انا مدینۃ العلم و علی بابہا کے اعتبار سے در علم قرار دینا ایسا ہی بیان واقعہ ہونے پر رُوحانی لطیفہ ہی جس طرح خیبر کشائی کی صفت کو کلید خیبر کے استعارہ سے ظاہر کرنا ایک رنگین دقیقہ ہے۔

اہل معانی کے نزدیک کسی آیۃ یا حدیث یا دعا کے پورے جملے کو بے تبدل و تغیر کسی شعر میں موزوں کر دینا شاعر کا کمال سخن سمجھا جاتا ہی اس کمال کی بہترین مثال یہاں دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ اور آخر شعر کے آخر مصرعہ میں موجود ہی۔

معراج

معراج کا مضمون فی الحقیقت نعت اقدس کا ایک جز ہی لیکن شعرا نے اسے ایک مضمون مستقل قرار دیکر علیحدہ عنوان سے بیان کیا ہی اس میں حسب ذیل مقاموں کے بیان سے داد نازک خیالی و سخن آفرینی دیجاتی ہی (۱) شب معراج کی تعریف (۲) جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش (۳) وصف براق (۴) مقامات سیر منازل سیارگان (۵) سیر عرش (۶) مقام قاب قوسین (۷) لامکان (۸) وصل و وصال و تکمیل و کمال (۹) رجوع بعالم صورت

باہزاراں دولت (۱۰) وقف۔ دولت معراج بر امت گنہگار۔

معراج کا عنوان قایم کرتے ہوئے دونوں حضرات کی شاعرانہ قوت نے جو عروج اختیار کیا ہے اوس بلند خیالی تک تو اس ہیوا کی فہم پہونچنے سے قاصر ہے۔ بادۂ توحید مے عرفان کا وہ جوش ہی کہ ابلی پڑتی ہی منسلک نظم میں الفاظ کے موتی نہیں ہیں بلکہ حقایق ومعارف کے خم کے خم ہیں نہے قسمت اگر اُس کا ایک جام روحانی کسی کو نصیب ہو جاے ارباب فہم وذکا اگر صحیح مذاق کے ساتھ دونوں حضرات کے پورے کلام کا مطالعہ کریں تو لطف بیان سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

فن شاعری میں یہ بھی ایک خاص صنعت ہی کہ کسی مضمون کا اختتام اس طرح ہو کہ آیندہ مضمون کا اوس سے اظہار ہو جاے اور سابق کی انتہائی کڑی مالحق کے ابتدا سے ملکر سلسلۂ کلام کو مسلسل کر دے قصیدے میں اسی صنعت کو گریز کہتے ہیں اس صنعت کا لحاظ رکھتے ہوے مولنا نظامی نعت شریف کا خاتمہ اس شعر پر فرماتے ہیں ؎

چون نگنجید در جہان تاجش ۔۔۔۔۔ تخت بر عرش کرد معراجش

اسکے بعد جبرئیل امیں کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش بیان کرتے ہوئے اُس رات کی تعریف صرف ایک شعر میں تمام کر دیتے ہیں ؎

شب شب قدر وقت وقت دعاست ۔۔۔۔۔ یافت خواہی ہرانچہ خواہی خواست

خسرو علیہ الرحمۃ نعت گرامی اس شعر پر ختم کرتے ہوئے کہ ؎

گر بود مردم آسمان را تاج ۔۔۔۔۔ خم محمد کراست این معراج

شب معراج کے وصف میں فرماتے ہیں ؎

فرخ آں شب کہ آں چراغ دوکون | زد بقندیل عرش پرتو عون
شب چو بر سر نہاد چتر سیاہ | چتر اسریٰ کشید بر سر ماہ
جلوہ گر شد بہ لاجوردی سریر | دولتش زیں سرائے دامنگیر
شب او گشتہ زیور ماہش | نور او گشتہ مشعل راہش
در دل شب ز پرتو آں نور | حرف باریک غیب خواندہ ز دور

شب چراغ ۔ قندیل ۔ نور مشعل ۔ پرتو کا تناسب ۔ چتر اسریٰ کا ایہام و تلمیح گویا عارض نظم کے رخ افروز خط و خال ہیں بظاہر اشعار کا یہ مفہوم متبادر ہوتا ہے کہ رات کی سیاہی اور چاند کے سریع السیر ہونے کا بیان ہے (اصطلاح عرب میں سرے و اسریٰ رات کے سفر کرنے کو کہتے ہیں) لیکن حقیقتاً چوتھے شعر میں شب ماہ و نور کا جو استعارہ ہے اُس کے لحاظ سے بطریق ایہام اشعار کے معنی یہ ہوے کہ جب شب کی تاریکی عالم پر چھاگئی اور ماہ فلک تیز روی سے قطع منازل کر کے روپوش ہوگیا اُس وقت ماہ دنیٰ فتدلیٰ نے سر پر تاج سبحان الّذی اسریٰ بعبدہ کا رکھ کر عالم بالا کا سفر شروع کیا اور آپ کی شاہد دولت یعنی ذات اقدس جس وقت آسمان کے تخت لاجوردی پر جلوہ آرا ہوئی تو اس وقت گیسوے عنبریں جو واللیل اذا سجیٰ کے مظہر تھے ماہ رخسار پر جو والشمس والضحیٰ کا پرتو ہیں تجلی آرا ہوئے۔ آپ کے پرتو انوار سے وہ شب سیاہ اس قدر منور و تاباں ہوگئی کہ غیب کے اسرار خفیہ بھی دور سے پڑھے جاتے تھے۔ ان

اشعار میں جن کمالات محمدیہ کی طرف اشارہ ہی اوسے فطرت سلیم ہی سمجھ سکتی ہی۔
مولٰنا نظامی علیہ الرحمۃ نے جبریل امین کی گذارش چند اشعار میں بیان کی ہے
اور رات کے متعلق صرف ایک شعر پر ختم کر دیا ہی۔ خسرو علیہ الرحمۃ نے جبریل کی گذارش
میں صرف ایک شعر پر اکتفا کیا ہی اور رات کے متعلق چند اشعار لکھے ہیں۔ اس کی کوئی
خاص وجہ نہیں کہی جا سکتی۔ بہرحال جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری یا براق کی صفت
یا منازل سیارگان میں جو شاعرانہ قوت کا اظہار کیا گیا ہی اوسے ترک کرتا ہوں اور
صرف اون مقامات پر جہاں زور طبیعت کا اصلی جوہر کھلتا ہی اکتفا کرتا ہوں۔

سیر عرش

خسرو	نظامی
عرش بر داز جنیبہ بارش را	قطرہ قطرہ ازاں محیط گذشت
پاے گم شد جنیبہ دارش را	قطرہ بر قطرہ ہرچہ دید نوشت
رویش افگند ز آفتاب حضور	چوں در آمد بساق عرش فراز
بر قنادیل عرش پرتو نور	نردباں ساخت از کمند نیاز

سیر عرش اگرچہ دونوں حضرات نے ایک نئے انداز سے شروع کی ہی اور ہر ایک
اپنے اپنے انداز میں کامل ہی لیکن مولنا کا اول شعر اوس کمال کا نمونہ ہی جس میں کسی
غیر کی شرکت ممتنع تسلیم کی گئی ہی۔ ہاں خسرو کے دوسرے شعر میں البتہ مولنا کے دوسرے
شعر سے ترقی نمایاں ہی لیکن مولنا کے پہلے شعر کا سرور ایسا غالب ہی کہ اوس کی لذت

کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام افلاک سے ایک چشم زدن میں گذر جانا اور پھر ہر ایک کا تفصیلی ملاحظہ کس بلاغت وسلاست سے بیان ہوا ہی سبحان اللہ۔

اصطلاح میں قطرہ قطرہ اور ذرہ ذرہ کسی کام کا کرنا اوس وقت کہا جاتا ہی جبکہ اوسے بالاستیعاب اس طرح انجام دیا جائے کہ ذرہ برابر بھی اوس کے تکملہ سے رہ نہ جائے اور قطرہ بر قطرہ کی اصطلاح نہایت ہی تیزروی و تیزدوی کے معنوں میں [illegible] ہے کہ مقام سیر میں کیا فلک اور کیا ستارہ اوس سے اس طرح گذرے کہ ایک ذرہ برابر بھی ملاحظہ سے نہ چھوٹا اور دوسرا مصرعہ اوس تیزروی کو بتاتا ہی جس سرعت سے یہ مقامات طے کئے گئے کسی محیط سے قطرہ قطرہ گذرنا اور راوس کے ہر حصّہ کو قطرہ بر قطرہ طے کرنا کیا [illegible] بلیغ استعارہ ہی

مقام قاب قوسین

نظامی — خسرو

قاب قوسین او درآں اثنا — جلوہ کرد از برائے کونینش

از دنیٰ شد بقابِ او ادنیٰ — سر بدرگاہ قاب قوسینش

اس مقام کا بیان دونوں حضرات نے سرسری طور پر معمولی الفاظ میں کیا ہی۔ کوئی خاص لطف کہیں نہیں ہی لیکن عبودیت کی شان خسرو کے شعر میں نمایاں ہی اس بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خسرو کا شعر بہتر ہے

مقام وصل و وصال و تکمیل و کمال

نظامی	خسرو
چوں حجابِ ہزار نور درید	شد بجائے کہ جاں نمی گنجد
دیدہ در نور بے حجاب رسید	خود ہم اندر میاں نمی گنجد
گامے از بود خود فراتر شد	دیدہ را نور لایزالی داد
تا خداوندیش میسر شد	سینہ را سر ذوالجلالی داد
از نبی جز نفس نبود آنجا	چوں ز عالم بروں نہاد قدم
ہمہ حق بود کس نبود آنجا	پیش رو شد بہ پیشگاہِ قِدم
شربتے خاص خورد و خلعت خاص	یافت در خود متاعِ موزوں را
یافت از قربِ حق زہے اخلاص	دید بیننگ خدائے بے چوں را
جاش اقبال و معرفت ساقی	نکتہ برخواند بے وکالت ہوش
ہیچ باقی نماند از باقی	قصہ بشنید بے میانجی گوش
	گوش کے سترِ غیب را سنجد
	بحر اندر صدف کجا گنجد

اس مقام کا بیان جہاں کہیں بھی پایا جاتا ہے وہاں اسی طرح کے اشارات و کنایات ہیں سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف دیکھو مقام قرب کا کس طرح بیان فرمایا ہے فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ پہلے امکان و حدوث کا وجوب و قدم سے قرب کان

قاب قوسین سے تعبیر فرمایا اُس کے بعد او ادنیٰ کہہ دیا جہاں پہونچکر فہم گم عقل حیران تکمیل وکمال کا بیان بھی اسی طرح ہی فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ احادیث مصطفویہ بھی اسی انداز خاص سے آیات کی مفسر ہیں۔ جہاں تک سیر کا تعلق ہے وہاں الفاظ صاف، بیان واضح لیکن جہاں اس مقام کا بیان آیا وہاں پر عقل خیرہ اور علوم متداولہ بیکار۔ جس نے جو کچھ سمجھا اور جو کچھ کہا وہ نتیجہ اُن علوم کا نہ تھا جو نقوش وخطوط سے حاصل ہوتے ہیں پھر اونھیں نقوش والفاظ میں کیونکر ظاہر کیا جاے یہ حضرات جو کچھ فرما گئے اور مراتب وآداب جس طرح ملحوظ رکھے وہ اُن کی پاکیٔ نفس کی دلیل ہے۔

مولٰنا نظامی نے فنائیت ومحویت مطلقہ کے ساتھ وحدت وجود کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے عبد ومعبود کے فرق کو جس بلاغت ونازک خیالی سے ادا فرمایا ہی اس سحر آفرینی کی داد دی نہیں جا سکتی۔ دوسرے شعر کو پڑھو ؎

گامے از بود خود فراتر شد　　　تا خداوندیش میسر شد

یعنی جب وہ نوے ہزاروں حجابات نورانی طے کرتا ہوا بے حجاب نور تک پہونچا تو اپنے بود سے ایک قدم اور آگے بڑھا یہاں تک کہ اوسے خداوندی حاصل ہوئی لفظ بود جو مصرعہ اول میں ہی یہ لفظ وجود کا فارسی ترجمہ ہی وجود کے معنی مختلفہ کی طرف غور کرو پھر لفظ خداوند وخدا کے حقیقی معنی میں جو فرق ہی اوسے سوچو علواً کبیرا کی تفسیر واضح ہو جائیگی بارگاہ قدم کے عظمت وجلال کا نقشہ آنکھوں میں پھر جائیگا اور بے اختیار دل سے آداب مراتب کی داد نکلے گی۔ پانچویں شعر میں جو کیف وسرور ہی وہ صرف لفظ

باقی سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں پر لفظ باقی جو قافیہ ہے اُس سے جن معانی کا ایہام ہوتا ہے اُن میں سے ہر معنی موج خیز خمیازۂ مستی و سرور ہے۔

اب خسرو کے اشعار پڑھو اسی مقام کا بیان ہے کلام کی فصاحت، بیان کی سلاست الفاظ و ترکیبوں کا باہمی پیوند، بندش کی چستی اور معانی کی آمد ایک بحر زخار ہے کہ موجیں مارتا چلا آرہا ہے اس مقام کے بارے میں بلکہ بیان کی جان آداب مراتب کا پاس و لحاظ ہے اس کی نگہداشت مولانا کے اشعار میں تم دیکھ چکے۔ خسرو کے اشعار میں اگرچہ وہ رنگینی و مصع کاری ہیں جو مولانا کے اشعار میں ہے لیکن بیان کی روح جس روانی و صفائی کے ساتھ یہاں پاؤگے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ پہلے شعر کو پڑھو۔ لفظ شد جس سے بیان شروع ہوتا ہے اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے دوسرے مصرعہ کو سوچو مقام وصل کو کس ادب سے بیان کیا ہے علیٰ ہذا چوتھے شعر کا پہلا مصرعہ ایک خاص بلاغت کا نمونہ ہے متاع موزوں کو اپنے آپ میں پانا کیسا نادر لطیفہ ہے اب دوسرا مصرعہ اسی شعر کا پڑھو اور ہزار مرحبا کہو وصل و وصال کا بیان ختم ہوتا ہے سب کچھ کہہ گئے اور آخر میں یہ فرماتے ہیں کہ بحر اندر صدف کے گنجد یعنی صدف بحر میں پایا جاتا ہے بحر کی سمائی صدف میں کہاں ممکن۔ صرف اس ایک ہی مصرع میں آداب کے تمام مراتب طے کر دیے اور معارف و حقایق کا ایک دریا بہا دیا۔ مجھ میں بیان کی کہاں طاقت ہے تم خود سوچو اگر مسائل و مقامات تصوف کے صحیح معلومات ہیں تو بے اختیار کہہ اٹھوگے کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں بلکہ کوئی ہاتف غیبی بول رہا ہے۔

رجوع بعالمِ صورت

خسرو	نظامی
با ہزاراں ہزار نقد مراد	با مدارائے صد ہزار درود
در شبستانِ دولت آمد شاد	آمد از لوح آں مدار فرود
بہرہ داد از رہِ جوانمردی	ہرچہ آورد بذلِ یاراں کرد
رہ رواں را ازاں رہ آوردی	وقف کار گناہ گاراں کرد
کرد چوں بخشش خاصگاں ہمہ چیز	
داد بخشش گناہ گاراں نیز	

روایاتِ معراج اگر محفوظ ہوں تو ان تلمیحات کا لطف ہے جس وقت دربارِ احدیت سے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا خلعت خاص عطا ہوا اُس وقت اُس اُمت نواز پیغمبر نے فرمایا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین یعنی یہ سلام ہم سب پر اور خدا کے صلحا بندوں پر۔ بجائے عَلیّ یعنی مجھ پر کے جو علینا یعنی ہم سب پر فرمایا اس رحمت وسلامتی کے دامن میں تمام امت گنہگار کو چھپالیا۔ اشعار مذکورہ میں انھیں بذل و نوال کی تلمیح ہے دونوں کے اشعار میں ایک ہی مضمون اور ایک ہی مفہوم۔ لیکن خسرو نے الفاظ ایسی روش سے آراستہ کئے ہیں جس سے تاثیر زیادہ ہوگئی۔

مدح سلطان

حمد، نعت و معراج کے بعد شعرا نے مدح سلطان وقت بھی ضرور لکھی ہے اور یہی وہ مضمون ہے جو سارے کلام میں روکھا پھیکا اور سیٹھا ہوتا ہے۔ علی الخصوص متاخرین کے کلام میں تو ایسی بدمزگی پائی جاتی ہے کہ منہ بگڑ جاتا ہے۔ ممدوح کی تعریف میں مبالغہ و اغراق کرتے ہوئے انبیا علیہم السلام پر فضیلت دیتے ہیں پھر اس سے سیری نہیں ہوتی تو صفات اُلوہیت اُس میں ثابت کرتے ہیں کلمات کفریہ کہنے سے بھی باک نہیں رکھتے۔

جب اُس کے سراپا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اُن کا قلم ایسا حلیہ کھینچتا ہے جو کسی معشوق طناز سراپا ناز و ادا کی شکل موزوں ہو۔ بیان جب واقعات سے اس قدر مبائن ہوگا تو لازمی نتیجہ بدمزگی ہے۔ مثلاً اگر پانی کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ زرد رنگ منجمد مثل پتھر کے سخت آگ کی طرح جلانے والا ہے تو یہ کوئی تعریف پانی کی نہ ہوئی بلکہ کائنات میں سے کسی ایسی موجود کی یہ تعریف کی گئی جس کا اسم مجہول ہے۔ بہر حال متقدمین کا کلام پھر بھی کچھ جان رکھتا ہے اسی بنا پر چند اشعار جستہ جستہ دونوں حضرات کے جو مدح سلطان میں لکھے گئے ہیں پیش کرتا ہوں۔

تمہید مدح

نظامی	خسرو
چوں اشارت رسید پنہانی	مشتری کوست کاروان سپہر
از سرا پردۂ سلیمانی	دوش سوے من آمد از سرِ مہر

خسرو	نظامی
گفت کلے از نسیم دریا کار	برگرفتم چو مرغ بال کشائے
گشتہ بازارگانِ دریا بار	تاکنم بر در سلیماں جائے
زآتش طمع یافتہ جاوید	در اشارت چناں نمود برید
روز بازار گرم چوں خورشید	کہ ہلالے برآورد شب عید
آمدم تا رواج دُرِّ ثمیں	آنچناں کز حجاب تاریکی
سوئے گردوں برم متاع زمیں	کس نہ بیند در و زباریکی
گوہرے دہ کہ چرخ تاب بود	تاکند صید سحر سازی تو
درخور گوش آفتاب بود	جادواں را خیال بازی تو
آں گہر ہا کہ آسماں تاب ست	عطسۂ دہ زکلک نافہ کشائے
کہنہ زرد و خورد بے آب ست	تا شود باد صبح غالیہ سائے

دونوں حضرات کی تمہیدیں اپنی اپنی روش میں جداگانہ انداز رکھتی ہیں۔ حضرت نظامی کے یہاں قاصد کی زبان سے مدح کی فرمائش ہے اور دربار خسرو میں مشتری جو قاضی فلک ہے وہ حاضر ہو کر آسمان کی زیب و زینت کے لئے گوہر گرانمایہ کا ملتمس ہے۔ مولانا کا چھٹا شعر خاص بلاغت کا نمونہ ہے لیکن بحیثیت مجموعی خسرو کی تمہید مولانا کی تمہید سے افضل ہے۔ مگر آئندہ مولانا نظامی نے تمہید کو بہت زور دے کر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

خسرو	نام ممدوح	نظامی
جم ثانی علاءِ دنیا و دیں		عمدۃ الملک علاؤ الدیں
آسماں خاتم آفتاب نگیں		حافظ و ناصر زمان و زمیں
بادشاہ جہاں محمد شاہ		نام او زینتِ علا دارد
سائبانِ جہاں بچترِ سیاہ		گر گزشت از فلک روا دارد
مہ سپہرِ منورش خوانده		فلکِ بے علاقہ دار دیست
دیں علائے مصورش خوانده		در علاءِ فلک بلندی ہست

دونوں کے ممدوح میں اتفاق سے مشارکت اسمی ہے۔ اس لئے موازنہ کا موقع پورا ہے کہ کس نے نام کس طرح موزوں کیا اور اس سے کیا کیا نکات پیدا کئے گرچہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی طبیعت بادشاہوں کی مدح میں کند ہو جاتی ہے اسی لئے ان کے قصائد میں بھی خاص مدح کا حصہ کمزور ہوتا ہے یہی حال ان کا مثنوی میں بھی ہے کہ بادشاہ کی تعریف میں جوش و خروش نہیں پایا جاتا۔ باوجود اس کے کہ اسی ممدوح کے رعایا ہیں ارکین دولت میں شامل ہیں پھر بھی قلم شاعرانہ انداز سے مدح سلطان میں رواں نہیں پایا جاتا۔ لیکن اگر کہیں متوجہ ہو گئے ہیں تو کسی سے کم بھی نہیں رہتے ہیں جیسا کہ اس مقام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پلے برابر ہیں کسی کو کوئی ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

سخاوت

نظامی	خسرو
بادشاہاں کہ درجہان ہستند	ابر با ایں ہمہ زبردستی
ہر یک ابرے بدست بربستند	گرد در پیش دست تو پستی
دست ابرِ تو ابرِ نیسانست	داد دریا کفِ تو دُر بہوس
واں دگر ابرہا زمستانست	کفِ دریا چہ داد مشتے خس
آبِ چشمہ کہ آب پاکی شد	ابر باری تو زاں کفے چو سحاب
با تو چوں آبِ چشم خاکی شد	ابر بارد وے سوا کف آب

مولٰنا نظامی نے ممدوح کے ہاتھ کو ابرِ نیساں اور دوسروں کے ہاتھوں کو ابرہاے زمستان جو کہا ہے وہ عجب لطیف استعارہ ہے۔ اسی طرح چشموں کے آب کو پاک و صاف مان کر آب چشم و سرشک بنا دینا اور پھر اُن کا خاکی ہو جانا نہایت ہی پسندیدہ اور لطیف خیال ہے اُس پر چشمہ و چشم کی تجنیس سبحان اللہ۔ خسرو کے یہاں زبردستی و پستی کا تقابل پیش و پستی سے پس کا تضاد، لفظ کف کی تجنیس تام مماثل بے مثل ہے۔ نفس مفہوم کسی طرح مضمون سابق سے کم نہیں

کمال تیراندازی

نظامی	خسرو
نوک تیرش بہر کجا کہ شتافت	نوک پیکانش در مقام ہنر
گہ جگر دوخت گاہ موے شگافت	داغ کلف زروے قمر

نظامی

تیرش از دست گرگ دپائے پلنگ
بر سم گور کردہ صحرا تنگ

مولانا نظامی کے اشعار میں دست و پا و سم اور گرگ و پلنگ و گور کا تناسب پسندیدہ ہی اور نفس مضمون سے ایک خاص خوبی ظاہر ہے یعنی اُس کی تیراندازی کا کمال میدان جنگ اور صید وحوش وسباع دونوں میں بے نظیر ہے۔ خسروؔ نے ایک ہی شعر میں غلو و اغراق کے ساتھ نوک تیر کے کمال کو اپنے فن وہنر میں اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ اُس سے زیادہ اوج دشوار سمجھا جاتا ہے۔

تیغ زنی

نظامی	خسرو
بازی خرس بردہ از شمشیر	تیغش از برکہ سلیم شدہ
خرس بازی در آورندہ بہ شیر	کوہ چوں آسیا دونیم شدہ
شہ چو دریا ستے دروغ و دریغ	تیغ ورمحش کہ خصم را سودند
جز رومدش بہ تازیانہ و تیغ	مارمسکوب ظل ممدودند
ہرچہ آرد بزخم تیغ فراز	زد بیک چاشنی تیغ چو آب
بسر تازیانہ بخشد باز	فتنہ در خواب رفت مست و خراب

نظامی

فتح برخاکِ پاے او زدہ فرق

فتنہ در آبِ تیغِ او شدہ غرق

مولنا نظامی نے ایک نئے انداز سے تلوار کے جوہر دکھائے ہیں پہلے شعر کا مفہوم بالکل نیا اور تازہ ہے بازی خرس وخرس بازی کی ترکیب وتقلیب سے ایک خاص لطف پیدا کیا ہے خرس بازی وہی خرسک بازی ہے جو اساتذہ کے کلام میں موجود ہے اور وہ لڑکوں کا ایک خاص کھیل ہے۔ خرس مکر وحیلہ میں ضرب المثل ہے اس لئے لفظ خرس بازی مکر و فریب کی جگہ بولا جاتا ہے۔ علی ہذا دوسرے شعر میں تازیانہ و تیغ کا جزرومد بطریق لف ونشر مرتب وتقابل ایک بے مثل بیان ہے مگر آخر شعر کا آخر مصرعہ "فتنہ در آبِ تیغِ او شدہ غرق" ایسا سہل ممتنع واقع ہوا ہے کہ اس کا جواب نہیں ہوسکتا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے پہلے شعر میں کوہ وکاہ کا اشتقاق، وتقابل تیغ وآب فتنہ وخواب کا تناسب قابل تعریف دوسرے مصرعہ میں آیۃ کریمہ کی تلمیح اور پھر تلوار ونیزے کی تعریف میں جواب الجواب بلکہ لاجواب ہے۔ چاشنی کا لفظ بطریق ایہام یہاں جرعۂ شراب کے معنی میں نہایت مناسب واقع ہوا ہے آخر شعر کا مضمون مولنا نظامی کے آخر شعر سے بہت زیادہ اعلیٰ ہے "فتنہ در خواب رفت ومست وخراب" فتنہ کے لئے جس قدر کہ خواب موزوں ہے غرق مناسب نہیں۔ بہرحال میدان شمشیرزنی میں دونوں کی تلواریں یکساں روان

ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔

مولٰنا نظامی نے بادشاہ کی مدح میں پوری قوت سے زور کلام کا جوہر دکھایا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے مدح کرتے ہوئے ایسا ناصحانہ پہلو بدلا ہے جس سے اسلاف کی حق گوئی کا ایک بے نظیر جلوہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

سبب نظمِ کتاب

مولٰنا نظامی نے سبب تصنیف کا کوئی خاص عنوان قرار نہیں دیا ہے بلکہ تمہید مدح سلطان میں جو قاصد سے گفتگو ہوئی ہے اس کے کچھ اشعار سبب تصنیف قرار دیئے جا سکتے ہیں مگر خسرو علیہ الرحمۃ نے سبب تصنیف کا ایک خاص عنوان قرار دیا ہے اور ایسی طرز جدید سے اپنے شاعرانہ کمال کا اظہار کیا ہے کہ دل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ دونوں کی روش اس طرح جدا ہے کہ ان کا صحیح مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تقریباً خسرو ہی کے اشعار پر اکتفا کرنا ہوگا۔

نظامی

گفتمش گفتنی کہ بہ پسندند — نہ کہ خود زیرکاں بر و خندند

گفتم ایں نامہ را چو دیر مجوس — جلوہ دادم ازاں ہفت عروس

تا عروسانِ چرخ اگر یک راہ — در عروسانِ من کنند نگاہ

از ہم آراستی و ہمکاری — ہر یکے را یکے کند یاری

آخر از ہفت خط کہ یار شود نقطۂ بر میانِ کار شود
نقشبندے کہ نقش دہ دارد سر یک رشتہ رانگہ دارد

طوالت کے خوف سے تمام اشعار نقل نہیں کئے گئے پورے مضمون کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی فکر رسا بحر مواج کی ایک طوفان خیز موج ہے جو دمبدم جوش مارتی ہوئی چلی جارہی ہے اور رہ گزر کے نشیب و فراز اس کے سدِ راہ ہو نہیں سکتے۔ اشعار مذکور الصدر میں عروسانِ چرخ سے مراد وہی سبعہ سیارہ ہیں جن کی نسبت کو ہفت گنبد بہرام کی تعمیر میں ملحوظ رکھا ہے۔ ہفت خط جام جمشید کے وہ ساتوں خط ہیں جو علم نجوم کے موافق ہفت افلاک و ہفت اقلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔

نقش دہ سے مراد نقش دہ در دہ ہے جو اصول تکسیر کے موافق تسخیر کا اثر رکھتا ہے۔ ان اصطلاحات کے مفہوم ذہن میں ہوں اور پھر اشعار پڑھے جائیں تو کلام کی خوبی اچھی طرح سمجھ میں آئے۔

امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سبب تصنیف کی اس طرح ابتدا کی ہے۔

توصیف ایام

شبے از روز بیغمی خوشتر وقتے از نوبہار دلکش تر
ہفت و نہ گرد ماہِ چاردہ روز ماہتابی شدہ جہاں افروز
برکشادہ ہوائے نورانی آسماں راگرہ ز پیشانی

ہفت. نہ اور چہاردہ میں صنعت سیاقۃ الاعداد جس خوبی سے موزوں کی ہے وہ قابل ہزار داد ہے ہفت و نہ کو اگر جمع کریں تو سولہ تمام جسے اہل ہند سولہ سنگار

کہتے ہیں ماہ چہار دہ روز بدر کامل ہے جو چودھویں تاریخ کو پورا ہو جاتا ہے اس کے علاوہ شب کو روز بیغی سے خوش تر کہنا اور بدر کامل کی آرائش تمام و کمال کے بعد اس کی چاندنی کو جہاں افروز قرار دینا کیسا لطیف خیال ہے۔

موسم بہار

زحمت از باغ بردہ بادِ خزاں ۔۔۔ بادِ نوروز نرم نرم وزاں

گل ز شبنم پُر از نسیم شدہ ۔۔۔ پردہ دارِ دُرِ یتیم شدہ

جنبشِ بادہائے مشک سرشت ۔۔۔ بازکردہ دریچہائے بہشت

ان اشعار میں بادِ خزاں اور باد نوروز کا تقابل شبنم و نسیم کا تناسب اور دُر کا اشتقاق و تجانس قابل لحاظ ہے موسم کی خوش گواری کا ایک عجب دلکش انداز میں بیان ہے خزاں کے جھونکے باغ و راغ کو ویران و سنسان کر دیتے ہیں نہ پھولوں کی شگفتگی رہتی ہے نہ بلبلوں کی زمزمہ سنجی، طبائع مضمحل جذبات افسردہ لیکن شاعر یہاں یہ ثابت کرتا ہے کہ بادِ خزاں کا جانا چمن دنیا کی تر و تازگی کا باعث ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ ہر قسم کی زحمت و بیرونقی خزاں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ گلزار عالم ایک لہکتا مہکتا چمن قدرت بن گیا تھا۔

کیفیت شاعر

من در احرام کعبۂ دل خویش ۔۔۔ نخل بر دست و چاہِ زمزم پیش

گشتہ کلکم کلید سینۂ من ۔۔۔ داد بیروں ہمہ خزینۂ من

در گریباں فرو د رفتہ سرم ۔۔۔ پُر گہر گشتہ دامن ہنرم

شعر اول میں چند الفاظ جو تناسب کعبہ کے لئے جمع کئے گئے ہیں اور دیگر اشعار

میں جو استعارات نمکیں اور بلاغت رنگیں موجود ہے وہ شاعر فصیح اللسان کے قادر الکلام ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

تعریف بزبان ہمنشیں علی نامی

کامد آں ہمنشین جانی من | ناقد سکۂ معانی من
ہم علی نام و ہم بہ بینائی | چوں علی درکشائے دانائی
گفت اے جادوئے طلسم انگیز | موشگاف از زبانِ خامۂ تیز
گاہ فکرت چو خوے کند ردیت | صد عطارد چکد ز ہر مویت

حضرت امیر خسرو نے اس عنوان کے تحت میں ۷ شعر لکھے ہیں جن میں سے ہر ایک انتخاب و لاجواب ہے زور سخن قوت کلام جدت شاعری میں ہر ایک شعر چشمۂ صافی کی طرح رواں ہے چوتھا شعر جو شاعر کی مشقت علمیہ کا مظہر ہے اس کی قادر الکلامی کے کمال کا کیسا آئینہ ہے یعنی وہ ہمنشیں شاعر سے یہ کہتا ہے کہ مشقت فکر کے وقت جو پسینہ آئے وہ ایسا ابر نیساں ہو کر نہ برسے جس سے موتی پیدا ہوتے ہوں بلکہ ہر بن مو صدہا عطارد کا مینھ برسا دے اس مقام کا بالاستعاب جو صاحب ذوق سلیم مطالعہ کرے گا اُسے شاعر کی طبع کامل کا ایسا زور دکھائی دے گا کہ بحر مواج بھی اُس کے سامنے ایک قطرہ سے زیادہ بے حقیقت ہے۔

ہر یکے رقعہ را کہ کردی نشتر | دوختی دامنش بدامنِ حشر
ہر جریدہ کہ ساز کردہ تست | درے از لطف باز کردہ تست
سکۂ معنی از چہار سواد | کردی آراستہ چو سبع شداد

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف　　تاچہ گنجینہ کرد خواہی صرف

رقعہ کا ایہام اور پھر اُس کے دامن کا دامن حشر سے پیوند چہار ربع پنج کا سیاق ایک ایسا وجدانی کیف ہے جو بیان میں نہیں آسکتا۔

پہلے شعر کا مفہوم شاعر کی کس درجہ قوت متخیلہ کی بلند پروازی کو ظاہر کرتا ہے یعنی جس داستان کہنہ کو تو نے اپنی تازہ بیانی سے شہرت دی ہے اُس کے دامن کو دامن حشر سے وابستہ کر دیا اب اُس کا آوازہ قیامت تک آویزۂ گوشِ روزگار رہے گا۔

ترتیب خمسہ

دادی اوّل بہ گنبدِ دوّار　　روشنائی ز مطلع الانوار

کردی آنگاہ بانشاط تمام　　شہد خسرو و شیریں اندر جام

باز در عالم خرد مندی　　شورِ مجنوں و لیلیٰ افگندی

پس دہاں پر دردری کردی　　شرحِ رازِ سکندری کردی

ایں زماں کز جواہرِ انجم　　ق　　سے نگاری صحیفۂ پنجم

کوش کیں خط چناں نگاری چست　　کہ فزوں آید از چہار نخست

ان اشعار میں پنج گنج کے چار خزائن جو پہلے گوہر معانی سے معمور ہو چکے تھے اُن کا تذکرہ اُن کے ناموں کے ساتھ ہو چکا۔ حضرت نظامی نے سکندر نامہ میں جو آپ کی آخری مثنوی ہے اپنی تصانیف سابقہ کا اسی طرح ذکر کیا ہے اس لئے امیر خسرو بھی خمسہ کی آخری مثنوی میں اُس کے دیگر ارکان اربعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ نظامی کے اشعار اس موقعہ پر نقل کر دیے جائیں تو کچھ نامناسب نہ ہونگے اگرچہ اُس کی

بحر غیر ہی مگر باعتبار مضمون پورا مقابلہ ہی کہ کس نے کس طرح کتابوں کے نام شمار کئے ہیں

سوے مخزن آوردم اوّل بسیج | کہ سستی نکردم دریں کار ہیچ
وزو چرب وشیریں برانگیختم | بشیرین و خسرو در آمیختم
وزانجا سراپردہ بیروں زدم | درِ عشق لیلےٰ ومجنوں زدم
چو از عشق مجنوں بپرداختم | سوے ہفت پیکر فرس تاختم
کنوں بربساطِ سخن گستری | زنم کوسِ اقبالِ اسکندری

ہر شعر کا مولنٰا نظامی کے خسرو کے اشعار سے مقابلہ کرلو۔ خسرو کی برتری اس مقام پر ایسی نمایاں ہی کہ محتاج تشریح وبیان نہیں۔ مولنٰا نظامی کا پانچواں شعر البتہ لطیف ہی باقی اشعار معمولی ہیں خاص کر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ تو بہت ہی سست ہی۔

اب اس عنوان کا صرف ایک مضمون اور لکھتا ہی جس میں مصنف نے کتاب کا نام اور اُس کا موضوع ایک خاص بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہی۔ فرماتے ہیں ؎

گویم افسانہاے طبع فزاے | از لبِ لعبت فسانہ سراے
ہر فسانہ صراحیِ زشراب | دور مستی و بانگہ داروے خواب
ہر یکے را بہشت نام کنم | جام و کوثر درو تمام کنم
ہفت باشد بہشت دگو ہر ہفت | ہشتم آں کاندرو بود ہر ہفت
پس نوشتم زکلک مشک سرشت | نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت
تا کسے کاندرو گزر یابد | بے قیامت بہشت دریابد

صنعت سیاق واشتقاق وغیرہ تو شاعر کا روزمرہ ہی اُس پر طبیعت کا جوش لطف زبان وسلاست بیان کے ساتھ کوثر وسلسبیل کی روانی کا مزہ دیتی ہی۔

آغاز قصہ بذکر بہرام

خسرو	نظامی
گنج پیمائے ایں خزانہ پر	گوہر آمائے گنج خانۂ راز
از خزانہ چنیں کشاید دُر	گنج گوہر چنیں کشاید باز
کآفتاب جمال بہرامی	کاسماں را تراز وے دو سرست
چوں شد از نور در جہان نامی	در یکے سنگ و در یکے گہرست
پدرش رخت زندگانی بست	گاہ آید چو گوہر از سنگے
او بجائے پدر بہ تخت نشست	گاہ لعلے چو کہربا رنگے
سر موئے کجی ز دہر نخاست	گوہر و سنگ شد بہ نسبت تام
جز سرے کو بشانہ گرد دراست	نسبت یزدگرد با بہرام

آغاز قصے کی تمہید دونوں باکمالوں کی ایک ہی طرز سے شروع ہوتی ہی۔ گزشتہ ایام کا واقعہ ہی اس لئے عہد سلف کا مورخ دونوں کے دربار میں بہرام کی تاریخ بیان کرتا ہی۔ صنائع و بدائع دونوں کلاموں میں یکساں۔ پہلا شعر بھی ایک دوسرے کا جواب ہی۔ لیکن امیر خسرو عہد بہرام کے امن وامان سکون و قرار کو عجب لطف سے بیان فرماتے ہیں ؎

سر موئے کجی ز دہر نخاست   جز سرے کو بشانہ گرد دراست

یعنی اُس کے عہد میں زمانہ سے کجی بالکل دُور ہوگئی تھی کسی جگہ بال برابر بھی فتنہ و فساد نہ پایا جاتا ہاں ارباب نعمت کے سر شانہ کشی کے وقت البتہ کج دکھائی دیتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ملک آباد تھا اور اہل ملک ناز و تنعم میں زندگی بسر کرتے تھے۔

تیراندازی بہرام

نظامی	خسرو
پیش تیرش گرازنے بودی	آہن تیر چوں محک کردی
بنانش چو حلقہ بر بودی	خط گوراں ز پشت خاک کردی
تیرش از حلق شیر حلقہ ربائے	ور ز آہو بدے نشانہ او
تیغش از قفل گنج حلقہ کشائے	موئے بشگافتے ز شانہ او
در نظرگاہ راست اندازی	ور شدی در نشانہ سخت انداز
بیلکش را بموئے بد بازی	رخنہ در ناف کوہ کردی باز
	زانش باران تیر محکم بود
	کہ کمانش کمان رستم بود

مولنا نظامی بہرام کی قدر اندازی اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ اگر دانہ ارزن کو جسے ہندی میں چینا کہتے ہیں وہ اپنے تیر کا نشانہ قرار دیتا تو اُسے حلقہ کی طرح بنا لیتا تھا۔ اور اگر شیر کی طرف تیر ڈالتا تو اس کے حلق سے اُس حلقہ کو جو قمری و فاختہ کی طرح اُس کا طوقِ گلو ہوتا ہو اُڑا لیتا تھا پھر اس پر مولنا ترقی فرماتے ہیں اور اُس کے کمال کا یوں اظہار فرماتے ہیں کہ اُس کا پیکان تیر بال کو بھی دو حصوں میں چیر دیتا تھا۔ مبالغہ میں اغراق وغلو کا جو لطف ہے اُس پر حلق و حلقہ کا اشتقاق و تجانس اور بھی لطیف ہے۔

امیر خسرو نے جو انداز سے جواب دیا ہے اُس کا لطف بیان سے باہر ہے

پہلا شعر خسرو کا مولنا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہے۔ وہاں حلقہ حلق شیر کو بہرام کا تیر نشانہ بنا کر اڑاتا تھا اور یہاں گورخروں کی پشت خط کو جو بعینہ حلقہ حلق شیر کی طرح ایک قدرتی سیاہ سیلی ہوتی ہے اس کا تیر امتحان کے وقت ملتا ہے وہاں راست اندازی کے وقت موشگافی کی جاتی ہے یہاں شانہ آہو کے بال کو چیرا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ دونوں کا بیان لاجواب ہے۔

صفتِ اسپِ بہرام

خسرو	نظامی
گرچہ بودش چو برق کوہ گزار	اشقرے بادپائے بودش جست
صد طویلہ بہر طویلہ ہزار	بہ تگ آسودہ و بگام درست
لیک بود اشقرے گزیدۂ شاہ	پر برآورد پائے زاندامش
چہرہ ترزابلق سپید و سیاہ	دست ہر کس شکستہ از گامش
بادپائے کہ چوں بگام شدی	رہ نوردے کہ چوں نوشتے راہ
تگ زدن بر صبا حرام شدی	گوئے بردے زچرخ و مہر و زماہ
در باہنگ تگ بروں جستے	اشقرے گور سم چو زیں کردی
وہم را دست و پائے بربستے	گور بر گردش آفریں کردی

مولنا نظامی نے گھوڑے کی تیزروی و تیزدو ی کو نہایت لطف سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ وہ گھوڑا ایسا سریع السیر تھا کہ اس کے پاؤں کو پاؤں نہ کہنا چاہیے بلکہ وہ پر تھے

کہ اُس کے جسم سے نکلے تھے۔ کسی کا ہاتھ اُس کے قدم تک نہیں پہنچ سکتا تھا گور صحرائی جن کی تیزی ضرب المثل ہے وہ بھی اُس گھوڑے کی گرد پر آفریں خواں تھے۔ اظہار عظمت کے لیے جس قدر مبالغہ کیا جا سکتا تھا انھیں چند اشعار میں ادا کر دیا گیا۔ اس پر دست و پا کا تقابل چرخ و مہر و ماہ کا تناسب۔ آسمان و مہر و ماہ کے مقابل لفظ گو کا لانا نظم کا زیور ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی وہی اشقر ہے اور وہی اُس کی تیز روی مگر بندشیں جُدا ترکیبیں نئی خیالات نرالے مضامین انوکھے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ صفت آپ کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ ہرگز امتیاز نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کتاب کے مقابلہ میں آپ کوئی دوسری کتاب لکھ رہے ہیں یہاں وہ اشقر سریع السیر ابلق لیل و نہار سے زیادہ تیز ہے صبا اُس کے سامنے قدم نہیں اُٹھا سکتی دوڑ کے وقت وہم تک کے بھی ہاتھ پاؤں باندھ دیتا ہے پر ہونے پر مرغ تیز کا کام کرتا ہے اس کے علاوہ اشقر و ابلق کا تقابل اور باقی الفاظ کا تناسب قابل تعریف ہے۔

زندہ گرفتاریِ گور

خسرو	نظامی
بعد از اں چوں بروں شدی بشکار	چوں کمندِ شکار بگرفتے
کم رسیدی زمندہ را آزار	گور زندہ ہزار بگرفتے
در کمندش بحکم بربستے	نام خود داغ کردہ بر رانش
باز گشتے و شاد بہ نشستے	دادہ سرہنگیِ بیابانش

نظامی	خسرو
چوں کہ داغِ ملک براں دیدے	گرم بررانش داغ فرمودے
گردِ آزار او نگردیدے	خطِ آزادیش ہماں بودے
بندۂ راز بند بکشادے	چرخ زاں گورگیریِ بہرام
بوسہ بر داغ گاہ او دادے	گورخانہ زمانہ کردش نام
دریں گورخانہ مورے نیست	تا دریں کہنہ گورخانہ پست
کہ برو داغ دست زورے نیست	گورخاں ہم زداغ گور نہ رست

مولنا کا مقصود یہ ہے کہ آخر میں بہرام گورخروں کو زندہ گرفتار کرتا اور اُن کی ران پر اپنے نام کا داغ ڈال کر چھوڑ دیتا۔ دوسرے شکاری جب شاہی مہر اُس پر دیکھتے تو اُس کا ادب کرتے اور کسی طرح کی تکلیف اُسے نہ پہنچاتے۔ آخر شعر میں ایک عبرتناک نتیجہ ظاہر فرمایا ہے کہ عالمِ فنا میں ایک چیونٹی بھی نہ ملے گی کہ وہ کسی زبردست کی داغ دار نہو۔

اب دیکھنا یہ ہی کہ اسی مضمون کو سادگی کے ساتھ مقابلہ کی حالت میں امیر خسرو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ خسرو کے اشعار پڑھو اُسی مضمون کی سادگی وصفائی کے ساتھ ایسی خوبی سے تکرار ہی کہ باہم مقدم و موخر کا فرق غیر ممکن ہے لیکن نتیجہ جو خسرو نے بیان کیا ہی وہ اُس نتیجہ سے زیادہ عبرتناک ہی یعنی اس دُنیا کے پرانے گورخانے

م خ ز مانہ کا گورخاں جو داغ گورلے کے پھرتا تھا اور آخر کار وہ بھی قبر کا غلام بنا۔

واقعہ نگاری

بہرام نے اپنی معشوقہ دلارام سے پوچھا کہ تو فرمایش کر کہ کس طرح ہرن کو اپنے تیر سے شکار کروں نظامی علیہ الرحمۃ نے دلارام کی یہ خواہش بیان فرمائی ہے کہ ایسا تیر لگایا جائے جو گورخر کے سر کو اس کے سُم کے ساتھ بخیہ کردے۔ خسرو یہ بیان کرتے ہیں کہ دلارام نے کہا کہ کمال جب ہی کہ تیر آہوئے نر کو مادہ بنائے اور مادہ کو جامۂ نر۔ دونوں کے اشعار یہ ہیں۔

خسرو	نظامی
باز گوتا زنم بدانائی	گورے آمد بگو کہ چوں تازم
ہر یکے را چنانکہ فرمائی	وز سرش تا سمش چہ اندازم
سیمبر ہم برخصتِ شاہی	گفت باید کہ رخ برافروزی
گفت ایں خواہش از من خواہی	سرِ آں گور بر سمش دوزی
ناوکِ زن بر آہوئے سادہ	شاہ چوں دید پیچ پیچی او
کہ بود مادہ نر، نرش مادہ	چارہ گر شد زبد پسیچی او
شاہ دریافت خوردہ دانی او	
تاخت مرکب بہ ہم عنانی او	

دونوں کے اشعار موجود ہیں اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو دونوں پلّے برابر ہیں۔ اگرچہ فرمایشِ دلارام دونوں کے یہاں غیر غیر ہے مگر صفائی و بے ساختگی میں دونوں کا

کلام مساوی ہے۔ ہاں آخر شعر مولنٰا نظامی کا اہلِ زبان ہونے کو بتا رہا ہے اور خسرو کا
آخر شعر اُن کے زبان داں ہونے کا مقر ہے یہ پیچ پیچ اور بدلیسیچ خاص اہلِ زبان کا
ب ولہجہ ہے خسرو کے یہاں لفظ خوردہ دانی واقع ہوا ہے ارباب مذاق صحیح امتیاز
ر سکتے ہیں کہ اہلِ زبان و زباندان ہونے میں اسی طرح کا ایک فرق لطیف پایا جاتا ہے۔

نظامی	خسرو
خواست اول کماں گروہہ چو باد	بخدنگے دو شاخ آہوئے نر
مہرۂ در کماں گروہہ نہاد	بردہ زاں گونہ کو نداشت خبر
صید را مہرہ در فگند بگوش	چو بہ بر فرق او بداں ساں اند
آمد از تاب مہرہ مغز بجوش	کہ ازاں نر بمادہ فرق نماند
سم سوئے گوش برد صید زبوں	دو یک انداز را بہم پیوست
تا ز گوش آرد آں غلولہ بروں	پس بر آہو روانہ کرد ز شست
تیر شہ برق شد جہاں از وخت	ہر دو در سر چناں نشاندش نوق
گوش و سم را بہ یکد گر بر دوخت	کہ دو شاخش پدید کرد بہ فرق
چوں سر و سم بدوخت شاہ زبیتر	زاں دو شمر طاہر کہ در خور کرد
بسر و سم در آمد ان نخچیر	کرد نر مادہ - مادہ را نر کرد

واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اُس کے اجزا و لوازم اس طرح بیان کئے جائیں کہ
سامع کی نگاہ میں اُس کی ہو بہو تصویر کھنچ جائے مولنٰا نظامی نے دلآرام کی ایک

انکی فرمایش بیان کی تھی بہرام کی قدر اندازی اسی کی مقتضی تھی کہ عجیب عجیب فرمایش بھی پوری کی جائے۔ انھیں امور کا لحاظ رکھتے ہوئے مولنا بہرام کے کمال کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ بہرام نے بجائے تیر و کمان کے پہلے غلیل کو اٹھا کر ایک غلہ اس گورخر کے کان میں پہنچایا جس سے اس کا مغز چکر مارنے لگا۔ گورخر نے اپنے سم سے کان کھجلایا بہرام کا برق رفتار تیر فوراً آ پہنچا اور گورخر کے سم کو اس کے سر سے بخیہ کر دیا۔

چند اشعار میں واقعہ کی تصویر کھینچ کر صورت حال کو اس طرح دکھا دینا کہ گویا ہم اس کو بچشم سر دیکھ رہے ہیں مولنا کا حصہ ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی برابر کا جواب ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہاں گورکو شکار بنایا ہے اور یہاں ہرن کو نشانہ ٹھہرایا ہے۔ بہرام نے ایک خدنگ سے آہوئے نر کے دونوں شاخوں کو سر سے ایسا اڑایا کہ اس کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اور دوبارہ اپنے تیر دو شاخہ کو دوسری آہوئے مادہ کے سر پر ایسا جمایا کہ گویا وہ اسی کی دو شاخیں ہیں اس طرح چشم زدن میں آہوئے مادہ نر اور نر مادہ کر کے دکھا دیا۔

تشبیہ و استعارہ مبالغہ و اغراق جو عروس سخن کے زیور ہیں ان کی چند مثالیں گزر چکیں انھیں نمونوں سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ کو نظامی جیسے ملک الکلام کے ساتھ ان انواع میں پہلو بہ پہلو رہنے کا پورا استحقاق ہے۔ اور یہ محض بہتان ہے کہ خسرو صنائع لفظی کے ایسے دل دادہ ہیں کہ اس کے التزام سے لطف معنی خاک میں مل جاتا ہے۔

واقعہ نگاری جسے مثنوی کی جان کہا جا سکتا ہے اُس میں خسرو کا پلہ نظامی سے ہرگز کم نہیں اب ایک موقع مرقعہ نگاری کا دکھایا جاتا ہے جس میں ایک شاہد ناز کا سراپا کھینچا گیا ہے۔

مولنا نظامی کا یہ کمال خصوصیت کے ساتھ ہر مقام پر نمایاں و بے مثل تسلیم کیا گیا ہے آپ کا خامۂ فکر ایسی تصویر بت طناز کی کھینچتا ہے جس کے مقابل مانی و بہزاد کے اصنام بھی سر بسجود ہو جاتے ہیں۔

خسرو	نظامی
خاصہ ترزاں ہمہ کنیزے بود	داشت با خود کنیزکے چوں ماہ
آفتابے بزیر چرخ کبود	چست چابک بہم رکابی شاہ
اصلش از چین و رخ چو صورت چین	فتنہ نامی ہزار فتنہ درو
گیسوش چوں سواد چیں مشکیں	فتنۂ شاہ و شاہ فتنہ برو
قامتے در خوشی چو عمر دراز	تازہ روئے چو نو بہار بہشت
ہوس انگیز تر ز عشق مجاز	خوش خرامے چو باد بر سر کشت
	انگبینی بروغن آلودہ
	چرب و شیریں چو صحن پالودہ

[مو]لنا نظامی نے اختصار کے ساتھ جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہے بالخصوص دوسرے شعر [می]ں فتنہ کا انقلاب لاجواب ہے اُس کے شیریں لب و شکر گفتار ہونے کے لیے جو تشبیہیں [د]ی گئیں سب کی سب حلاوت میں

خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار پڑھو وہی کیفیت یہاں بھی ہے لیکن ادا میں نرالی۔ غمزے نئے۔ کرشمے جدید۔ مولانا نے اس کے رُخ دلفروز کو ماہ کہا ہے۔ خسرو نے "آفتاب بزیر چرخ کبود" فرما کر اس کے حسن کے عجیب وغریب کرشموں کا خاکہ کھینچ دیا۔ پھر تیسرے شعر میں قامت کی ایک نئے انداز سے تعریف کرتے ہوئے "ہوس انگیز تر ز عشق مجاز" صرف اسی ایک مصرع میں ایک دفتر کا دفتر لکھ دیا۔ انصاف شرط ہے ایک مصرع میں یہ جامعیت کے ساتھ جس کے قلم نے سراپا کشی کی ہو اس کے خسرو اقلیم سخن ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

ایک اور موقع

	نظامی	خسرو	
[illegible]	خرمنِ گل ولے بقامتِ سرو	روئے گل رنگ داد گل را رنگ	[illegible]
	شستہ روئے ولے بخون تذرو	دہنش تنگ با شکر ہم تنگ	
غمزہ	خوبیِ غمزہ اش سحرگہِ خویش	نرگسش دورباش غمزہ خدنگ	چشم لب
	بستہ خواب ہزار عاشق بیش	لعل در آشتی وعشوہ بجنگ	
لب	لبِ لعلش چو برگ تر باشد	خال او گو ہزار پردہ درید	خال
	برگ آں گل پر از شکر باشد	عالمے را بگنجدے نخرید	
چشم	چشم چوں نرگسی کہ خفتہ بود	گیسوئے پیچ پیچ از سر ناز	[illegible]
	فتنہ در خواب او نہفتہ بود	داد در دست فتنہ رشتہ دراز	

نظامی	خسرو
عکس روشن بزیر زلف بتاب	رگ نمودہ برون زلطف بدن
چوں حواصل بزیر پر عقاب	ہم چو بشتہ درون ور عدن
خالش از زلف عنبر افشاں تر	بر پو نارنج نو بشاخ درخت
چشمش از خال نامسلماں تر	سخت بستہ بسیب دل سخت

مولنا نظامی کے پہلے شعر میں استعارہ کی لطافت اور حُسن تکرار کا لطف قابل دید ہے قامت معشوق کی تعریف چونکہ ایک ہی شعر میں کی گئی ہے اس لئے دوسرا شعر جہاں چہرہ کی تازگی و سُرخی کو ظاہر کرتا ہے وہاں خوش رفتاری سے بھی مشعر ہے عموماً شعرا کے کلام میں شراب سے مُنہ دھونا چہرہ کو زیادہ گل گوں کرنے کے معنی میں آتا ہے لیکن نظامی نے اُس گلِ رخسار کے رنگیں چہرے کو شراب سے نہیں دھویا ہے بلکہ خونِ تذرو سے دھونے میں جس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ تذرو جس کی خوش رفتاری ضرب المثل ہے اُس کے خرام ناز نے اُس کا خون کر دیا تھا۔ اسی طرح تیسرے شعر میں لبِ لعل کو برگِ گل بتلاکر پرشکر کہنا موصوف واحد کے لے صفات متعددہ ثابت کرنے کی ایک عمدہ مثال ہے۔

پانچویں شعر میں عکس رخسار اور سوئی تاب دار کے لئے جو تشبیہ مولنا نے بیان کی ہے غالباً اُس کے موجد خود مولنا ہیں کسی دوسرے اہل زبان کے کلام میں یہ نادر تشبیہ دیکھی نہیں گئی

زلف عنبر بو جو اُس کے گلابی چہرے پر بار بار جھوم جھوم کر آجاتی ہے اُس نظارے کو یوں تشبیہ سے سمجھاتے ہیں "چوں حواصل بزیر پرِ عقاب" حواصل ایک بحری پرند ہی سفید و چمکدار۔ عقاب سیاہ شکاری پرند ہے۔ اب مصرعہ پڑھئے اور اقلیم سخن پر مولانا کی پر جلال آزادانہ سلطنت کی ہزاروں داد دیجئے۔

اب خسرو کے اشعار پڑھو دوسرا شعران کی جدّت پسند طبیعت اور قادرالکلامی کا پورا ثبوت دے رہا ہی ایک ہی شعر میں مضامین گوناگوں بیان کرنا خصوصیات خسرو ہے۔ چشم مخمور و نیم باز کو دورباش قرار دیتے ہوئے غمزہ کو دل و جگر کے شکار میں مصروف رکھنا لب لعلین کو صلح جو و آشتی پسند کہتے ہوئے عشوۂ فتنہ انگیز کا جنگ و جدال سے باز نہ آنا کس خوش اسلوب و جدت طرازی سے بیان ہوا ہے خال و گیسو کے اشعار پڑھو چار مصرعوں میں کس قدر محاورات جمع کر دئے گئے ہیں اُس پر خال و کنجد گیسو و پیچ پیچ اور فتنہ و رشتہ کی درازی میں تناسب لفظی و معنوی کس قدر قابل تعریف ہی۔ اگر ناظرین غور کریں گے تو خسرو کے اکثر اشعار میں تشبیہیں نہ صرف لطیف و نادر اُنھیں ملیں گے بلکہ اکثر کو جدت و ایجاد خسروی کا نمونہ پائیں گے خاص کر پچھلا شعر۔ اُس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے وہ تھوڑی ہی۔ غرض سراپا لکھنے میں بھی خسرو اپنے مقابل سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

موضوع کتاب اور اُس کے اجزا

ابھی بیان ہو چکا ہی کہ ہفت گنبد بہرام کی ہفت اقلیم کی شاہزادیوں سے زیب و زینت

ہے ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے اُس رنگ کی مناسبت سے بہرام و شاہزادی کا لباس
بھی رنگین ہوتا ہے۔ بہرام شاہزادی سے کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے وہ بادشاہ کو
دعا دیتے ہوئے ایک قصہ کہتی ہے ختم داستان پر بہرام ہم آغوش ہو کر داد عیش دیتا ہے

اس طرح ہر قصے میں پانچ چیزیں ہوتی ہیں ایک تو بہرام کا داخلہ۔ دوسرے
شاہزادی کی دعا تیسرے شاہزادی کی زبان سے داستان۔ چوتھے رنگ کی
بوقلمونی۔ پانچویں استراحت بہرام۔

داستانیں دونوں کتابوں میں بالکل مختلف ہیں اس لئے اُن میں مقابلہ نہیں
ہو سکتا پھر یہ بھی ہے کہ واقعہ نگاری و داستان نویسی میں خسرو کی برتری ایسی نمایاں
ہے جو مقابلہ سے بے نیاز ہے باوجود اختصار و ایجاز کے ہر داستان کے اجزا و لوازم
اس استیعاب سے خسرو نے بیان کئے ہیں کہ اس کمال کی داد نہیں دی جا سکتی۔ اب
مقابلہ میں صرف داستان کے بقیہ چار ارکان سے بعض نمونے مقابلۃً پیش کیے جاتے ہیں

رنگ سیاہ گنبد اوّل

خسرو	نظامی
رنگ مشکیں شعار عباسی ست	در سیاہی شکوہ دارد ماہ
زیور آرائے چرخ شماسی ست	چتر سلطاں ازاں کنند سیاہ
ظلمت شب کہ مشک فام بود	ہیچ رنگے بہ از سیاہی نیست
راحت آیتِ تمام بود	راست ہی چاشت ماہی نیست

نظامی	خسرو
از جوانی بود سیہ موئی	خون تر در میان نافہ خشک
وز سیاہی بود جوان روئی	تا نگرد د سیہ نباشد مشک
بسیاہی جہاں بصر بیند	خط و خالے کہ دلستاں دارد
ہر کسے بر سیاہ بہ نشیند	مشک رنگ ست زیب آں دارد
گر نہ سیفور شب سیاہ شدی	
کی سزاوار مہر و ماہ شدی	
ہفت رنگے ست زیر ہفت اورنگ	
نیست بالاتر از سیاہی رنگ	

فضیلت سیاہی پر جو دلائل قائم کیے ہیں اگرچہ واقعی ہیں مگر طرز بیان زیادہ چست نہیں لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کے دلائل زیادہ دلپذیر اور طرز بیان بہت ہی چست ہے۔

گنبد چہارم رنگ سرخ

نظامی	خسرو
سرخی آرایش نو آئین ست	رنگ گلنار دل کشائے بود
گوہر سرخ را بہا این ست	چوں مے لال جاں فزائے بود
چونکہ آمیزش رواں دارد	زیب باغ ست رنگ گلناری
سرخ زاں شد کہ لطف جاں دارد	چوں شفق بر سپہر زنگاری

نظامی

زرکہ گوگرد سُرخ شد لقبش
سُرخی آمد نکوترین سببش

خسرو

ہر کہ شد بخت و دولتی یارش
رُخ بسرخی بود چو گلنارش
ہست گلنار ہمچو نار کلیم
گل نارست باغ ابراہیم

اس مقام پر بھی مولانا کے دلائل وطرز بیان سابق کی طرح سادہ اور جدت وچستی سے خالی ہیں برخلاف اس کے خسرو کے دلائل میں جدت اور طریقہ نہایت ہی چست ومعنی خیز ہو اُس پر صنعت تقابل وتناسب لفظی ومعنوی نے اور بھی بیان کو رنگین بنا دیا ہی صنائع لفظی کا ایسی صنعت سے لانا جس سے معنی میں رنگینی ولطافت پیدا ہو جائے خسرو کا حصہ ہی۔

گنبد ہفتم رنگ کافوری

نظامی

ہر چہ ز آلودگی شود نا مید
پاکیش را لقب کنند سپید
در پرستش بوقت کوشیدن
سنت آمد سپید پوشیدن

خسرو

جامہ کافور گوں بہ ست بساز
کہ بخیر الثیاب یافت طراز
پاک رنگ ست رنگ کافوری
تا مہارا بیاض مغفوری
چوں شود مشک آدمی کافور

خسرو

روز روشن کہ سربسر نورست
ہمہ نورش برنگ کافورست

اس جگہ بھی سابق کی طرح خسرو کے دلائل میں قوت و فضلیت موجود ہے۔ سات رنگوں میں سے تین کا مقابلہ کرکے کمال خسرو کا نمونہ دکھا دیا گیا۔ ایک اوّل اور دوسرا وسط اور تیسرا خاتمہ کا رنگ اختیار کیا ہے۔ چونکہ ان مقامات کا بیان نہایت صاف وسلیس ہے اس لئے وجوہ افضلیت کا تفصیلی اظہار غیر ضروری سمجھکر ترک کر دیا گیا۔

خواب بہرام با معشوقانِ طنّاز

اس موقع کو کہ شاہزادی جب قصہ ختم کرتی ہے تو بہرام اُس سے ہم آغوش ہوکر سورہتا ہے دونوں حضرات نے بیان کیا ہے۔ لیکن نظامی کے یہاں عموماً بہرام کا خواب ایک معمولی خواب ہے لیکن خسرو علیہ الرحمتہ جب بہرام کو سُلاتے ہیں تو عاشق ومعشوق کے سونے کا نقشہ نگاہوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ دو تین نمونے اس کیف کے بھی مقابلتہً لکھے جاتے ہیں۔

داستان اوّل خواب با ملکہ ہندی

نظامی	خسرو
چونکہ بانوئے ہند با بہرام	شاہ کز نازنین مشکیں موے
باز پرداخت ایں فسانہ تمام	ایں فسانہ شنید روے بروے

نظامی

شہ براں گفتہ آفرینش گفت
در کنارش گرفت شاہ و بخفت

خسرو

خفت در خوابگاہ حورالعین
گل در آغوش مشک بربالیں

خسرو کے اشعار میں جو لطف و کیف ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ موئے و روئے۔ عین و آغوش و بالیں کے تناسب کے علاوہ اُس محبوبہ ہندی کو مشکیں موے سے موصوف کرنا اور حالت خواب کو مشک بربالیں قرار دینا ایک خاص صنعت طرازی ہے۔

داستان دوم ملکہ گنبد زعفرانی

نظامی

شہ چو ایں داستاں شنید تمام
در کنارش گرفت و خفت بکام

خسرو

شاہ را چوں نگار شکرخاے
زعفراں وار شد نشاط افزاے
در بر آورد شاہ زرد قباش
زعفراں سائے گشت بر حلواش

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس مقام پر بلیغ و دقیق استعارہ کے ساتھ جس طرح مضمون بیان کیا ہے اُس کا صحیح اندازہ کافی مذاق سخن چاہتا ہے۔

خواب بہرام با ملکہ گنبد سُرخ

نظامی

روئے بہرام ازاں گل افشانی
سُرخ شد چوں گلاب ریحانی

خسرو

ماہ گلنار چہرہ چوں بہ تمام
گفت افسانہ خفت با بہرام

نظامی

دست بر سُرخ گل کشید دراز
درکنارش گرفت و خفت بہ ناز

یہاں خسرو نے سادگی و اختصار سے کام لیا ہے اور مولانا کے اشعار میں رنگ آمیزی ہے لیکن پھر بھی دونوں نے رنگینی کے جو پہلے اشعار خسروی میں دکھائے گئے ہیں ان کے مقابل میں یہ سُرخی پھیکی ہے۔ بہرحال من حیث المجموع خسرو کا پلہ اس مضمون میں بھی راجح ہے۔

داخلۂ بہرام بہ گنبد

شام ہوتی ہے اور بہرام معشوقۂ دلنواز کے گنبد میں داخل ہوتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مولانا نظامی کا یہ بیان گنبد سُرخ میں نہایت ہی بلیغ ہے۔ اس لئے صرف مقابلہ میں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خسرو	نظامی
شب چو پروین نمائے گشت سپہر	شب چو منجوق بر کشید بلند
ماہ برخویش بست زیور مہر	طاق خورشید در کشید بلند
داد فرماں خدائیگان سریر	شاہ زاں سُرخ سیب شہد آمیز
کاید آں ماہ روے در تقریر	خواست افسانۂ نشاط انگیز
بہ فسون و فسانۂ چو نبات	
مغز شہ تر کند بآب حیات	

مولانا کے ہاں لفظ منجوق کا ایہام ایسا دقیق اور لطف انگیز ہی اور اُس کو یہاں ایسے مخفی استعارہ کے پہلو سے بیان کیا گیا ہی کہ اُس کا مذاق اہل زبان سے دریافت کیا جا سکتا ہی۔

پھر لفظ درکشید و برکشید میں ایسی فصاحت موجود ہے جو سہل ممتنع کی ایک بے مثل مثال ہی۔ مقصود یہ ہے کہ سورج غروب ہوا۔ اور آسمان پر چاند نکلا۔ اس کے لئے جو اہتمام کیا گیا اور جس آمد و بے تکلفی سے ادا کر دیا وہ مولنا کے کمال کا نمونہ ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کا بھی وہی مقصد یعنی یہی سورج چھپ گیا رات ہوئی اور چاند نکلا لیکن انصاف طلب یہ امر ہی کہ مقابلہ میں منہ کھولنا اور وہ بھی مولنا جیسے اہل زبان کے سامنے اور پھر بازی میں پیچھے نہ رہنا سوائے خسرو کے اور کس کو نصیب ہوا۔

پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ اول مصرعہ کے ساتھ ہمکناری کا جو لطف ظاہر کر رہا ہی اُس کے علاوہ ایسے خاص لطیف استعارہ کا حامل ہے کہ اُس کی داد مولنا نظامی ہی دے سکتے ہیں۔

خسرو کا ہر ایک شعر مقابل کا جواب الجواب بلکہ لاجواب واقع ہوا ہے۔ لیکن نگاہ منصفانہ شرط ہی۔

ایک اور موقع

اگرچہ ایک مثال بھی اپنے مقام پر کافی ہوتی ہے لیکن بعض اہل خیال کا خیال کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور مثال بھی پیش کر دی جائے۔

نظامی	خسرو
چوں پری سبزۂ زمرد وار	چوں شب تیرہ گشت گوہر سنج
باغ انجم فشاند برگ بہار	در زمیں در شد آفتاب چو گنج
زاں خردمند سروِ سبز اورنگ	شاہ مست و حریف ہم مست
خواست تا پُر شکر فشاند تنگ	رفتہ بیروں عنانِ ہر دو ز دست
	گفت فرمان دہ سریر بلند
	کہ شکر لب ز پستہ ریزد قند

مولنا نظامی کے یہاں اوّل شعر میں شب کا ہونا اور دوسرے شعر میں اُس نازک اندام محبوبہ سے قصہ کی فرمایش جس آب و تاب سے بیان ہوئی ہے وہ تمام الفاظ کے تناسب و تقابل سے ظاہر ہے خاص کر بہرام کو سروِ سبز اورنگ کے ساتھ استعارہ کرتے ہوئے اُس کی زبان سے یہ کہنا "خواست تا پر شکر فشاند تنگ" کس قدر باحلاوت و شیریں تقریر ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار میں اگرچہ گنبد سبز کے تلازم کو نظر انداز کر دیا گیا ہی مگر ایک ہندی شاعر ایک ایرانی کے مقابل کہتا ہی کہ (در زمیں در شد آفتاب چو گنج) اور قند مکرر کی شکر ریزی یوں کرتا ہے (کہ شکر لب ز پستہ ریزد قند) واقعہ ہے کہ اگر ارباب سماع پر کیف ہوں تو یقیناً یہ سمجھیں گے کہ یہ طوطی ہند نہیں ہے بلکہ بلبل شیراز چہک رہا ہی۔

خسرو کے اسی زورِ قلم کا نتیجہ ہے جو اہل زبانوں نے بھی ان کے سامنے سر تسلیم

ختم کر دیا ورنہ اہلِ زبان کب کسی زبان داں کو خاطر میں لاتے ہیں۔

اشعار دعائیہ

ہر شاہزدی نے جو آغاز داستان سے پہلے بہرام کو دعائیں دی ہیں ایک دو نمونے اُس کے بھی ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ملکہ گنبد ریحانی

خسرو	نظامی
لعبتِ سیم با ہزار نشاط	پری آنکہ کہ پردہ بود نماز
سو درخ را بہ پاںگاہ بساط	بر سلیماں کشادہ پردۂ راز
گفت شاہا جہاں بکام تو باد	گفت کاے جانِ من بجانِ تو شاد
در جہاں ہر چہ ہست رام تو باد	ہمہ جانہا فدائے جان تو باد
ہر کہ بد بیندت چو بدبیناں	خانۂ دولت ست خرگاہت
دوزخی باد ہمچو بے دیناں	تاج و تخت آسمان درگاہت
	تاج را سربلندی از سرِ تست
	تخت را پادشاہی از درِ تست
	گوہرت عقد مملکت را تاج
	ہمہ عالم بدرگہت محتاج

مولنا کے اشعار میں نماز بردن خاص اہل زبان کا محاورہ ہے جو اُن کی ہی زبان سے

بھلا معلوم ہوتا ہے معنی اس کے اطاعت کرنے کے ہیں۔ پری و سلیمان کا تقابل و تناسب بھی اک خاص لطف پیدا کرتا ہے باقی مضمون دعا معمولی ہے کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔

اشعار خسروی کی بندش صاف اور چست ہے مگر دعا کا مضمون یہاں بھی معمولی و سادہ ہے لیکن دوسرے مصرعہ میں جو محاورہ آداب بجا لانے کے معنی میں ذکر کیا ہے وہ مولانا نظامی کے پہلے شعر کے اُس محاورہ کا جواب ہے جو اہل زبان کے ساتھ خاص ہے۔

ایک اور مثال

نظامی	خسرو
چوں ز فرماں شہ گزیر نبود	نازنیں بر زمیں نہاد جبیں
عذر با نا دلپذیر نبود	گفت کاے شہریار روئے زمیں
گفت رومی عروس چینی راز	بخت ہموارہ ہم عنان تو باد
کاے خداوند روم و چین طراز	سر بدخواہ بر سنان تو باد
تا شدی زندہ دار جان ملوک	ہرچہ دادی کرشمہ زانگشت
عز نصرت خدایگان ملوک	یک بیک جملہ یادت اندر مشت
ہر کہ جز بندگیت رائے کند	شرم دارم کہ پیش دیدہ وری
سر خود در نثار پائے کند	کہ با راکشم بجلوہ گری

مولنا کے پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ "عذر با تار دلپذیر بود" آپ کی فصیح البیانی کا خاص نمونہ ہی طراز ترکستان کے شہروں میں ایک حسن خیز شہر ہے جس کا ذکر اس جگہ ایک لطف پیدا کر رہا ہے۔ دعا کا پہلو جو اختیار کیا گیا ہے اس کی بلاغت بھی قابل تحسین ہی بظاہر کوئی فعل دعا پر دلالت نہیں کرتا ہے اور حقیقت میں سب دعا ہی۔

امیر خسرو کا تیسرا شعر ہزاروں اشعار دعائیہ کا جواب ہی۔ تمامی مرادات کے حصول کے مضمون کو شاعر قادر الکلام نے جس خوبی سے بیان کیا ہے اُس سے ظاہر ہی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو جس صنعت و خوبی کے ساتھ بیان کرنا چاہی بے تکلف اُسے ادا کر سکتا ہی۔

پھر آخر شعر میں دُر دُری کا باہمی صنعت تجنیس و اشتقاق کی جلوہ گری اُس پر کہربا کے ساتھ تقابل قابل دید ہے دری بضم دال مہملہ بہ معنی ستارہ روشن کے ہے اضافت تشبیہی کے نسبت سے دربالضم کا مضاف الیہ بنانا کیسی پاکیزہ ترکیب اور زبان دری کی کیسی چست بندش ہی۔

ساتوں قصوں میں مضامین مشترکہ کا مقابلہ ضرورت سے زیادہ کر کے دکھا دیا گیا جس سے ثابت ہی کہ مولنا نظامی کو تقدم زمانی کا شرف خسرو علیہ الرحمۃ پر حاصل ہی۔ ورنہ خسرو کی مثنوی کسی طرح اپنا پایہ کم نہیں رکھتی ہی کہیں نظامی کو ترجیح ہی اور کہیں خسرو کو ہاں کہیں کہیں بعض محاورات اہل زبان کی خصوصیت البتہ ظاہر کرتے ہیں

مثنوی کا خاتمہ دونوں حضرات کے یہاں بہرام کی موت نے کر دیا ہی۔ گورخر کے

تعاقب میں بہرام کوئیں میں گر کر موت کا خود ہی شکار ہو جاتا ہے۔ مولٰنا نظامی اپنی کتاب بادشاہ کے دُعائیہ اشعار پر ختم فرماتے ہیں۔

نظامی

دولتی باش ہر کجا باشی | در رکابت فلک بفرّاشی
دولت راکہ از زیادت باد | خاتم کار با سعادت باد
ایں دعا را ز قدسیاں آمیں | میرسد ہر زمان بعلییں

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی جہاں ختم ہوئی ہے وہاں ناصحانہ اشعار لکھتے ہوئے اپنے شیخ طریقت کی طرف عجب اخلاص و ارادت سے ملتفت ہوئے ہیں۔

خسرو

خسروا پائے نیک مرداں گیر | با مسیحا نشین و پیش بمیر
بایدت خانۂ حیات درست | از خضر بایدآب حیواں جست
خواہی از خاک بر سپہر خرام | خاک شو زیر پائے شیخ نظام

اس کے بعد خسرو نے اپنی کتاب کا تمام ہونا سنہ تصنیف تعداد اشعار وغیرہ بیان کئے ہیں آخر میں اپنے اُستاد علامہ شہاب کا شکریہ ادا کیا ہے۔ مولٰنا شہاب علاء الدین خلجی کے عہد میں ایسے جامع معقول و منقول فاضل جلیل الشان تھے کہ اکثر فضلا نے آپ کے تلمذ سے شرف حاصل کیا تھا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کا معمول تھا کہ اپنی تصنیف جس طرح کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے

سامنے فاتحہ کی غرض سے پیش فرماتے، اُستاد علامہ کے ہاتھوں سے بھی اُسے مشرف کرتے تھے۔ یہ خصوصیت کچھ خمسہ کے ساتھ نہیں ہے۔ اعجاز خسروی کے متعلق بھی ایسے ہی کلمات خسرو علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمائے ہیں کہ شہاب نے تمام اغلاط کے جنون کو اپنے قلم اصلاح سے بند کر دیا ہے اب کوئی اس میں کسی طرح کی غلطی نہ پائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ کی تصانیف عجیب گوناگوں فوائد و برکات سے مالا مال ہیں۔ اُنہوں نے اشعار کے ضمن میں بہت سے اہم اخلاقی مسائل کی تعلیم فرمادی ہے کہیں والدہ ماجدہ سے جو ملے ہیں اُسے نظم کیا ہے تاکہ لوگ شفقت مادری کو جانیں اور ماں کا حق اپنی سعادت سے ادا کریں کہیں بھائی کا مرثیہ لکھ کر اخوت کے حقوق بتائے ہیں کہیں اُستاد کی تعلیم کا شکریہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ اس مثنوی میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اُستاد کے فضل و کمال کا ایک بلیغ خطبہ پڑھتے ہیں اُس کے بعد فرماتے ہیں ؎

نور دل چوں بعالم افگندہ	سایہ بر کار من ہم افگندہ
من بہ عرضہ کردہ نامۂ خویش	او باصلاح راند خامۂ خویش
چوں ہمہ عیب دید دشمن وار	شستہ چوں دوستان آئینہ وار
ہرچہ او گفت می نہادم گوش	برکشیدم چو کس ز شربت نوش
وانچہ بنمود من نجستم پے	عیب آں بر من ست نے بر وے
انچہ او دید [illegible]	[illegible] برچید

یارب او چوں بہ پنج نامۂ من   بر دبیروں خطائے نامۂ من
نامۂ او کہ حرز جانش باد   در قیامت خطِ امانش باد

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام کا مقابلہ امام مثنوی گویان مولنٰا نظامی کے ساتھ جب دکھا دیا گیا تو اب کسی اور کے کلام سے مقابلہ کرنا ایک عبث فعل ہوگا۔

اس لئے کہ خسرو کے بعد اگر کسی نے مثنوی کا حق ادا کیا ہے تو وہ صرف جامی علیہ الرحمہ ہیں لیکن اُنھوں نے اس داستان کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اس بحر میں آپ کی مثنوی سلسلۃ الذہب ہی لیکن وہ خالص صوفیانہ رنگ میں ہی۔ حمد و نعت بھی اُس مثنوی میں مولنٰا نے گہرے صوفیانہ رنگ میں لکھی ہی۔ بعضوں نے ہموزن کو ہم رنگ سمجھ لیا اس لئے وہ لکھ گئے کہ سلسلۃ الذہب ہفت پیکر و حدیقہ کے ہم رنگ ہی۔ خیر اس طرح کی غلطی مقلدین سے نقل کرنے میں ہو ہی جاتی ہی۔

یہاں یہ مقصود ہی کہ خسرو کے کلام کا مقابلہ ان کے مابعد کے شعراسے کرنا ایک فضول امر ہے بدیں وجہ ہاتفی کی ہفت اورنگ سے مقابلہ نہیں کیا گیا لیکن بہ نظر مقابلہ خواجو کرمانی اور ہاتفی دونوں کی مثنویاں مطالعہ کی گئی تھیں اس لئے محض چند اشعار دونوں کے حمد و نعت سے نقل کرتا ہوں ناظرین کرام اسی سے ایک سرسری اندازہ کر سکیں گے۔

ہفت منظر ہاتفی

حمد

سایۂ آفتاب نہ خورشید   آفتاب تو سایۂ جاوید

مسجد و دیر را تو کردی ساز — در ایمان و کفر کردی باز

دیری و مسجدی ترا جویند — گرچہ ہر یک در دگر کوبند

جملہ موجود را توئی معبود — ہستی و بودہ و خواہی بود

پشہ را دہی ز طبع جود — طعمہ از مغز کلہ نمرود

از پئے دیدن سیاہ و سفید — نے چراغت بکار و نے خورشید

دیدن تو چو دیدن ما نیست — وان شنیدن شنیدن ما نیست

تاج شاہان خسروانی کوس — ہست بر درگہت چو تاج خروس

مناجات

روز محشر کہ سر زنم از خاک — سینہ صد پارہ و گریباں چاک

پشت ایم ز جرم فرسودہ — پائے تا سر گناہ آلودہ

نکنی کردہ مرا منظور — رحمت خویش آوری بظہور

دانم ایں را کہ جملہ بد کردم — بد من سرنوشت خود کردم

در ازل ہر چہ کردہ ام تقصیر — بنو دخیہ کردنش تدبیر

رحمت از ہاتفی دریغ مدار — ز فنایش بزیر تیغ مدار

نیز طبعش کنی ز جملہ غنی — در ثنائے محمد مدنی

نعت و معراج

اے بلند از تو پایۂ معراج ... تاج

قرشی تخت و ہاشمی افسر | ابطحی رائے و یثربی مغفر
شہِ بطحے محمدِ عربی | پے شرار تو شرار بولہبی
ماہ مشرق طلوع عالمگیر | نورگیر از تو آفتاب منیر
نہ نشستہ کسے بہ بالا دست | زیر دست تو بود ہر کہ نشست
خضر آبِ رواں ز جوئے تو یافت | سوئے آں چشمہ رہ بسوئے تو یافت
رفت عیسیٰ اگر بچرخ کبود | بودی از وے ہزار پایہ فزود
اے خوش آں شب کہ آں ہلال صبا | سوئے اقصا نہاد رخشت پا
ہر دو طورِ تجلّیٔ ذاتی | بہر ماہِ رخ تو مرآتی
آں شنیدی ہزار گونہ کلام | نہ زباں بود در میان نہ کام
سخنانش نداشت پیش و پسے | ہمہ بودند جمع ہم نفسے
خواہش دل ز حد برونت داد | انچہ می خواستی فزونت داد
شد یقینت کہ خانہ بے غیرست | مژدہ دادت کہ عاقبت خیرست
سفرت بود طرفۃ العینی | آں شد آمد نداشت ما بینی
کس و بیکس گناہگارے چند | بامیدِ شفاعت خرسند
گر شفاعت گری بجا آری | نیست اندیشہ از گنہگاری

خواجو کرمانی

حمد

بسم من لا الٰہ الّا ہو | صنع لفظی و زین معناہ

قادرے کو منزہ است از عیب | صانعے کو مقدس است از ریب

زمزمہ پرداز کارگاہ وجود | نقش بند نگارخانۂ جود

آنکہ ہم اول است و ہم آخر | وانکہ ہم باطن است و ہم ظاہر

روح در کیش اوست قربانی | کفر در دین او مسلمانی

عقل قاصر ز کنہ آلایش | وہم عاجز ز حصر نعمایش

خلعت جاں بہ انس و جاں دادہ | و آب حیواں بخضر جاں دادہ

حسن ذاتش نگر بعین صفات | در صفاتش ببیں تجلی ذات

آنکہ روزی بمور و مار دہد | روشنائی بہ نور و نار دہد

برقع از صورت سخن بکشاد | شمع معنی بدست خواجو داد

اے ز دل کردہ شمع منظر گل | وے ز گل کردہ برج اختر دل

بدر را لالہ کہ ہست قاصد شام | در رہت بندۂ منیرت نام

صدفی بہ خاک یعنی روح | یافتہ از تو زندگانی روح

اے ز عشق تو عقل شیدائی | ہمہ پنہانیت ز پیدائی

ابتدائے ترا نہایت نیست | وانتہائے ترا بدایت نیست

من دل مردہ را حیاتی بخش | وز غم نیستی نجاتی بخش

بے نوایم مرا نوائے ساز | دردمندم مرا دوائے ساز

شربت از مہر [illegible] دہ

در توحید بر دلم بکشائے | رہِ ایوان وحدتم بہ نمائے
خانۂ غفلتم زبر برکش | دامنِ عصمتم بسر درکش
عالمِ ہستیم بباد مدہ | خرمنِ ہستیم بباد مدہ
مرغِ طبع مرا گلشن راز | بلبلِ پردہ سازِ معنی ساز
ظلمتِ ظلم از رواں بفزائے | وآب حیوانم از زباں بکشائے
ملک معنی مسخرم گرداں | حکم و حکمت میسرم گرداں
دلِ خواجو ز شمع دل بفروز | چشم تجریدش از جہاں بردوز

نعت

اے رخِ ماہ مطلعِ لولاک | وے بقد سروِ گلشنِ افلاک
سیدِ انبیا پناہِ رسل | مقصدِ کن فکاں امام رسل
نبیِ ہاشمی رسول خدائے | مرغ دستاں سرائے ہر دو سرائے
حجۃ حق خلاصۂ کونین | رحمتِ خلق و ہادیِ ثقلین
شمع بطحی چراغ بیت حرم | صدر و بدرِ جہاں جہان کرم
راہ بنمائے الذی اسریٰ | مجلس آرائے قصر ما ادحیٰ
مردہ را زینت وصفا از تست | رونقِ ملک اصطفا از تست
تو کماں دار قاب قوسینی | عرش را زیب و فرش را زینی
بوالبشر خوشہ چینِ خرمنِ تو | روضہ خرم بہ بوئے مسکنِ تو

شرفِ بامِ کبریائت مہر | کاسۂ ریزِ مطبخِ تو سپہر
تو مہِ و مطلعِ تو اوجِ فلک | توشۂ لشکرِ تو فوجِ ملک
خادمِ خوانِ دعوتِ تو خلیل | مرغِ باغِ نبوتت جبریل
کشتۂ تیغِ غمزۂ تو ذبیح | وز دمت روح پرورید مسیح
آستانِ تو سجدہ گاہ فلک | وآستینِ تو بوسہ جائے ملک
سدرہ رامنتہا تو دیدن وبس | گل باغِ دنا تو چیدن وبس
گر یتیمی چہ غم کہ از تعظیم | بیش باشد بہائے درِ یتیم
دمبدم چشمِ ما کہ رفت برود | می فرستد بروضۂ تو درود
رفتم از دست عذر من بہ پذیر | سر برآور زخاک و دستم گیر
در حریمِ شفاعتم بہ نشاں | وآستیں بر بضاعتم مفشاں
کار خواجو چنیں خراب مہل | زورقش درمیانِ آب مہل
بگشایش درِ سرائے اماں | برسانش بمنتہائے رساں

خواجو کرمانی کی یہ مثنوی اخلاقی وصوفیانہ ہے چھوٹے چھوٹے اخلاقی مضامین پند وموعظت کے اس میں لکھے ہیں۔

حمد ونعت میں جو اشعار کہ ہم معنی ومضمون واقع ہوئے ہیں انھیں اگر خسرو سے ملا کر دیکھا جانے تو معلوم ہو جائے گا کہ تمام مثنوی نگار خسرو سے بمراحل دور ہیں۔

تائید تنقید از بہارستان جامی

بہارستان جامی میں سخن سنج جام نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کی قادر الکلامی کی جو داد دی ہے وہ فقیر کے دعوی پر ایک روشن برہان ہے۔ فرماتے ہیں۔

"امیر خسرو علیہ الرحمہ در شعر ستئی است قصیدہ و غزل و مثنوی ورزیدہ وہمہ بکمال رسانید۔ تتبع خاقانی می کند ہر چند در قصیدہ بہ وے نہ رسیدہ اما غزل از وے گذرانیدہ وغزل ہاے بواسطہ معنیٔ آشنا کہ ارباب عشق و محبت بحسب ذوق ووجداں خود را در می یابند مقبول ہمہ کس افتادہ است خمسہ نظامی بہ از وے کسے در جواب نگفتہ و وراے آں مثنویہا دیگر دارد ہمہ مطبوع و مصنوع"

اب بعد اس کے کہ ایسی زبردست شہادتیں کمال خسروی کے متعلق پیش کی جا چکیں، اصناف سخن کا بھی ایک نمونہ پیش کر دیا گیا خصوصیت کے ساتھ صنف مثنوی میں مولنا نظامی کے کلام سے مقابلہ بھی کر کے دکھا دیا گیا ان مراحل کے بعد شاید اس دعوی کی تصدیق میں کہ خسرو کا وجود نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں ایک جوہر فرد ہے کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔ اب رہی یہ بحث کہ اس طرح کی جامعیت اور کمالات گوناگوں کے کیا وجوہ ہوئے اس کے لئے صرف حضرت سعدی کا مشہور فیصلہ کفایت کرتا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خداے بخشندہ

کمال خسروی کے متعلق روایات عجیبہ کی وجہ

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام سے پیشتر دنیا اس خبط میں مبتلا ہے کہ جہاں کسی فرد بشر میں کوئی قوت عامۂ ناس سے زیادہ ہوئی بس اوسے خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا گیا

چنانچہ حکمائے یونان میں سے فلاطون وغیرہ اسی لقب کے مستحق سمجھے گئے۔ آج یورپ باوجود اس کے کہ علم و فن میں اپنے کو انتہا مرتبۂ کمال پر سمجھتا ہے لیکن کیا مجال کہ اوس قدیم خبط سے ہوش میں آسکے وہی رٹ لگی جاتی ہے کہ عیسی خدا ہے خدا کا بیٹا ہے۔

لیکن تعلیمات اسلامیہ نے جبکہ دنیا کے عقول صحیح کر دیے تھے تو کسی کو یہ جرأت تو نہو سکی کہ کسی صاحب کمال کو اس لقب سے یاد کر سکے لیکن پھر بھی جب کسی کے لئے غیر معمولی کوئی وصف ثابت کیا جاتا تو اوس کے لئے غیر معمولی وجوہ بھی تراشے جاتے۔

اگر خسرو علیہ الرحمہ جیسا شخص اسلام سے قبل دنیا میں آیا ہوتا تو اُس کے محیر العقول کمالات بھی ملک و قوم سے اوسی لقب کی سفارش کرتے جو ایسی باکمالوں کو ملک و اہل ملک کی جانب سے ملا کرتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ کسب و اکتساب تعلیم و تعلم سے جہاں تک طبیعت میں ملکہ اور قوائے دماغی کی تربیت علی العموم ہو سکتی ہے اوس مقدار خاص سے اگر کسی کی طبیعت میں ملکہ یا دماغی قوت میں نشو و نما زیادہ پایا گیا تو پھر اوس کے بیان وجوہ میں عجیب غریب رنگ آمیزی کی جاتی۔

خواجہ حافظ شیرازی اور مولنا نظامی کے متعلق جو روایات کہ عوام میں مشہور ہیں وہ اثبات دعوی کے لئے کافی ہیں

اس میں کوئی کلام نہیں کہ اکتساب کمال کے لئے جہاں صحیح استعداد طلب کامل محو و انہماک شرائط و لوازم ہیں وہاں نفوس قدسیہ اور ارواح زاکیہ کی توجہ و دعا بھی ایک اثر خاص رکھتی ہے۔

خواجہ حافظ و مولٰنا نظامی وغیرہ چونکہ زمرہ صوفیہ میں ہیں اس لئے ان حضرات نے اپنے عہد کے شیوخ سے ضرور استفادہ و استفاضہ دعاے مقبول کا فرمایا۔ یہ اونھیں بابرکت دعاؤں کا اثر ہے کہ ان حضرات کے قلم نے معارف و حقائق کے ایسے مینہ برسائے کہ آج تک رہروان معرفت اُن سے سیراب ہو رہے ہیں۔

عوام نے اونہیں برکات و فیوض کو اپنے الفاظ میں اس طرح شہرت دی جس سے رفتہ رفتہ واقعہ طلسمی افسانہ بن گیا۔ اور اصل حقیقت مخفی ہو گئی یہ نتیجہ اوسی استعجاب کا ہے جو حافظ و نظامی کے شاعرانہ کمال نے عوام میں پیدا کر دیا تھا۔ اس طرح کی روایات سے گو واقعہ کی صورت مٹ جاتی ہے لیکن یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ اوس کا کمال غیر معمولی تسلیم کیا گیا۔

ایسی صورت میں پھر اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ خسرو علیہ الرحمہ جیسے جامع کمالات کے متعلق اس طرح کی روایتیں مشہور نہ کی جاتیں عوام میں کیا کیا مشہور رہے اوسے ہم عوام ہی کے حوالہ کرتے ہیں ہاں جو واقعہ نفس الامر ہے اس مقام پر ہدیۂ ناظرین ہے۔

امیر سیف الدین جو خسرو علیہ الرحمہ کے والد ماجد ہیں اونہیں قصبہ پٹیالی عرف مومن پور یا مومن آباد ضلع ایٹہ میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔ وہاں ایک ولی کامل مجذوب

حال رہا کرتے تھے خسرو علیہ الرحمہ کے والدین اون کے معتقد و خدمت گذار تھے جب
خسرو علیہ الرحمہ پیدا ہوے تو آپ کے والد ایک خرقہ میں لپیٹ کر اس مولود مسعود کو اوس
صاحب ترک و تجرید کے پاس لے گئے وہ واقف اسرار دیکھتے ہی یہ الفاظ زبان پر لایا
"درآوردی کسے را کہ از خاقانی دو قدم پیش خواہد برد"

یہ روایت تقریباً ہر اوس کتاب میں موجود ہے جس میں خسرو علیہ الرحمہ کا تذکرہ ہے
شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار میں مجذوب کے اس جملے کو نقل فرماکر
اس کا مطلب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ "قصد آں مجذوب از دو قدم مثنوی و غزل باشد" یعنی
خاقانی صرف قصائد میں اوستاد تھا اور اس کا کمال علاوہ قصائد کے مثنوی اور غزل میں بھی ہوگا۔

اس روایت کی نقل سے مدعا یہ ہے کہ ایک صاحب حال واقف اسرار آگاہ
حقیقت ولی کامل کے منہ سے ایسے بابرکت مژدہ کا نکلنا ایک ایسی دعاے مستجاب تھی
جس کے حاصل کرنے کے لئے خسرو ہی جیسا بلند طالع مولود ہو سکتا ہے۔

دوسری یہ روایت ہے کہ جب خسرو علیہ الرحمہ تعلیم سے فارغ ہوئے اور آپ کی
شاعری کا عہد شباب شروع ہوا تو اوس وقت آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ
اگر حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی تو اُن سے لعاب دہن کی التماس کرتا تاکہ
اوس کی برکت سے کلام میں حلاوت و شیرینی پیدا ہوتی۔

اعجاز سخن اور شیخ طریقت کا فیض

چنانچہ ایک روز جب کہ دولت زیارت حضرت خضر کی نصیب ہوئی تو اُن سے
اپنی دلی تمنا کا اظہار نیازمندانہ کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا
کہ "ایں بچہ را شیرا" یعنی شیخ نظام الدین کی دولت

شیخ سعدی شیرازی کو نصیب ہو چکی۔ اس مایوس کن جواب سے خسرو علیہ الرحمۃ شکستہ خاطر ہوئے
اور شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین محمد سلطان الاولیا قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں
صورت واقعہ درد انگیز لہجہ میں عرض کی شیخ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شکستہ خاطر ہونیکی کیا بات
ہے حلاوت سخن میں عطا کئے دیتا ہوں چنانچہ آپ نے چند پارے مصری کے خسرو کی سر سے
نچھاور فرمائے اور ایک ٹکڑا آپ کے منہ میں بھی ڈالدیا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ خسرو علیہ الرحمۃ جب حضرت شاہ بو علی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اوس وقت اون سے لعاب دہن کی التماس کی ہی شاہ بو علی قلندر
رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیرینی تو سعدی کے حصہ کی ہو چکی نمکینی باقی ہے یہ فرمایا اور ایک
کنکری نمک کی اپنے منہ میں ڈالکر پھر اوسے خسرو کے منہ میں ڈالدیا۔

جب شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے خسرو واپس تشریف لائے تو اسوقت
اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا اور شیرینی سخن کے طالب ہوئے اُسوقت
حضرت نظام المشائخ نے مصری کھلائی اور حلاوت سخن عطا فرمائی۔

صاحب سیر الاولیا مولٰنا سید محمد کرمانی المعروف بامیر خرد جو امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے
معاصر ہیں اور شیخ المشائخ حضرت سلطان الاولیا کے مرید و خلیفہ بھی ہیں سیر الاولیا میں تحریر
فرماتے ہیں کہ "روزے در مدح سلطان المشائخ پیش سلطان المشائخ شعرے گذرانید فرمان شد
کہ چہ میخواہی چون ہوس سخن در نظم داشت شیرینی سخن خواست فرمان شد کہ آں طاس شکر کہ زیر
کھٹ ست بیار و سر خود نثار کن وقدرے ازاں بخور امیر خسرو ہم چناں کرد لاجرم شیرینی سخن او
شرق و غرب عالم گرفت" سیر الاولیا کی روایت اختلاف اصل حقیقت میں سب ... [illegible]

قابل وثوق ہے۔ اگرچہ بہت ممکن ہے کہ عطائے شیرینی کی دولت چندبار نصیب ہوئی ہو اور جس کو جو روایت پہونچی اوس نے اوسی کو نقل کیا۔

لیکن خود امیر خسرو علیہ الرحمہ مثنوی نہ سپہر میں ایک اشارہ کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامعیت اور زور کلام خود شیخ طریقت حضرت نظام المشایخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بذل و نوال کا صدقہ ہی فرماتے ہیں۔

من از وے لعاب دہاں یافتم — کزاں گونہ آب دہاں یافتم

دو قطرہ ازاں در دوات افگنم — تظلم در آب حیات افگنم

اسمیں کوئی شک نہیں کہ خسرو علیہ الرحمہ نے جہاں اور برکات مخصوصہ اپنے شیخ سے حاصل کیں وہاں حلاوت سخن بھی شیخ کی دعاء مقبول کی بدولت حاصل کی۔ رہی یہ بحث کہ خاصان خدا کی دعا یا لعاب دہن میں یہ قوت و تاثیر ممکن بھی ہے یا نہیں اس مقام پر ایک امر زاید ہے اور موضوع سے بہت دور جا تا ہی جس سعید ازلی کو نفوس قدسیہ کی مقدس و مقبول دعائیں نصیب ہوئی ہیں وہی خوب جانتا ہے کہ "رب اغبر اشعث لو اقسم باللہ لابرہ" جو ایک زبردست بشارت صادق و مصدوق ہے وہ کیا کچھ قوت و تاثیر رکھتی ہے اور جو شخص اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہے وہ اگر انکار کرتا ہی تو اوس کی محرومی اوس کی عذر خواہ ہی ع

ہر کہ ایں کار ندانست در انکار بماند

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ الکریم و علی اٰلہ و اصحابہ اجمعین ۰

حررہ بیمہ
فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ
[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے کشایندۂ خزانۂ[1] جود — نقش پیوند کارگاہِ وجود

کوکب آرائے آسمانِ بلند — ہم زمیں ساز و ہم فلک پیوند

بودنی را ہمیشہ بود از تو — بود نابود را وجود از تو

آفرینش رقم کشیدۂ تست — ہرچہ جز تست آفریدۂ تست

در نیائی بفکر[2] عالمیاں — در نگنجی بوہم آدمیاں

آدمی کیست خاک بے سروپائے — کو[3] بداند خدائے را چو خدائے

سخن آنجا کہ از خداوانی ست — لافِ دانش دلیل نادانی ست

آنکہ خود را شناخت نتواند — آفرینندہ را کجا داند

آنکہ در کار خویش گم باشد — دمِ عیب از وے اشتلم[4] باشد

---

(۱) حدم = خزائن (۲) سنخ = بفہم (۳) م = کہ [4] لفظ ترکی ست بمعنی ستم و ظلم را از حد گذرانیدن ۱۲

مور کافت میان دریا بار ۞ کے رسد از شناوری بکنار

عقل گو صد ہزار رنگ آمیخت ۞ از خجالت بپائے پس بگریخت

ہر چہ اندر جہاں نداند کس ۞ ہمہ دانند کاں تو دانی و بس

کردنی ہر چہ در جہاں شاید ۞ آنچنانش کنی کہ می باید

حرفِ انگشت چون ترست بہشت ۞ کس بحرف تو چوں نہد انگشت

ساختی از قضا جریدہ راز ۞ بستی از حرف کاف و نونش طراز

لاے توحید اژدہا ست بپاے ۞ کہ خدایاں خورد بغیرِ خداے

اندراں لاے معرفت پیشہ ۞ لام الف گشت پاے اندیشہ

ہمہ ہستی ز ملک تا ملکوت ۞ یک رقم زاں جریدۂ جبروت

ہستِ بے نیست آشکار و نہفت ۞ ہم تونی جز ترا نشاید گفت

تو بدی و نبود ایں ہمہ چیز ۞ ہم تو مانی و کس نماند نیز

کے کسے چوں تو پایدار شود ۞ بندہ کے آفریدگار شود

ہر چہ نتواں زپادشاہی کرد ۞ کردی و میکنی و خواہی کرد

تو توانی کہ بخشی از شاہی ۞ ہر چہ خواہی و ہر کرا خواہی

سے دریاے بزرگ ۱۲ لغ جب = گرچہ وجود کہ در آن عدم راہ نیابد و ہم آشکار و ہم پنہاں باشد آن وجود پاک تست ہم درین معنی مولٰنا عبدالعلیم آسی غازی پوری قدس سرہٗ شعرے فرمودہ و نُہ سفتہ: بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار . ؛ اُس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے ۱۲ منہ ر = آں

کارسازی و کارسازت نہ — ہیچکس کاردانِ رازت نہ

گر بجان زندگی ست حیوان را — زندگانی تو میدہی جان را

جان کہ او را بہا نداند کس — رایگانش[۱] دہی بمور و مگس

تونگاری ز خاک صورت پاک — تو توانیش باز کردن خاک

خاک را آدمی توانی کرد — آدمی نیز خاک[۲] دانی کرد

گل برآری ز گل بجلوہ گری — ہم برآری و ہم فرو دری

سنبل آری ز خاکِ صحرائی — ہم بیاری و ہم بیارائی

گوہر اندر صدف بہ بند کنی — پس برآری و ارجمند کنی

شب فرستی و شب فروزی ہم — روز و ادی[۳] فراخ روزی ہم

دہی از لطف ہر کرا خواہی — چشمہ را آب و آب را ماہی

پشّہ را مہیمانی جود — طعمہ بخشی ز کاسہ فزود

عاجزی را چو دل بزور کنی — شیر شرزہ زبون مور کنی

از تو خاکی خوش آتشی ناچیز — بولہب[۵] خوار و بوتراب[۶] عزیز

ہر کرا شکر گوے خویش کنی — نعمتش را بشکر بیش کنی

---

۱ مفت و بے عوض ۱۲ ۲ آدمی را خاک کردن ہم میدانی ۱۲ ۳ شوکت ۴ رس = آری ۵ لہب یعنی شعلہ و ابولہب کنیت عبد العزیٰ ست کہ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بودہ و در مذمت او سورت تبت یدا نازل گشتہ ۱۲ ۶ تراب بمعنی خاک ابوتراب کنیت حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ است روزے حضرت مولیٰ بر زمین مسجد استراحت میفرمود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از غایت شفقت برائے بیدار کردن قم یا ابا تراب فرمودند و خاک را از جامہ و جسم بدست مقدس خویش پاک فرمودند پس از آن روز کنیت حضرت علی بوتراب گشتہ

وانکه باشکر نبودش خویشی　　گوشمالش دہی بدرویشی

اے بصد لطف کارساز نده　ق　بنده را از کرم نوازنده

بندگان را بخواجگی[1] شب و روز　　خواجگی بخش بندگی آموز

بجرم رخت خواجگیم بسوز　　بنده ام خواں و بندگی آموز

آمدم بر در تو بے خود وار　　باخودم دار بے خودم مگذار

دُور کن باد خسروی ز سرم　　پُر کن از خاک بندگی بصرم

بے نیازم کن از درِ ہمہ کس　　جز ز درگاہِ بے نیازی و بس

آنچناں رہ بخویش کن بازم　　کز تو با دیگرے نپردازم

ہمہ جا لطفِ خویش یارم دار　　بر درِ خویش رستگارم دار

اندراں تلخئے کہ درانجام　　زاندہِ نزع تلخ گردد کام

اولم کن بشربتے سیراب　　کآخرم تلخئے نیارد خواب

در قیامت کہ حشر کار شود　ق　عاصی از کردہ شرمسار شود

چوں بصحرا نہی نہانِ ہمہ　　شرمسارم مکن میانِ ہمہ

از گنہ انچہ در جہاں کردم　　رحمتم داد دل۔ ازاں گردم

چوں ز رحمت شد ایں عمل یارم　　ہم برحمت حوالہ کن کارم

چوں رسد خواجۂ نکوکاراں　ق　در شفاعتگہِ گنہ گاراں

---

[1] ح = زبندگی را اضافہ [illegible] ساخت "

زاں شفاعت رواج کارم بخش — بشفیع بزرگوارم بخش

دُرود روان سوی روضهٔ محمدی که هشت بهشت
راگل خلد از گلابِ عرقِ او شگفت اللهم صل علی محمد

سخن آں به که بعد حمد خدای — بود از نعت خواجهٔ دوسرای

احمد آں مرسل خلاصهٔ کون — پرده پوشِ امم بدامن عون

میم احمد که در احد غرق ست — کم خدمت از پئے فرق ست

احمد اندر احد کمر بندست — یعنی این بنده واں خداوندست

عاصیاں را در آفتابِ نشور — ظل ممدود او از منشور

نور او آفتاب را مایه — سایهٔ خلق و او بے سایه

بهر تعظیم او ارادت پاک — سایهٔ او رہا نکرده بخاک

پایهٔ قدرش آسماں پیوند — سایهٔ نورش آفتابِ بلند

روشنائی ده چراغ یقیں — نور بخشِ شمع بازپسیں

نور او کز سپهر صد چندست — رخنه گاف و سپهر پیوندست

انبیا پیش آں خجسته چراغ — طفلِ گهواره در مقام بلاغ

ج - از ... - برسول ... روز قیامت ۱۲ ... ظل یعنی سایه و ممدود یعنی دراز و منشور یعنی فرمان شاهی ... تجاوزان الهی ۱۲

کارپرداز کارنامهٔ غیب — خازنِ گنج خانهٔ لاریب
اُمّی و حرف سنج تختهٔ کن — قلمش راست کار و راست سخن
کاف و نون یک رقم ز نامهٔ او — لوحِ محفوظ زیرِ خانهٔ او
بهترین نقطهٔ رسل بشمار — آسمان دائره است او پرکار
در سرشت خود از دقیقهٔ کون — ذات پاکش خمیرمایهٔ کون
نه سپهر از وجود او شد چیز — بلکه هژده هزار عالم نیز
زبدهٔ هرچه بود و هرچه بود — دولتے زین بزرگ تر چه بود
درّة التاج کن فکان نسبش — قرة العینِ انس و جان لقبش
هستی از وے علم برآورده — او تفاخر به نیستی کرده
گفت عیسیٰ خود از کتابِ اَحَد — یاتی من بعدے اسمه احمد
ذات او خلق را کلید نجات — هم حیاتِ جهان هم آبِ حیات
عیسیٰ از کیمیائے جانست بپوست — بیگمان کیمیائے عیسیٰ اوست
خاتم چرخ زادهٔ انگشتش — په پرا و چکید از پشتش
اوست جانے که قالبش یقین — جان روح الله است و روحِ امین
ختمِ پیغمبران بار خدائے — گمرہان را بصدق راہنمائے
منکر شرع را ز اصل و ز فرع — سر زده هم بتازیانهٔ شرع

لاریب = کارخانهٔ [illegible] مراد از قرآن پاک است که در توصیف [illegible] ذالک الکتاب لاریب فیه فرموده ۱۲

بہدایت دلیلِ بے دیناں | بشفاعت پناہِ مسکیناں

چون بحجت زبہ دعوی خاست | حجتِ او درستِ دعوی ہاست

در جہانگیری از زبر تا زیر | ہم زبانش درست و ہم شمشیر

بر سریرِ فلک بحجّت میر | لای لولاک دورباشِ سریر

پنج منشور از پے ظلمات | سوی نہ بام نردبانِ نجات

کنگرِ شین شرعش از ہمہ راہ | برشدن را فگندہ حبل اللہ

بردہ بر عرش خواجگی را تاج | عرشیانش بہ بندگی محتاج

اوج بر بلبلانِ مازاغش | غلغلِ مرغِ سدرہ در باغش

آنکہ او سنگ زد بدندانش | یافت گوہر زلعلِ خندانش

عذرخواہ امم بہ پردۂ راز | عذرِ او جرم سوز و مجرم ساز

وصفش از حدِ عقل و جان برتر | بارگاہش ز لامکان برتر

آفرین باد بر چنان خاکے | کہ ازو زادہ شد چنین پاکے

نور او از زمین برون دادہ | آسمان و زمین ازو زادہ

---

۱ گفتست ۲ دورباش بر وزن بوستان نیزہ باشد کہ سنان آن را دو شاخ سازند و چوب آن از آبنوس و جواہر مرصع ساختہ پیشاپیش سواری پادشاہان برند تا خلق از دور بینند و دور شوند و کیسوی نیزہ گرد دست کند بجانب پادشاہ دانند زود بدن منع کنند [illegible] ۳ در حدیث آمدہ است بنی الاسلام علی خمس [illegible] اسلام بر پنج چیز نہادہ شدہ است کلمۂ شہادت نماز روزہ زکوٰۃ حج پس این پنج منشور ہمین مراد باشد [illegible] از پے ظلمات کفر و ضلالت ۔

۴ [illegible] شوکت

خاک و آبش بکارخانهٔ راز — گشته نه بام را عمارت ساز

چار یارش بچار سوئے زمیں — چار رکن و چار صفّهٔ دیں

آں بزرگاں که همنشین ویند — روشن از پرتو یقین ویند

اوّل آں اوّلیں خلیفهٔ کار — ثانی اثنین اذ هما فی الغار

دوم آں کز شکوه پایهٔ او — دیو بگریخته ز سایهٔ او

سوم آں جامع جریدهٔ پاک — چاشنی گیر خوان ارسلناک

چارم آں قصر وحی را دهلیز — در علم و کلید خیبر نیز

دو ستان دگر کزاں جمعند — صبح را نور و شام را شمعند

آنکه پاکند پاک کیشانند — رضی الله عنهم ایشانند

راه شاں را که نه فلک پس ست — توشهٔ خوشنودی خدائے بس ست

هر یکے سرّ سرمدی دارد — زانکه نور محمدی دارد

همه را داد دولتش همه چیز — آفریں بروے و بر ایشاں نیز

ابد الله هر یار رضاے تمام — از خدا بادشاں درود و سلام

گرد آں انجم سپهر افروز — پرتو نور مصطفیٰ شب و روز

هر که از مصطفیٰ ندارد نور — سایه اش دور باد از ما دور

من پی آنکس که مرده آنم — زنده باد از صبای او جانم

بندہ خسرو کہ در پناہش باد | مردہ و زندہ خاکِ راہش باد

صفتِ معراج سید المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

گر شود مردمِ آسماں را تاج | جز محمدؐ کراست ایں معراج

فرخ آں شب کہ آں چراغِ دو کون | زد بقندیلِ عرش پرتوِ عون

شب چو بر سر نہادہ چترِ سیاہ | چتر اسریٰ کشید بر سرِ ماہ

دولتش زیں سرائے دامن گیر | جلوہ گر شد بہ لاجوردی سریر

شبِ[۱] او گشت زیورِ ماہش | نورِ او گشت مشعلِ راہش

در دلِ شب ز پرتوِ آں نور | حرفِ باریکِ غیب خواند ز دور

جبرئیل آوریدش از درگاہ | راہوارے کہ وہم را زد راہ

برنشست و عنانش داد فراز | تا شتاباں شود براہِ دراز

اول آں دم کہ کوسِ اسریٰ زد | خیمہ در بارگاہِ[۲] اقصیٰ زد

رفت زانجا ہمہ نوا بخشید | خستۂ[۳] خویش را دوا بخشید

پس بہ پیشش عطارد نامی | بردہ شعرِ یمانی و شامی

---

[۱] مراد از شب گیسوے معنبر و از ماہ چہرہ نور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲
[۲] مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس ۱۲
[۳] خستہ خویش باعتبار معجزہ شق القمر ماہ را ... دادہ ۱۲

چوں ازآنجا جنیبہ راند بہ پیش — زہرہ در رقص شد ز قبۂ خویش

دررہش آفتاب روشن وپاک — پیش ازاں رو نہادہ بود بخاک

چوں بہ پنجم سپہر کرد خرام — طرقوا زد چو چاؤشاں بہرام

چوں بششم خانہ شد قرارگہش — مشتری از عمامہ رُفت رہش

زحل از سہمناکیِ کیششِ — گشت غلطاں چو ہندواں پیشش

چوں ز اختر بناتہ تبات گذشت — زیں تحرک دراں ثبات گذشت

ہم ثوابت خجستہ ذات شدند — ہم بدریوزۂ ثبات شدند

چوں علم پیش برد زیں پرکار — ماند برجا ز ماندگی رہوار

عرش برداز جنیبہ بارش را — پائے گم شد جنیبہ دارش را

روش افگند زآفتابِ حضور — بر قنادیلِ عرش پرتو نور

چوں برخ عرش را منور کرد — زاں مکاں سر بلا مکاں برکرد

جلوہ کرد از ورائے کونینش — سر بدرگاہِ قاب قوسینش

برگرفت از میاں حجاب خیال — تا درآمد بجلوہ گاہِ جمال

شد بجائے کہ جاں نمی گنجد — خود ہم اندر میاں نمی گنجد

دیدہ را نور لایزالی داد — سینہ را سر ذوالجلالی داد

لہ اجب = بہرام ۔ ۲ە معنی طرقوا (کہ صیغہ امر حاضر ست) یکسو شوید و راہ دہید و معنی چاؤشاں نقیباں ۱۲

لہ ح = ہہ ہ ۔ ۔ ۔ لہ ب ۔ ۔ ۔ وصال

چوں ز عالم بروں نہاد قدم | جلوہ گر شد بہ پیشگاہِ قِدم[۱]
ہستی دیدہ کش زوال نبود | نیستی را درو مجال نبود
یافت در خود متاعِ موزوں را | دید بے شک خدائے بیچوں را
نکتہ برخواند بے وکالتِ ہوش | قصہ بشنید بے میانجیِ گوش
گوشش کز سرِ غیب راسنجد | بحر اندر صدف کجا گنجد
با ہزاراں ہزار نقدِ مُراد | در شبستانِ دولت آمد شاد
بہرہ داد از رہِ جوانمردی | رہ رواں را ازاں رہ آوردی
کرد چوں بخشِ خواجگاں[۲] ہمہ چیز | داد بخشِ گناہ گاراں نیز
ہر یکے را از یدِ احساں داد | یادگارے ز یادِ یزداں باد
تا شدیم از جہاں متاعِ امید | ما گدایاں توانگرِ جاوید
ہیں کہ چوں گنج خانہ داریم | کہ چو ایماں خزانہ داریم
چہ غم از ہست نقب زن بقفا | حَسْبُنَا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَكَفٰى

مدح قدوۃ الخافقین نظام الحق فی الدنیا والآخرۃ

رضوانِ ریاضِ ریاضت کہ گلہائے تازہ وجوہ یومئذ ناضرۃ و برگہائے ترالیٰ بہا ناظرۃ در فردوسِ ارادت

۱؎ ح ۔ بپیشِ او ۔ ر ۔ پیشتر ۲؎ جب ۔ تقاے ۳؎ ح س ۔ خاصگان

او تواں یافت بلغہ اللہ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر

چون من از خوانِ نعمتِ خواجۂ خویش | نعمتے تازہ یافتم در پیش
زلہ کردم ازاں رقاقی چند | تا کنم توشۂ ابد پیوند
گندمے بود زلۂ آدم را | خوانچۂ نیز پورِ مریم را
زلہ ام کز رسول والا بود | نہ کم از آدم و مسیحا بود
کنم اکنوں ازاں نعیم جلال | خوانچۂ مدح شیخ مالا مال
غوث عالم نظام ملت دیں | قطبِ ہفت آسمان و ہفت زمیں
رہبرِ پیش بیں محمد نام | زدہ پے بر پےِ محمد گام
صوفیِ در شعارِ صوف سلیم | چرخِ اطلس نہفتہ زیرِ گلیم
در قدم راہش از ملایک پیش | پایش از بوسہ ملایک ریش
قدمش راکہ آسماں محل است | پایۂ خطوتین قد وصل است
از کرامت بر آسمانش جائے | وز ریاضت ہواش در تہ پائے
سعدی از سرنوشت خود مسعود | خطِ پیشانیش طرازِ سعود
مردم دیدہ ستارہ و ماہ | گفت چرخش علیک عین اللہ

۱؎ جب = منکہ ۲؎ زلہ بفتح راو تشدید لام آنچہ از طعام ہر کسی نگاہ دارند و رقاق بضم اول نان تنک ۱۲
۳؎ توشہ موصوف ابد پیوند صفت ۱۲ ۴؎ ج = نہادہ ۵؎ مسافت میان ہر دو قدم ۱۲
۶؎ ہوا یعنی خواہش نفس [illegible] ۱۲

پاک رُوحِ الٰہی بدینِ قوی	زندہ دارِ شریعتِ نبوی
شہپر ہمتش ببازوئے دیں	ستخنئے ازجناحِ روحِ امیں
شرفِ آدم از نکو خلقی	نائبِ مصطفےٰ بوحیِ خفی
ہو مُعکم براتِ حاصلِ او	گنجِ کنزاً حسنزانہ دلِ او
کاردانِ ممالکِ ملکوت	مشرفِ کارخانۂ جبروت
پادشاہاں بہ بندگی شرفش	خواجگانِ زمانہ درکنفش
برزمیں جبرئیلِ نورانی	زادہ از بیضۂ مسلمانی
آفتابی ست زآدمی زادہ	وآسمانی ست از زمے زادہ
نے زابرار دیدہ کس عملش	نے زابدال یافتہ بدلش
سفرش زیں نہ آشیانہ بروں	روزہ از ماسوا تمش ہرزبوں
ہر شبش زاوجِ عالمِ اسرار	صبحِ دولت دمیدہ از شبِ تار
پاکبازے فگندہ بر سرِ گنج	ہفت و چار و زمانہ درششِ و پنج
آہِ او تیرِ چرخ گاہ کشاد	نفسش تیغِ تیز ہمچوں باد
زدہ دہلیزِ قدر بر درِ دیں	میخش او تا دو رشتہ حبلِ متین

لہ س ۔ شوۂ۔ لہ نویسندۂ کہ بالائے نویسندگاں متعین شود تا از خیانتِ ایشاں خبردار بود و باشد ۱۲
لہ جیب ۔ پادشاہے۔ لہ از ہفت مراد ہفت آسمان و زمیں و از چہار عناصر اربعہ کہ موالیدِ ثلاثہ جماد و نبات و حیوان زان بوجود آمدہ یا پنج مسکون و از ششش و پنج متحیر و عاجز شدن بیہ ن ... عرفاں دارد کہ ہمہ عالم را متحیر ساختہ ۱۲

خاکِ ہلیزش آسمان سلب ست — بوریای وی ارچہ از قصب[1] ست

در رواقش ببوسش دیوار — خانہ کردہ فرشتگاں بسیار

دیوار سیلیش بدست صفا — ہم سیہ روے وہم کبود قفا

سروران سلوک در کویش — مسح کردہ زآب پاشویش

واں سواکش[2] کہ عمدۂ دین ست — دُرج دُر را کلید چوبین ست

در دلِ عاشقاں بہ پردۂ راز — بانگِ نعلین[3] ارغنونِ نیاز

نوربخش درونہ عین عطاش — رہنمائے امید دال دعاش

چوں زوجد آمدہ دلش درسوز — شمع را کردہ خاطرش پرسوز

چشم مہرش زپرتو جاوید — سنگ را کردہ لعل چوں خورشید

کیمیا سنج کورۂ مقصود — کردحل جملہ عقدہائے وجود

دلش ازعشق خون و دیدہ پُر آب — اینست کبریتِ احمر آں سیماب

دردو درمانش درتہِ[4] فرماں — گنج درد و خزینۂ درماں

پیش اُستاد دل بکوششِ جست — گشت سبقِ تنگیش درست

واں مریدانِ رہروانِ یقیں — ہر یکے والیِ ولایتِ دیں

ہمہ شیطاں کُش و فرشتہ خدم[5] — در رو شش برہوا نہادہ قدم

---

[1] نے وہر چہ مانند نے باشد ۱۲ [2] سواک یعنی مسواک ۱۲ [3] ج ب نعلینش [4] ج ب = رہ

[5] ج ب - قدم

زنده دارِ شب از دمِ تسبیح | غلغل افگنده در رواقِ مسیح
بر سر از شین شرع ساخته تاج | دلِ شاں عرش و سجده شاں معراج
ملکِ حدت بنامِ ایشان ست | بنده خسرو غلامِ ایشان ست
نامِ من زاں ستوده کیشاں باد | حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

مدح سلطان خلد بزم سدرہ علم طوبیٰ قلم علاء الدنیا والدین اعلاہ اللہ علیٰ اعلیٰ علیین

مشتری کوست کاروانِ سپهر | دوش سوئے من آمد از سرِ مهر
گفت کاے از ضمیر دریا کار | گشته بازارگانِ دریا بار
زآتشِ طبع یافته جاوید | روزِ بازارِ گرم چوں خورشید
آمدم تا ز درجِ دُرِّ ثمیں | سوئے گردوں برم متاعِ زمیں
گوهرے دہ که چرخ تابش بود | در خورِ گوشِ آفتاب بود
کاں گهرہا که آسماں تاب ست | کهنه و خورده و زرد و بی آب ست
گفتمش کاں گهر که کردی یاد | دهمت گر بها توانی داد
گفت گر نبودم بها داری | هست دیدارِ رایگاں باری

له رواق بالکسر و بالضم بمعنی خانهٔ پرده اینجا مراد فلک چهارم | ته اشاره باین هر دو حدیث شریف (۱) قلب المومنین عرش الله (۲) الصلوة معراج المومنین ۱۲ | ته دانندهٔ کارائے قاضی فلک ۱۲ (۳) جب = را | ته ترکیب مقلوب فاعلے لے تابندهٔ چرخ ۱۲

من چو گیرائیش نظر کردم ۔ حقۂ مُہر بستہ بر کردم

وانگہے ریختم بروں ز نہاں ۔ گوہرِ مدحِ بادشاہِ جہاں

جمِ ثانی علاءِ دنیا و دیں ۔ آسماں تاج و آفتاب نگیں

بادشاہِ جہاں محمد شاہ ۔ سائبانِ جہاں ز چترِ سیاہ

نہ سپہرِ منوّرش خواندہ ۔ دیں علا مصوّرش خواندہ

شاہِ دیہیم بخش و تاج ستاں ۔ از عرب تا عجم خراج ستاں

علمش سر بر آسماں سودہ ۔ سایہ بر آفتاب بگشودہ

دورباش وے از صفتِ منصور ۔ شمعِ خورشید را زبانۂ نور

او چو گردوں مظفر از شمشیر ۔ ابلقِ روزگارش اندر زیر

آفتابے طلوع کردہ ز شرق ۔ غرب را بستہ بہ تیغ چو برق

ظلِ چترش پناہِ اہلِ زماں ۔ بانگِ کوسش ندائے امن و اماں

تیغش ار بر کُہ تسلیم شدہ ۔ کوہ چوں آسیا دو نیم شدہ

زد بیک چاشنیِ تیغ چو آب ۔ فتنہ در خواب رفت مست و خراب

رخش از آسماں ربودہ کلاہ ۔ پرچمِ او شدہ محاسنِ ماہ

۱؎ گیرائی بمعنی رغبت و خواہش ۱۲ ۔ ن ج = حقہ را ۔ ۲؎ برکردم اے برداشتم ۱۲

۳؎ بجز = خاتم ۔ ن ج = بردہ ۔ ن بجب = گستردہ

۴؎ سلیم صفت کوہ است و بمعنی اگر ۱۲

تیغ در بحش کہ خصم را سو وند | ماءِ مسکوب[1] و ظلِ ممدود اند
نوکِ پیکانش در مقام ہنر | بردہ داغِ کلف ز روے قمر
فتح با تیغِ ملک گیرش باد | جانِ دشمن شکارِ تیرش باد

دُرفشانیِ لبِ مادح بنظمِ انبساط زمین بوسِ جناب رفعت سلطانی

اے جہاں در پناہِ دولتِ تو | آسماں بارگاہِ صولتِ تو
ہفت اختر کہ خاکِ راہِ تو اند | سایہ پرورِ بارگاہِ تو اند
خاک پایت زاوجِ کو منیے | یافتہ قربِ[2] قرۃ العینے
بر درت خسروانِ غرب و شرق | ہمہ اصلع[3] شدہ ز سودنِ فرق
آستانت کزوست انورِ چشم | گشتہ[4] نور از سیاہیِ ہر چشم
بسکہ قصرت شدہ بگردوں تنگ | آمدہ پائے[5] آسماں بر سنگ[6]
آفتاب از جبینت[7] شد مستور | گرچہ او گرد کرد چنداں نور
ابرہا آن[8] ہمہ زبردستی | کردہ در پیشِ دستِ تو پستی
دادہ دریا کفِ تو در بوس[9] | کفِ دریا چہ داد مشتے خس

ف۱ ماءِ مسکوب آب جاری کردہ شدہ و ظل ممدود سایہ کشیدہ اشارہ است بمضمون آیتہ کہ در صفت جنت بسورۂ واقعہ نازل شدہ پس تیغ ممدوح باعتبار آبداری از ماءِ مسکوب و جوہرش را از ظل ممدود استعارہ آوردہ ۱۲ ل۲ عجیب = شغل
ف۳ ہیچ گنجد، شوکت ۱۲ ل۴ ارزہ = بیت ف۵ پاے برنگ آمدن عاجز شدن. شوکت ۱۲ ل۶ عجیب = در
ل۷ عجیب = رخت شدہ ۱۲ ل۸ عجیب = ہم ف۹ یعنی کف تو کہ دریاست اہل ہوس را زر بجیب ہوس شان کشیدہ ۱۲

آب باری توزان کفِ چو سحاب — ابر بار دو لے سوار کہ آب
سایۂ مہرِ تو شکستہ پناہ — ذیلِ عفوِ تو پردہ پوشِ گناہ
مہد گردون کہ ذوالامانت خواند — مہدیٔ آخرالزمانت خواند
عدل سرمایہ تاج و تختِ ترا — چرخ بازیچۂ طفلِ بختِ ترا
شحنۂ عدلت از رعایت خویش — گرگ را دادہ آشتی بامیش
رزم و بزمِ تو بسکہ در کارست — دولت مست و بخت بیدارست
چون خدایت سریرِ شاہی داد — ملکت از ماہ تا بماہی داد
کوش کآسودہ داری از شاہی — عالمے راز ماہ تا ماہی
بر ستمکش ز عدل کم نہ کنی — بر ستمگار جز ستم نہ کنی
خار بن را بر افگنی ز گذر — خار کن را کنی نہال ز سر
چون بہ پیلاں علف دہی حالی — از غمِ مور دل مکن خالی
عالم آسودہ کن ز نعمت وجود — تا تو خوش باشی و خدا خوشنود
چون بخاصاں دہی نوالہ و جام — ق — کامِ شان خوش کنی بنعمت و کام
یاد کن زان گدائے بے توشہ — کہ شب افتد گرسنہ در گوشہ

ے یعنی سواران آب ست کہ حباب و موجۂ آب باشد ۱۲ — ے شکستہ پناہ اضافت مقلوب یعنی پناہ شکستگاں ۱۲ — لہ ح = بہر — ے دولت تو مست افتادہ است پس از غایۂ مستی یارائے رفتن جائے دیگر ندارد و بخت تو ہشیار ست پس پاسبانی اوی کند ۱۲

لہ ح = جہاں ۱۲

کت چو فردا شمارِ کار کنند — اول از مفلساں شمار کنند

بیغمی بایدت بعالم ملک — غمِ عالم خور و مخور غمِ ملک

تا چو غمزی بود لواے ترا — عالمے غم خورد براے ترا

شہ جہانگیری از سوار[۱] کند — شیرِ[۲] بدست و پا چہ کار کند

مردم از بہرِ آں شوند سراں — کہ کنند کارسازیِ دگراں

خدمت از بہرِ بخشش و کرم ست — ورنہ یک تن ز دیگرے[۳] چہ کم ست

تا توانی بدین و داد گراے — کہ بود ملک زیں دو پایہ بپاے

بندہ در خوں کند چو دامن جست — دیت از پادشاہ باید جست

پیل چوں مور را بہ[۴] پا سود — پرسش از پیلبانش خواہد بود

گرچہ در دستِ آہنی معصوم — ستواین زناوکِ مظلوم

گرچہ بینی بگردِ خود صد دوست — زاں یکے دشمنت بود در پوست

ورچہ کس نیست دشمن تنِ تو — غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو

آں چناں دار پاسِ جانِ عزیز — کہ تو خود خسپی و ولایت نیز

ورچہ صد پاسباں بود ز پس — پاسِ تو بہ ز تو ندارد کس

بر چنیں پایہ کاستواریِ تست — پاسبانِ تو ہوشیاریِ تست

---

[۱] سوار مقابل پیادہ و اینجا بمعنی لشکر آمدہ۔ [۲] ن حب = سرِ بے دست و پا

[۳] ن جب = دیگراں [۴] ن جب = بہ پاے بسود

پاسبانی کہ بہرِ مزد بود / پاسباں نے کہ بیم دزد بود

چوں درآئی بصفِ تیغ زناں / از تزلزل کشیدہ دار عناں

لشکرے کز عدو فرار کند / چوں بسلطاں رسد قرار کند

لیکن ار شہ نعوذ باللہ تافت / کی فراہم شود صفے کہ شگافت

شاہ کوہے بود بسنگِ وقار / جنبشِ کہ[51] قیامت آرد بار

گرچہ برنا[52] برزم کارگرست / کوششِ کاردیدگاں[53] دگرست

درصفِ رزم باجواناں پوے / لیک تدبیرِ آں زپیراں جوے

من کیم تا زنم[54] زپند نفس / دولت وبخت پند گوی تو بس

ہست بیدار کردنِ بیدار / ہمچو باراں بروے دریابار

نسزد چرب کردنِ بادام / نے حلاوت بشیرہ دادنِ خام

لیکن آرد بحضرتِ شاہی / ہر کسے قدرِ خود ہواخواہی

گر پذیری مرا خود احسان ست / ورگذاری خود از در آسان ست

نرزد[55] ایں تحفہ عرض پیشِ سریر / تو کریمی کرم کن و بپذیر

باش تا ہست چرخِ زنگاری / در جہانگیری وجہانداری

زآرزو صد نوید در گوش ست / وآرزوہا ہمہ در آغوش ست

لا رس = او ۵۲ برنا بمعنی جوان ۱۲ ۵۳ تجربہ داں ۱۲ ۵۴ حجب = کت زنم

۵۴ جب = سزاے من آن ست ۵۵ نرزد مخفف نیارزد ۱۲

دولت راز کامرانی نور گرد ناکامی از جنابِ تو دور
بختِ نیکو ہمیشہ یارِ تو باد ایزد از بد نگاہ دارِ تو باد

در سببِ بنیاد نہادنِ ہشت بہشت اصحاب ہمیں
در روی نسیم مدام نوشیں و تفہم ربہم شرابًا طہورًا

شبے از روز بے غمی خوشتر وقتے از نو بہار دلکش تر
ہفت[1] و نہ کردہ ماہِ چاردہ رو ماہتابی شدہ جہاں افروز
برکشادہ ہوای نورانی آسماں را گرہ ز پیشانی
زحمت[2] از باغ بردہ بادِ خزاں بادِ نوروز نرم نرم وزاں
گل بہ شبنم پر از نسیم شدہ پردہ دارِ دُرِ یتیم شدہ
جنبشِ بادہاے مشک سرشت باز کردہ دریچہاے بہشت
من در احرامِ کعبۂ دلِ خویش نخل[3] بر دست چاہِ زمزم پیش
نخلِ من چوں مسیح در گفتار حالِ باد گشتہ مریم دار
گشتہ کلکم کلیدِ سینۂ من داد بیروں ہمہ خزینۂ من
در گریباں فرو درفتہ سرم پُر گہر گشتہ دامنِ ہنرم

---

[1] ہفت و نہ کردن یعنی آرایش تمام کردن ست کہ ہندیاں آنرا سولہ سنگار گویند ۱۲

[2] یعنی موسم بہار بود ۱۲ [3] یعنی قلم در دست داشتم و دوات در پیش ۱۲

فکرتم در گرفته پنهانے — گنج پاشے و گوہر افشانے

خاطرِ من بگوہر افشاندن — و آفرینش بآفرین خواندن

اوج پر گشته بیلانِ ضمیر — کر دستم ز ارغنونِ صریر[1]

ہر نوردی که می گشادم باز — می کشیدم ہزار نکته[2] راز

گشته زاں نکتہاے نوآگین[3] — روی کاغذ نگارخانۂ چیں

نَفَس روح پرورِ نغزم — بادِ نخوت دمید در مغزم

خامه می گفت کز سوادِ ہنر — بعطارد فرو نیارم سر

دل متاعِ گزیده می فشاند — مشتری رازِ آسماں می خواند

من بدیناں بطبعِ گوہر زاے — بسخن نکته بند و عقده کشاے

کامد آں ہمنشینِ جانیِ من — ناقدِ سکۂ معانیِ من

ہم علی نام و ہم به بینائی — چوں علی در کشای دانائی

جبهه از اخترِ خرد پُر نور — طرفه روشنے که چشم بد ز و دُور

سینه ز اندیشه چوں خزینه پُر — نکته بر نکته چوں علاقۂ دُر

آدمی صورت و فرشته خوے — صورتِ مردمیش رو بارُوے

چوں مرا باز[4] یافت پیشانی — در گهر[5] سنجی و زر افشانی

---

(۱) ر = صفیر (۲) دج = مشک (۳) رنجب = نوعے

(۴) سجب = یا ربا ... (۵) ...

گفت کای جادوی طلسم انگیز — موشگاف از زبانِ خامۂ تیز

چوں شود خامۂ تو در تحریر — جاں برقص آید از نوای صریر

گاہِ فکرت چو خوی کند رویت — صد عطارد چکد ز ہر مویت

از ہنرہاے بیش ز اندازہ — در فگندی بعالم آوازہ

بروی اندیشہ را علم جائے — کہ نگنجد بوہمِ دانائے

زاں معانی کہ رہ در جاں یافت — بیش زاں یافتے کہ بتواں یافت

ہر یکے رقعہ را کہ کردی نشر — دوختی دامنش بدامنِ حشر

ہر جریدہ کہ ساز کردہ ست — درے از لطف باز کردہ ست

سکۂ معنی از چہار سواد — کردی آراستہ چو گنجِ شداد

چوں بعنوان پنجم آمد حرف — تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

دادی اوّل بگنبدِ دوّار — روشنائی ز مطلع الانوار

کردی آں گاہ با نشاطِ تمام — شہد خسرو و شیریں اندر جام

باز در عالمِ خردمندی — شورِ مجنون و لیلیٰ افگندی

پس دہاں پُر ز دُرِّ دری کردی — شرحِ رازِ سکندری کردی

ویں زماں کز جواہرِ انجم — می نگاری صحیفۂ پنجم

نا جب = جیب او — سه یعنی چہار کتاب ۱۲

سه ہفت آسمان مگر ۱۲

گوش کیں خطا[1] چناں نگاری چیست	که فزوں آید از چہار نخست

کاولیں نکتہ[2] گرچہ چیست بود	آخریں بہتر از نخست بود

مرد ہر پیشہ را که بیش کند	زاں نکوتر بود که پیش کند

حرف طفلاں زیرک از که و مہ	پنجشنبہ بہ آید از شنبہ

گر سی کشِ درد دگر سازد	ہر چہ پیشتر لطیف تر سازد

من کز و کردم ایں فسانہ بگوش	آمد از عیب[3] تم درونہ بجوش

دل نہادم بہمتِ والا	کارم از سینہ تولوی لالا

برکشادم خزینہ خانۂ راز	گشتم از نوکِ خامہ گنج انداز

پاسے از شب خاطرِ چو چراغ	کردم اندر دلِ عطار دو داغ

از سخنہاے چوں دُرِ ناسفت	آں قدر گفتہ شد کہ نتواں گفت

پس ازیں با دلِ ہنر پیشہ	من و بغولہ[5] و اندیشہ

ایں ورق را چناں کنم تحریر	کہ نیابیش در زمانہ نظیر

وز طریقِ سخن سراے[6] کہن	ہر چہ دیدم دقیقہ ہای سخن

کنم[7] اول بحرف[8] ہاے غریب	نکتہ ہاے کتاب را ترتیب

دلِ پاکِ منش[9] بمستورے	ساخت دستورِ من بمستورے

---

[1] وجب = را	[2] س = اولین	[3] س = نسخہ	[4] ج = غیرتم
[5] بروزن قیلولہ گوشہ و خلوت ۱۲	[6] مراد از نظامی ۱۲	[7] ج = دادم	[8] ج = طرزہا
[9] ضمیر شین راجع بسوے مثنوی ہفت پیکر ۱۲

حقہ بکشادم و شکر دیدم ||| چاشنی[1] را نمونہ برچیدم
جرعہ را کہ عقل چید ازوے ||| ہمہ ریزم دریں قرابۂ مے
آں مو د ارِ ہفت پیکرِ او ||| ویں برآئینِ ہفت زیورِ او
واں بہر گنبدے بہ مجلس و جام ||| عیشِ خوبان و عشرتِ بہرام
یک بیک را نمونہ بر سازم ||| نزدِ نو بر بساطِ نو بازم
منطِ رنگ ہائے گنبد نیز[2] ||| سازدیگر برآرم از تمیز[3]
رنگ آرم کہ بوی ہم باشد ||| وانچناں رنگ بوی کم باشد
ہر شاے بعنبر انشانے ||| صندلے و بنفش و ریحانے
وانکہ زرد ست زعفرانی فام ||| کنمش رنگِ زعفرانی نام
آنکہ باشد سیاہ رنگیں نیز ||| خوانمش عنبریں و مشکیں نیز
وانکہ سرخ و سپید پنداری ||| اینست کافوری آنست گلناری
گویم افسانہائے طبع افزاے ||| از لبِ لعبت فسانہ سرائے
ہر فسانہ صراحیِ زشراب ||| دورِ مستی و بلکہ دار و خواب
ہر یکے را بہشت نام کنم ||| حور و کوثر درو تمام کنم
ہفت باشد بہشت و گوہر ہفت ||| ہشتم آں کاندرو بود ہر ہفت
پس نویسم زکلکِ مشک سرشت ||| نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت

---

[1] یعنی چاشنی کلامِ نظامی بنمونہ خود کردم ۱۲ [2] نسخ=نور [3] نسخ وشانِ [4] نسخ جمہور

تا کسے کاندر و گذر یابد — بے قیامت بہشت دریابد

خود بر آں دل کہ خازنِ ہنرست — ہر بہشتے قیامتِ دگرست

گر بود نابِ تندِ حسن زانہ راز — داند اندیشہ مرا پرواز

ورز دانش نباشدش پیوند — ہم بافسانہ شود خرسند

چوں من از خاطرِ سخن پرداز — کردم آغاز زیں صحیفۂ راز

زیورش کز من آید آں پرداخت — سازمش آنچناں کہ باید ساخت

واں دگر زیورے کہ نتواں داد — آں خدائی بود خداش دہاد

نصیحت فرزند بہشتی ثمرۃ الفواد عفیفہ ام عفافہا

اے زعفت فگندہ برقعِ نور — ہم عفیفہ بنام و ہم مستور

سالت از ہفت بر نرفتہ ہنوز — روشنی ہمچو ماہِ چاردہ روز

کاشکی ماہِ تو ہم بچہ بودی — در رحم طفلِ ہشت مہ بودی

لیک چوں دادۂ خدائی راست — با خداداد گاں ستیزہ خطاست

من پذیرفتم آنچہ یزداں داد — کانچہ او داد باز نتواں داد

شکر گویم ہر آنچہ از درِ اوست — کاں دہد بندہ را کہ درخورِ اوست

---

[۱] جب ـ ہفت [۲] ح ـ کراست [۳] باز نتواں داد یعنی رد نتواں کرد ۱۲

[۴] د جب ـ ہرچہ [۵] د جب ـ خطے

هر چه او داد بس پسندیده است — هم درا وّل صلاحِ آں دیده است
پدرم هم ز مادر است آخر — مادرم نیز دختر است آخر
گر نه بر دُرِّ صدف نقاب شدی — قطرهٔ آب باز آب شدی
دانه بے کشت کے بار آید — آسماں بے زمیں چه کار آید
بے پدر ممکن ست شد معلوم — چوں مسیحا ز مریمِ معصوم
لیک بے مادرے نجسته وجود — ولدے را نگفت کس مولود
اے تنت را بجانِ من پیوند — که هم[1] مادرے و هم فرزند
تو بدیں پایه کز تو صفا داری — گر نهی پا بدیده جا داری
سر برآر از مبارک اخترِ خویش — که مبارک تری ز جوهرِ خویش
انچه نفسِ تو با صلاحِ تن ست — چوں تو خونِ منی صلاحِ من ست
گرچه خُردی کنون و بے تمیز[2] — روزیٔ آخر بزرگ گردی نیز
تا بود در بزرگیت دستور — خورده[3][4] چند گویمت مستور
از خردی شوی چو در خور بخت — عصمت خواهم[5] اوّل انگه بخت
از منت آنکه اوّلیں پند ست — جهد بر طاعتِ خداوند ست
تا توانی خدا پرستی کن — وز نیاز خدائے مستی کن

---

[1] ر = توهم
[2] نافهم ۱۲
[3] نکتهٔ باریک ۱۲
[4] جب = نکته
[5] جب = میش خواهم

بایدت ہمچو دیدہ عزت و تاب	باش چون[1] چشمِ خویش در محراب
نیکنامی طلب کنی در پوست	پارسا باش پارسائی دوست
گیرت سلک گوہری نہ بود	بہ ز تسبیح زیورے نہ بود
پاک تن باش ہمچو آبِ سپہر	بلکہ پاکیزہ تر ز چشمۂ مہر
تا شوی[2] ہمچو مہر در ہر سوے	از پس چار پردہ روشن روے
کوش کز گشتنِ جوانیِ خویش	مردہ باشی بزندگانیِ خویش
تا من از زندگانیِ تو بہ راز	از پسِ[3] مرگ زندہ گردم باز
زن[4] چنان بہ کہ مرد روے بود	تا زنان را بہ پردہ شوے بود
زن اگر مرد مرد تدبیر ست	سوزن و دوک[5] نیزہ و تیر ست
گر بہ[6] زر باشدش فراخ نہ تنگ	تا نداری ز دوک و سوزن ننگ
دوک و سوزن گذاشتن نہ فن ست	کآلتِ پردہ پوشیِ بدن ست
یا بدامانِ عافیت در کن	رو بدیوار و پشت بر در کن

[1] یعنی چنانکہ چشم بمحراب ابروست تو خود را بمحراب عبادت بدار ۱۲

[2] نسخہ بہ بوسے

[3] اے نام من بسبب اوصاف حمیدۂ تو دوبارہ زندہ گردد ۱۲

[4] اے آن زن بہترین زنان ست کہ در جوہر انسانیت بہر نوع کامل بود تا دیگر زنان کہ از وے فرو تر باشند معلم اندرون خانہ باشد چنانکہ زوج از وے بتمیز و ہنرمندی معلم زوجہ باشد ۱۲

[5] دوک آہنِ دراز کہ آن [illegible] ۱۲ [6] نسخہ گر [illegible] باشدت فراخ بجنگ

راهِ در کم کن اندرونِ سرای	در بشش خضر در زند مگشای
تا سرت از شرف بماه شود	مقنعت افسر و کلاه شود
زن که از شرم خو کند بسرا	ستر[۵۲] های ستاره ها قمرا
گوشه گیران ستوده نام بوند	کوچه گردان فراخ گام بوند
زن که در کوچه ها تگ باشد	زن نباشد که ماده سگ باشد
کم دو د ماده شیرِ خون آشام	گربه باشد جهنده بام بام
کبکِ پنهان خرام را بوطن	حجره باید چو بیضه بے روزن
زن که در زیر نقش شتاب بود	بر فتد گرچه آفتاب بود
روزن از خود چو چشم سوزنِ تست	دان که راه برون شد[۵۳] تنِ تست
در تماشای روزنت هوس ست	روزنت چشم سوزنِ تو بس ست
پُر گهر باید ت خزانهٔ خویش	باش بابانگ[۵۴] خود بخانهٔ خویش
گرچه گوهر ز سنگ نیک ترست	سنگ مردم نکو تر از گهرست
نفسِ مردم چو یاوه گرد بود	نیک زن به ز نیک مرد بود
مرد کردارِ خوب راسبب ست	خوب کرداری از زنان عجب ست

لا سجب = بر سرت کلاه شود ۵۲ یعنی در پرده پوشیده شدن او همچو ماه پسندیده است ۱۲

۵۳ شد تن تست اے شدن تن تست و معنی بیت اینکه روزن خانه اگرچه مانند روزن سوزن باشد تاهم آن روزن را اکثر قیاس کن آنقدر همراه برون شدن تنِ تست اے رسو شدن ترا بس است ۱۲

۵۴ بانگ خود شدن با وقار خود ماندن ۱۲ [illegible]

تلخ گویند ار چہ نوشں لباں	تا نگیری ترنم جلباں[۱]
باد پیچ و دوکے کہ لعبِ زن ست[۲][۳]	بروے این چنبرست آں رسن ست
دفِ شاں بی ہراسِ دشمنِ دوست	فتنہ را بانگ می کند در پوست
آنکہ اول سرود سادہ بود	در نہایت صلاے بادہ بود
ذاتِ بی جفت بایدت بنھفت	با ہمہ طاق باش جز با جفت
بوفا با حلال یاری کن	نعمتش را حلال خواری کن
از عروساں خزینہ داری بہ	راست گوئی و راستکاری بہ
خازنے کو بدزدی آرد روے	در زوگویش خزینہ دار مگوے
مرد اگر یک قراضہ[۴] کار کند	زن بکد بانوی ہزار کند
چوں ز شو خرجِ زن فزوں باشد	حالِ سامانِ خانہ چوں باشد
ہر زنے کز نہادِ تش فردی ست	ناجواں مردیش جواں مردی ست
دل نگہبانِ رخت باید داشت	گرہِ خویش سخت باید داشت
در زن آرد دو فتنہ رسوائی	سیم پاشی و پیکر آرائی
گرہِ نقد را چو داری سست	دست از آبرو بباید شست
بس عروساں کہ فتنہ جوی شدند	از سفیدہ[۵] سیاہ روے شدند

---

۱ ترنم بمعنی سرائیدن سرود و معنی جلباب زن بدکار ۱۲ ۲ جھولا ۱۲

۳ن س = دا پیچ و دوکے کہ گرد . ۴ قراضہ بمعنی ریزۂ زر و سیم مستعمل ۱۲

۵ غازہ یعنی پوڈر

سرخیِ بہ ز زرد بابہ شُست — سُرخیِ روت سرخروئی تست

چوں شدی بہر عفت نہ دریغ — نقدِ عصمت فنا و در شش و پنج

خال شب رنگ کز فساد کشی ست — ہمچو خالِ سفید بر حبشی ست

خال چوں نقطہ گیاہ شود — ہم بیک نقطہ روسیاہ شود

خالِ بہ بر رخ ست داغِ ہلاک — خال بر جبہہ نہ ز سجدہ پاک

اگر آئینہ بایدت در پیش — پیشِ آئینہ زانوے خویش

وگرت شانہ باید اندر مشت — شانہ امشت کن ز شانہ پشت

ایں ہمہ فتنہا کہ ہست وبال — با رضاے حلال ہست حلال

در حلالِ تو ہست بے پرہیز — در حرم خانہ خداے گریز

در ہمہ کاروبار در ہمہ جاے — مشرفِ حالِ خود شناس خداے

گر خدایت کند بعصمت شاد — بدعاۓ کنی ز خسرو یاد

آنچہ من دیدمت صلاح درآں — کردمت پردہ پوشیِ پدراں

وانچہ موقوفِ جہد کردنِ تست — تو کن آنرا کہ آں بگردن تست

یاربت رہ سوے رہائی باد — بارہا شندہ آشنائی باد

لہ جب = سرخ روئیت — ۵۲ مراد از آرایش تمام باشد کہ آنرا ہندی سولہ سنگار نامند

لہ ب = نہادہ — لہ جب = کار

لہ جب ہم

صفتِ دلارام که سرِ رشتهٔ گیسوی مشکینِ او تعلق به چنین داشت دوستبازیِ بهرام با آن کمندِ صید گیر در شکار و نخچیر کردنِ گوران و گرما گرم داغ بر رانِ ایشان نهادن

گنج پیمای این خزانهٔ پُر ‎ ‎ ‎ ‎ از خزانه چنین گشاید دُر

کآفتابِ جمالِ بهرامی ‎ ‎ ‎ ‎ چون شد از نور در جهان نامی

پدرش رختِ زندگانی بست ‎ ‎ ‎ ‎ او بجای پدر بتخت نشست

خسروی را نشانِ کار گرفت ‎ ‎ ‎ ‎ کارِ عالم بدو[1] قرار گرفت

سرکشان را ز[2] تیغ مالش داد ‎ ‎ ‎ ‎ سرِ شان را بخاک بالش داد

مخلصان را ز مهربانیِ خویش ‎ ‎ ‎ ‎ کرد سرمستِ دوستگانی[3] خویش

شرق و غرب جهان نماند کسے ‎ ‎ ‎ ‎ کز خلافِ رضاش زد نفسے

وانکه رُو در خلافِ رایش کرد ‎ ‎ ‎ ‎ سرِ خود را نثارِ پایش کرد

بر رعیت فگنده سایهٔ جود ‎ ‎ ‎ ‎ کز جهان[4] کس نماند ناخشنود

زان نمودارِ عدل در همه چیز ‎ ‎ ‎ ‎ شهری آسوده روستائی نیز

آنچنان ضبط شد ممالکِ خاک ‎ ‎ ‎ ‎ کز ستم گشت روی گیتی پاک

---

[1] نسخهٔ ب = برو۔ ‎ ‎ [2] ح = بتیغ ‎ ‎ [3] پیاله نوبت خویش که از راه محبت و اخلاص بدیگرے دہند و در سراج اللغات نوشته پیالهٔ پُر از شراب که دوستان بدوستان دہند که بیاد فلان نوش کن۔ ‎ ‎ [4] س = در۔

گشت زانگونه کار عدل بزرگ　　کامینی یافت گوسپند از گرگ

سرِ موی کجی ز دہر نخاست　　چون سری کو بشانه گرد یاست

چون بدین گونه ضبط گشت جہان　　رفت در خاک بادبج کلہان

نہ طلب کرد استواران را　　نیک رایان و راستکاران را

ہر کرا دید در خرد بیشی　　داد با شغلِ دولتش خویشی

کار زد اے نشد بروے زمیں　　جز خردمند راستکار و امیں

عہدۂ ملک چون بدینسان بست　　خود بفارغ دلی بباده نشست

عیش میکرد و کامِ دل میراند　　باده می خورد و گنج می افشاند

چون بباده صلای عام زدے　　خلق بر زر بختہ گام زدے

مجلس آراستی زنامواران　　صف زدندی ز ہر کرانه سران

گہ بقولِ ندیم دادی ہوش　　گاه پندِ حکیم کردی گوش

جستی از مطربانِ چابک دست　　آنچہ بی می توان شد از وی مست

چون دل اندر ترانہ دادے　　بسرودے خزانہ دادے

روز تا شب درین خجستہ شمار　　جز زر افشانیش نبودے کار

در بخلوت نشاط فرمودے　　خرم آنکس کہ محرمش بودے

لہ جب — کابدش ن — کار دارش . لہ جبن — برایشان　　لہ یعنی سرداران

لہ مراد از نغمۂ ترکہ بوجد آرد ۱۲　　لہ نسبہ — نسخ

حاضرِ خدمتش غلامے چند — گشته ہمتاش[1] درکمان وکمند

درخورِ[2] مجلس و مصاف ہمہ — ناوک انداز و موشگاف ہمہ

کس نیارست درگہہ و بیگاہ — دُور بودن دمے زخدمتِ شاہ[3]

خاصہ تر زاں ہمہ کنیزے بود — آفتے[4] درتہ سپہرِ کبود

اصلش ازچین و رُخ چو صورتِ[5] چیں — گیسوانش چوں سوادِ چیں مشکیں

بسکہ کردے بہر دلے آرام — بدلارمیش برآمد نام

دیدنش کز صلاحِ دوری داد — سینہ را داغِ ناصبوری داد

رنگ و بویش بکار طنازی — ایں بدل دزدی واں بغمّازی

قامتے در خوشی چو عمرِ دراز — ہوس انگیزتر ز عشقِ مجاز

بر چو نارنجِ نو بشاخِ درخت — سخت رُستہ زصحبتِ دلِ سخت

روی گلرنگ دادہ گل را رنگ — دہنش تنگ باشکر ہم تنگ

سرورآوردہ ابروانش بکار — چوں مقامر[6] کعبتینِ قمار

ہر طرف کابروی بہ خم کردے — آرزومیش و ہوش کم کردے

چوں بدنبالِ چشم کردہ نگاہ — بردہ صدرہ رندہ را از راہ

طرّہ را سر زدی بخوں خواری — چشمہاسے دژم زبیمارے

---

۱ ہمسر ۱۲ ۲ خور بمعنی لائق ۱۲ لۂ سرکن ۴ آفتابے بزیر چرخ

۵ صورت بمعنی تصویر ۱۲ ۶ مقامر قمارباز و کعبتین پانسہ ۱۲

نرگسش دورباش و غمزه خدنگ | لعل در آشتی و عشوه بجنگ
نیم دزدیده خنده زیر لبش | کرده تعلیم دزدیِ عجبش
سخنِ تلخ در لبش چو نبات | مرگ را داده چاشنی ز حیات
لعلِ او کرده بر شکر میرے | شهد را داده چاشنی گیرے
خالِ او گو هزار پرده درید | عالمے را بکنجدے بخرید
گیسوے پیچ پیچش از سر ناز | داده بر دستِ فتنه رشته دراز
تنے از نازکی درونه فریب | پاے تا سر همه لطافت و زیب
رگ مو ده برون ز لطفِ بدن | همچو رشته درونِ دُرِ عدن
خونش در پوست از تنک سلبی | همچو مے در زجاجهٔ حلبی
در تماشاش روز و شب بهرام | همچو جمشید در نظارهٔ جام
ره سوی صیدگاه و بیگاهش | آهوے شیر گیر همراهش
داشت میلے تمام در نخچیر | گورِ صد شیر کنده بود به تیر
بود در کارِ تیر پُر هنرے | که نبود از هنر جهان دگرے
آهنِ تیر چون محک کردے | خطِ گوران ز پشت حک کردے
ور ز آهو بُدے نشانهٔ او | موے بشگافتے ز شانهٔ او
ور شدے بر نشانه سخت انداز | رخنه در کوهِ قاف کردی باز

جب = سبک   ۵ ایاس ۱۲   ۱۳ محب یان کرد

زانش باران تیر محکم بود — کہ کمانش کمانِ رستم بود
بیشتر در شکار خورد سے — خانۂ زین نشاط خانۂ وے
بادہ جز با کبابِ گور نخورد — ہیچ خوردے چو رانِ گور نخورد
رغبتش جز بصیدِ گور نبود — بادگر وحشیانش شور نبود
گور چنداں فگندے از سر شور — کہ شدی پشتہا چو گنبد گور
گرچہ بُد از براقِ کوہ گذار — ق صد طویلہ بہر طویلہ ہزار
لیک بود اشقرے گزیدۂ شاہ — چیرہ تر ز ابلق سپید و سیاہ
باد پاے کہ چوں بگام شدے — تگ زدن بر صبا حرام شدے
در بر آہنگِ تگ بروں جستے — وہم را دست و پاے بر بستے
مرغ بود ار چہ پر نبود درو — ماندگی را گذر نبود درو
شاہ خوش کردہ در تہ رانش — داوہ سیاحیِ بیابانش
چوں بصحراش گرم کردی پشت — گوشِ گوراں گرفتے اندر مشت
بسکہ بُد اعتماد بر خویشش — کہ نشد ہیچ وحشی از پیشش
گور گو چند بود نیرومند — یا بدستش گرفتے یا بکمند

لہ عجب = بودش ۔ ۵۲ معنی بیت آنکہ از چناں اسپاں سریع السیر کہ کوہ را ہمچو برق گذارید داشتند صد طویلہ میا بود و در ہر طویلہ ہزار ہزار اسپ ۱۲ ۔ ۵۳ ہر شے سرخ کہ رنگش بزردی و سیاہی [illegible] و اسپ سُرنگ را نیز گویند و گاہے بمعنی مطلق اسپ ہم می آید ۱۲
۵۴ ابلق سپید و سیاہ شب و روز یعنی از ابلق ایام ہم غالب و تیز تر بود ۱۲ لہ بابا = بیابانی ۔ لہ دہ = سیاحی [illegible]

زانش باران تیر محکم بود | که کمانش کمانِ رستم بود
بیشتر در شکار خورد مے | خانۂ زین نشاط خانۂ وے
بادہ جز با کبابِ شور نخورد | ہیچ خورد وے چو رانِ گور نخورد
رغبتش جز بصیدِ گور نبود | با دگر وحشیانش شور نبود
گور چنداں فگندے از سرِ شور | کہ شدی پشتہا چو گنبدِ گور
گرچہ بودا از براقِ کوہ گذار | ق صد طویلہ بہر طویلہ ھزار
لیک بود اشقرے گزیدۂ شاہ | چیرہ تر ز ابلقِ سپید و سیاہ
باد پایے کہ چوں بگام شدے | تگ زدن بر صبا حرام شدے
در برآہنگِ تگ بروں جستے | وہم را دست و پاے بربستے
مرغ بود ار چہ پر نبود درو | ماندگی را گذر نبود درو
شاہ خوش کردہ در تہ رانش | دادہ سیاحیِ بیابانش
چوں بصحرا اش گرم کردی پشت | گوشِ گوراں گرفتے اندر مشت
بسکہ بُد اعتماد بر خویشش | کہ نشد ہیچ وحشی از پیشش
گور گو چند بود نیرومند | یا بدستش گرفتے یا بکمند

لہ عجب = بود شش   ۵۲ معنی بیت آنکہ از چناں اسپاں سریع السیر کہ کوہ را ہمچو برق گذارندہ میداشتند صد طویلہ مہیا بود و در ہر طویلہ ہزار ہزار اسپ ۱۲   ۵۳ ہر شئے سرخ کہ رنگش بزردی وسیاہی زند و اسپ سرنگ را نیز گویند و گاہے بمعنی مطلق اسپ ہم می آید ۱۲
۵۴ ابلق سپید و سیاہ شب و روز یعنی از ابلق ایام ہم غالب و تیز تر بود ۱۲ ۵۵ سیاحی = شاہی دہ مشاق

چون ز کشتن ستوه شد ریش — ق — دل چنانش گشت کار فرمایش

کہ ازاں پس بہ بیشہ و ہاموں — زاں دہاں بستگاں نریزد خوں

گلہ گور کآیدش بنظر — ندہد ناوکش خراش جگر

زندہ گیرد بزور بازوی خویش — گندش وزن در ترازوی خویش

بخشد آنگاہ زیور نامی — ران او راز داغ بہرامی

چون بہ توقیع خویش کردش خاص — دہدش از کمند خویش[1] خلاص

دل زآزار بی زبانان شست — دین نیت کرد در درونہ درست

بعد ازاں چون برون شدی بشکار — کم رسیدی رسیدہ را آزار

بیشتر گورِ خورد سال و جواں — ق — کہ رواتر بدی زبان[2] دروان

درکمندش بحکم بربستے — بازگشتی و شاد بنشستے

گرم بر رانش داغ فرمودے — خط آزادیش ہماں بودے

گور بر جستے در راہ شدے — بندۂ داغدارِ شاہ شدے

چرخ زاں گور گیری بہرام — گور خانِ زمانہ کردش نام

از بسے گورکاں نشانے یافت[3] — عالمے داغ گور خانی یافت[4]

تا دریں کہنہ گور خانۂ پست — گور خاں ہم ز داغ گور نرست

---

(1) جب = فتنہ — (2) ج = غصہ — (3) جب = آب

(4) جب = داشت

کیفیت راندنِ بہرام شیرگیر با دل آرام در پے نخچیر و ہنر نمودن بہرام بر آہو بہ تیر و جہاں گرفتن بہرام و غزالہ خود را آہو گرفتن و در بیاباں گذاشتن

بامداداں کہ ایں غزالۂ نور[1] | مشکِ شب را نہفت در کافور

شاہِ بہرام ہم بعادت خویش | توسنانِ شکار جست بہ پیش

اشقرے خاص زیرِ راں آورد | لرزہ در بادِ مہرگاں آورد

نازنیں را بہم رکیبی خویش | کرد ہمرہ زنا شکیبی خویش

شاہِ بہرام ترکِ بہرامی | کرد صیدش بصد دلآرامی

ہر دو پویہ زناں براہ شدند | صید جویاں بصیدگاہ شدند

تگ زناں میشدند گشت بگشت | آہواں میزدند دشت بدشت

شاہ برزہ نہاد تیر بوزن[2] | می کشانید شیر را ز گوزن

زیں میاں ناگہ از کرانۂ دشت | آہوے چند پیشِ شاہ گذشت

گفت باشہ غزالِ شیرانداز | کاہو آمد بسوے شیرِ فراز

ہر یکے را ز تو چناں جویم | کانچناں افگنے کہ من گویم

گرچہ تیرت بحکم پُر ہنر ست | آنکہ حکمی ست حکمِ آں دگر ست

---

[1] مراد از آفتاب ۱۲

[2] تیر بوزن نہادن نشانہ بستن ۱۲

زاں دلیری کہ کرد ماہ تمام ق گفت با او بزیرکی بہرام

کہ لبِ شیر چوں بخندد دیر | کے کند آہو آزمایش شیر

لیک چوں پیشۂ من آمد تیر | مرو را کے بود ز پیشہ گزیر

باز گو تا زنم بدانائی | ہر یکے را چنانکہ فرمائی

سیم بر ہم برخصت شاہی ق گفت کایں خواہش از من خواہی

ناوکے زن برآہوے سادہ | کہ شود مادہ نر، نرش مادہ

شاہ دریافت خوردہ دانی او | تاخت مرکب بہم عنانی او

بخدنگے دو شاخ آہوی نر | بر و زانگونہ کو نداشت خبر

ضربتے بر فرق او بدانساں راند | کہ ازاں تا بمادہ فرق نماند

کارِ نر چوں بمادگی انداخت | سوے مادہ کہ نر کند در تاخت

دو یک انداز را بہم پیوست | پس برآہو روانہ کرد از شست

ہر دو در سر چناں نشاندش غرق | کہ دو شاخش پدید کرد بفرق

زاں دو شرطِ ہنر کہ درخور کرد | کرد نرمادہ، مادہ را نر کرد

کرد چوں خواہشِ صنم تمہ است | ازوی انصاف آں ہنر درخواست

پاسخش داد ماہِ نوش لباں ق کای کمانت تو عقد بند زباں

ل جب = تیرگی ل ح = طیرگی ل رح = چوبہ عہ دو یک انداز را گویند کہ دو تیر از یک کمان یکبارگی زنند ۱۲ شہ جب = گشت ل جب = را ل ح = کماں

نہ کمان تو عقد بند زبان ست یعنی زبان صفت کمان کردن نمی توانم ۱۲

این هنر قدرتِ خداوندی — جادوی بود نی هنرمندی
کلکِ تیرت براستی آن کرد — که باندیشه راست نتوان کرد
لیک آنجا که راست اندیشی ست — دستها را ز دستها بیشی ست
بین که تا نگنی ز بینش بیش — بینشِ خویش را ز بینش خویش
کانچه زین کردهات نغز نمود — نیز ز آن نغزتر تواند بود
شاه را تیره کرد گفتارش — زعفران گشت رنگِ گلنارش
جوشِ صفراش تلخ[1] کرد درون — ریخت تلخی بزهر خند برون
سرکهٔ ابرواش ز بس تندی — داد دندانِ لطف را کندی
گفت کای در خورِ جفا و بدی — این چه گستاخی ست و بیخردی
شیرگیری ببین که در نخچیر — گشتی از شیر شرزه آهو گیر
منکه کارم همه نمونه بود — دیگری به ز من چگونه بود
ور به نزدت به از من ست کسی — ز داورِ و که چون من ست بسی
این سخن گفت و پی بکین افشرد — او فگندش ز زین و مرکب برد
شه شد و نازنین برنج بماند — اژدها برگذشت و گنج بماند
با شهان هر چه بر خلافِ رضاست — نتوان گفت گرچه باشد راست
هر که شد راست گو بداورِ خویش — زد به تیغ زبانِ خود سرِ خویش

---

[1] ن: تیره

ماند بے خویشتن صنم تا دیر | تشنه و غرق آبِ و از جان سیر

پس بصد خستگی زجا برخاست | راهِ صحرا گرفت و میشد راست

بسکه منزل بدشت و یوان داشت | سایهٔ خویش دیو می پنداشت

بسکه رہبر سنانِ تیزش بود | موزه غربالِ خاک بیزش بود

از کفِ پای خار ہاے چو تیر | میگذشتش چو سوزنے ز حریر

پا که از برگ گل نگار بود | چون شود چون بروی خار شود

کس نه ہمراه و رہنماش مگر | سایه در زیر و آفتاب زبر

می نمود اندر آن پریشانی | گفته و کرده را پشیمانی

زان بساط دد آنِ آہو خای | کرده بیم دد انش آہو پای

بیم بودش که پا شود بطواف | چون سُم آہو از میانه شگاف

قدرے چون برین نمط بشتافت | گذر اندر سواد دیہے یافت

خانهٔ چند و کشت زارے دید | تازه شد کانجان بہارے دید

آن دہے بود بر کرانهٔ دشت | کادمی ہیچ زان طرف نگذشت

مردمانِ چو وحش صحرائی | خو گرفته درو به تنہائی

بے خبر از فسانہاے سپہر | بے گمان از بہانهٔ مہ و مہر

لہ رجب = غولان ۔ ؏ رجب = غربیل ۔ سے ازبسکه راه دل آرام بر سر خار دشت بود

موزهٔ پاے اوش غربیل سوراخ سوراخ گشته خاک بیزی میکرد ۔

کے دداں یعنی دد [illegible]

آمد آں مہ درآں خرابہ شتاب	ماہچو[1] مہتاب کوفتہ بخراب
در شد اندر کریچ[2] دہقانے	در سفالِ شکستہ ریحانے
بود دہقاں جوانِ آزادہ	ہم ہنرمند و ہم ملک زادہ
کردہ علمِ سہ[3] گانہ را تعلیم	تا یگانہ شدہ بہفت اقلیم
سبَقِ حکمت بردم کردہ درست	کز سپہر و زمیں چہ زادہ چہ رست
فیلسوفِ الٰہی ازتمیز	در طبیعی و در ریاضی نیز
طرفہ بربط زنی گزیدہ سرود	دستِ او شد چو ابر برق برود[4]
باز دانستہ پردہ[5] ہارا راز	مضحک و مبلی و منوّم ساز
گوشہ گیر جہاں فرشتہ سرشت	مرغ قانع شدہ بدانۂ کشت
واقعاتِ زمانہ دیدہ بسے	گرم و سردِ فلک چشیدہ بسے
بسیاحت بسے زمیں دیدہ	دامن از کارِ دہر برچیدہ
یک بیک زیر دستِ خود کردہ	چار ساز و دوازدہ پردہ
بربطش چوں نوا برآوردی	جاں ز تن بُردی و درآوردی
چوں نگہ کرد سروِ سیمیں را	روئے گلرنگ و زلف مشکیں را

---

[1] اینجا مراد ضیا ماہ یعنی چاندنی باشد ۱۲   [2] ن س = بہ کنج   [2] کریچ یعنی خانہ کہ دہقانان از کاہ و سلے سازند بہندی جھونپڑا ۱۲   [3] الٰہی ریاضی طبیعی ہر سہ اقسام حکمت نظریہ ۱۲

[4] و عجب دست چوں ابر و برق برود [5] [illegible] کرا آنہا کمال دارد سامعین را می تواند کہ خنداند و گریانند و خسپاند ۱۲

ماندؔ حیراں کہ ایں چہ جانورست　　واندریں دشتش از کجا گذرست

ایں پری از کجا پرید ایں جا　　ور پری نیست چوں رسید ایں جا

خاست از جای ہمچو باد رواں　　رفت در پیش سروؔ آزاد جواں

گفت کای چشم بد ز روی تو دور　　کیستی تو بدیں لطافت و نور

ملکے یا پری و یا مردم　　خبرے دہ کہ با خبر گردم

صنم تنگ دل ز تنگدلی　　داد بیروں دمے بصد خجلی

گفت یک یک ز جان بی آرام　　قصۂ خویش و غصۂ بہرام

چوں خردمند یافت آگاہی　　کآں ز دست از خزانۂ شاہی

گفت آنجا کہ کارنامہ تست　　شرف من ز بار نامہ تست

چوں تو شائستۂ خداوندی　　من پذیرفتمت بفرزندی

گر قناعت کنی بخشک و ترے　　حاضر خدمتم بما حضرے

دولت راست جانب پرواز　　دل دل تست من ندانمؔ باز

صنمش گفت چند گہ بارے　　خواہم افگند بر درت بارے

چوں بفرزندیت شوم پیوند　　پرورش واجب ست بر فرزند

گرچہ مہمان تو گراں جان ست　　نتواں اندیش کہ مہمان ست

من ہم از حق شناسی کہ مراست　　عذر حق ہائے تو توانم خواست

لہ جب = گشت　　سے از سرو آزاد مراد دلآرام باشد ۱۲　　لہ جب = ندارم

چون بسے دُر ز درجِ نوش کشاد — شب چراغِ دگر ز گوش کشاد

داد بر دست مرد گوہر سنج — گوہرے قیمتش فراوان[1] گنج

خواجہ زان اخترِ فلک پایہ — بر زمین در فتاد[2] چون سایہ

گرچہ بود از شکوہ محترمے — گشت شرمندہ چنین کرمے

غرفہ[3] داشت ساخت منزلِ وے — کرد ترتیب نقل و میوہ و مے

چون مزاجش بزیرکی دریافت — در سرش ریخت ہرچہ در سر یافت

ہر ہنر[4] ہا کہ بود حاصلِ او — از دلِ خویش ریخت در دلِ او

کردش اُستادِ کار در ہمہ کار — خاصہ در پردۂ بریشم تار

چندگہ جادوی شد اندر ساز — کہ بکشتے و زندہ کردی باز

چون نمود آزمونِ کردۂ خویش — خواست بیرون[5] فتد ز پردۂ خویش

حجت از سوی شاہ سست کند — دعویِ خویش را درست کند

چون شدی بادِ صبح نافہ کشای — بر نشستی برخشِ آہو پای

بر گلِ تر نقاب بر بستی — سایہ بر آفتاب بر بستی

لالہ را در قبا کشیدی تنگ — سرو را خانہ ساختی ز خدنگ

تیر ترکی[6] و کیشِ تاتاری — راست کردی ز بہر خونخواری

---

[1] جب = ہزاران [2] حر = بوسہ داد [3] بمعنی بالاخانہ ۱۲ [4] ح = وز
[4] جب = تاکہ [5] بعد آموختن ہنرہا دلارام خواست کہ خود را ظاہر گرداند و مشہور اطراف و اکناف عالم گردد ۱۲ [6] ب = ز

در همه جای گاه و بیگاهش | بربط عاشقانه همراهش
کشتی آهوی دشت را به ستیز | گه به پیکان دگه بزخمهٔ تیز
همچو پیکانش زخمه در خون بود | چوب او از پلارک افزون بود
زان دهان بستگان بفرمانش | دل ربودی زبان پیکانش
ور از انجا سے برگرفتی گام | بنوازش گریش کردی رام
بر کشیدی نخست نالۂ زار | تا ربودی ز وحش دشت قرار
همه در پای بوس سر جوان | آمدندی بپای خویش دوان
سو بسو صف زدندی از کم و بیش | غائب از خویش و حاضر اندر پیش
همه را چون بهم در آوردی | زخمه بر بربط تر آوردی
پس شنوم چنان زدی بصواب | که شدی چشم آهوان در خواب
چون شدندی ز خواب خوش بیهوش | بازشان زخمه زدی در گوش
که ازان جسته باز جستندے | رشته بر رشته باز بستندے
این خبر شهره گشت در آفاق | کز جهان جادوی بر آمد طاق
کآهو از دشت سوی خود خواند | کشد و باز زنده گرداند

ا ب ـ همه   ۲ یعنی پیکان و زخمه دلارام هر دو در خون رنگین برابر بودند ۱۲
۳ زخمه هر چیزه که بآن سازها نوازند و پلارک بفتح اول و چهارم شمشیر و جوهر تیغ و نوعی از فولاد ۱۲
۴ مراد از وحشیان صحرائی ۱۲   ۵ یعنی نغمهٔ خواب آور ۱۲   ۶ ح ـ جسته
۷ یعنی قطار بر قطار ۱۲   ۸ ح ـ بستند ، بسته از رشته ے

دخترے مہر مہرِ دہقان ست — خانمش درخورِ سلیمان ست

گفتگوی بہرکران اُفتاد — غلغلے در ہمہ جہان اُفتاد

این عجب کاین بگوشِ گیہان[1] ماند — ہرکہ در گوش کرد حیران ماند

از پژوہندگان[2] درگاہے — یافت دارای[3] دولت آگاہے

زان ہوسہا کہ بود در بہرام — زین خبر در دلش نماند آرام

بامداد آن عنان بصحرا داد — سر[4] ورا باد و باد را پا داد

چون تمنای آن تماشا داشت — رفت جای کہ آن تمنا داشت

پیش ازان رفتہ بود جادوی مست — چشمِ آہو بجادوی می بست

گفت بہرام کارزو دارم — کہ ہنرہات پیشِ چشم آرم

ہر متاعے کہ ہست دربارت — عرض کن چون منم خریدارت

نازنین راکہ این ہمہ دد و دام — بود بہرِ شکنجۂ بہرام

زان تمنای شہ کہ در خور یافت — جای جولانِ خویشتن دریافت

گشت ہمراہِ شیرگیری شاہ — تازند راہِ آہوان زان راہ

چون زد آہوبسے و گور انداخت — لحن آہو نواز را بنواخت ؁

آہوانِ رسیدہ یادِ[5] خویش — پای کوبان درآمدند بہ پیش

---

[1] یعنی دنیا ۱۲ [2] یعنی جاسوسان ۱۲
[3] مراد از بہرام گور ۱۲ [4] نقد و باد عبارت از اسپ تیز رو است بر اسپ سوار شد و باد را پا داد ... است جولان کرد ۱۲

چون سوی خویش خواندشان بسرو · پردهٔ خواب سازکرد برود
در زمان کان نفس فرو بردند · همه خفتند گوییا مردند
چون دمے دیدها فرو بستند · ساخت آن زخمه که برجستند
زان فسونے که شرح نتوان داد · زنده راکشت وکشته راجان داد
دید چون شاد سحر بندیِ او · بست چشمے ز زخم بندیِ او
لیکن آورد هیچ طرّاران · برگهر طعنهٔ خریداران
کاین چنین ها بسے ست اندر دهر · هرکسے دارد از طلسمے بهر
کاردانی بکشوری نبود · که ازو کاردان ترے نبود
در شکر خنده شد بتِ شیرین · گفت آری از آن ما همه این
زیرکان در هنر بوند تمام · لیک بهتر زمانه از بهرام
شاه کز مادهٔ زر تواند کرد · به ازان هیچکس نداند کرد
وانکه از مرده زنده گرداند · آنچنان هرکه هست نتواند
عدل و انصاف ده اگر دین ست · هم خود انصاف ده که عدل این ست
جوهری کو گهر فراوان سفت · راست گفت آنکه راست نتوان گفت

۱ ج ب = بلم ۲ ج ب = پرده ۳ در = جسته ۴ ح ر = شد نیز
۵ اسے بدل پسندید ۱۲ ۶ ب ر = بچشم ۷ ج ب = بتواند ۸ ج ب = اگر ره
۹ مراد از جوهری علمای باکمال و از گهر سفتن کلمات حکیمانه گفتن ۱۲ ۱۰ ج = است
۱۱ از جمله کلمات حکما و یکے این ست که راست نتوان گفت چراکه ...
۱۲ ج = بتوان

شاہ آواز آشنا بشناخت | ناوکش را نشانہ از جاں ساخت
دست زد برقع از رخش بربود | رُفت گرد از مہ غبار آلود
داد منزل بجانِ مشتاقش | در برآورد چوں بغلطاقِ قش
زد ز عذرِ گناہِ خود نفسے | عذرہاے گذشتہ خواست بسے
پس بصد شادی و دلآرامے | باز بردش بتختِ بہرامے
دل کز آں پیشِ مہرباں بودش | بیش ازاں شد کہ بیش ازاں بودش
زاں ہنرکز دو سوے پیدا گشت | ہرکہ در گوش کرد شیدا گشت
زاں عجائب کہ داستانے بود | داستانے بہر زبانے بود
شاہ فرمود کاں دو صورتِ حال | آیدا ندر نمونۂ تمثال
نقشبنداں بخامۂ تصویر | در خورنق نگاشتند و سریر

گفتار در آراستہ شدنِ حور و قصورِ ایں فردوسِ پُر حورِ بے قصور و بہشتی گشتنِ بہرام در آں

نقش پردازِ ایں کہن پرکار | نقشہا را چنیں کند برکار

لہٰ جیب = رخ ۔ ۵۲ غلطاق قبا یا پیراہن و بغل بند ۱۲ ۔ ۵۳ یعنی سرگذشت بہرام و دلآرام ۱۲

۵۴ خورنق بروزن سنگلاخ نام ایوان بہرام گور و حاصل بیت آنکہ از حکم بہرام نقاشان تصویر بہرام و دلآرام و شکارگاہ و صورت اظہار ہنرمندی ہر دو در محل و تخت نقش کردند ۱۲

لہٰ ح = گھر ۔ لہٰ ـــــ نگار

کہ چو بہرامِ گور در پئے گور — پے بہ پے داد گورپا[1] را زور

آں ہوس شاہ را بسری بود — روز تا روز بیشتر می بود

تا براں گونہ شد کہ خسروِ عصر — ہفتہ بر ہفتہ نآمدی سوی قصر

مہترانے کہ در گہہ و بے گاہ — خاصہ بودند بہرِ خدمتِ شاہ

زاں دویدن بدشت و بیشہ و کوہ — ماندہ گشتند و آمدند ستوہ

ہیچکس را نبود زہرۂ[2] شیر — کہ دمے برکشد زسینہ دلیر

کارداران شہر و لشکر نیز — آگہی شاں[3] زعہدۂ ہمہ چیز

از برائے حضورِ منعمِ خویش — ماندہ بودند سرفگندہ و پیش

ہر یکے را تأملے بضمیر ق — کز طریقِ کفایت و تدبیر

چہ بود چارہ کز نشیب و فراز — اژدہا سوی گنج گردد باز

زیں نمط گفت و گوی میکردند — چارہ را جستجوے میکردند

پورِ منذر کہ بود نعماں نام — در سبق ہم جریدۂ بہرام

پیشِ منذر رموزِ غیب نمائے — خواندہ بودند ہر دو در یکجائے

رای نعماں زکوششِ شب و روز — گشتہ بود اخترِ سپہر افروز

دیدہ از بینشِ اولوالابصار — در ہمہ کارہا نہایتِ کار

---

[1] گورپا مراد از اسپِ شکاری بہرام ۱۲ [2] یعنی جرأت نبود ۱۲

[3] مرجب آں کہ شاں بود

حل کنِ مشکلاتِ دانایاں ۔۔۔ کسب ہمچوں عطائش[1] بی پایاں

صنعت و حرفتِ ہنرمنداں ۔۔۔ زانکہ نتواں شمرد صد چنداں

شہ ز بس دانش و معانیِ او ۔۔۔ ق ۔۔۔ وز بزرگی و کاردانیِ او

در ہمہ ملک اشارتش دادہ ۔۔۔ دستگاہِ وزارتش دادہ

زاں اشارت بچار ارکانش ۔۔۔ ہفت کشور مطیعِ فرمانش

بادشاہانِ شرق و غرب جہاں ۔۔۔ بندۂ حکمش آشکار و نہاں

ہرکہ زابروش یک اشارت دید ۔۔۔ پیشِ چوگانِ او چو گوی دوید

ورکسی در کشید زو سرِ خویش ۔۔۔ سرِ او پیش از و دوید بہ پیش

چوں ز صحرا نوردیِ بہرام ۔۔۔ مصلحت را گسستہ دید زمام

با خود اندیشۂ نمود شگرف[2] ۔۔۔ خواند لوحِ صواب حرف بحرف

وانگہے گفت با سرانِ سریر ۔۔۔ کہ شما بگذرید زیں تدبیر

چند گاہے دریں کفایتِ فن ۔۔۔ مصلحت را رہا کنید بمن

تا بہر دانشے کہ من دانم ۔۔۔ عزمِ شہ را عناں بگردانم

ہمہ گفتند گفت گفتۂ تست ۔۔۔ قیمتے گوہرے کہ سفتۂ تست

چوں پذیرفت مردِ کار اندیش ۔۔۔ سرِ اندیشہ را نہاد[3] بہ پیش

تا چہ سازد کہ آورد از راہ ۔۔۔ ماہِ گردندہ را سوی خرگاہ

---

[1] یعنی علوم اکتسابیہ او ہمچوں سخاوتش بے پایاں بود ۱۲ [2] نادر ۱۲ [3] جب = فگند

کرد اندیشہ یک شبے بتمام … ہفتہ بر ہفتہ عشرتِ بہرام

بامداداں کہ شد جہاں پر نور … کامراں گشت ہمتِ دستور[۱]

جست دانای کار مردی چند … بجربہ یافتہ ز چرخِ بلند

بود در پیشِ خسرواں بسیار … ہم سخن گوے وہم پیام گذار

داد شاں یادگار ہا[۲]ی گراں … درخورِ پیشگاہِ تاجوراں

چوں متاعے کہ بود شد تسلیم … کرد شاں نامزد بہفت اقلیم

کاورند از برای جلوۂ بخت … ہفت دختر ز ہفت صاحبِ تخت

شاں[۳] بروں آمدند از[۴] ہمہ ساز … ہر یکے بر شہے شدند فراز

پیش بردند تحفہ نامی … باز جستند کامِ بہرامی

بادشاہاں بجاں رضا دادند … دختراں را بپادشا دادند

رہ رواں بعد ہفت ماہ خرام … آوریدند ہفت ماہ تمام

بانواں را بپردہ ہا بردند … بوکیلانِ پردہ بسپردند

چوں قوی شد بنای پردۂ راز … کرد نعماں بنای دیگر ساز

بر لبِ جوے مرغزاری جست … کز بہشتش نمونہ بود درست

جاے[۵][۶] از خرمی نشاط افزای … دلکش و جاں نواز[۷] و دیدہ کشای

---

۱ وزیر و مشیر ۱۲ ۲ بمعنی تحفہ ۱۲ ۳ جب = تا ۴ جب = با

۵ جب = خاکی ۶ سج = خاکره ۷ ست = وزاے

جانگاہے کز اعتدالِ ہوا | یافت رنجورِ چند سالہ دوا
پیرِ فرتوت را جوانی داد | مردہ را آبِ زندگانی داد
چوں براں گونہ روضۂ دریافت | تازہ کرد آں نیت کہ در سر یافت
ہر چہ سرمایۂ عمارت بود | ہمہ ترتیب کرد زود از زود
پس طلب کرد روزی از درِ کار[1] | فرخ از دور اختراں بشمار
خواند معمارِ کارداں را پیش | باز گفتش خیالِ خاطرِ خویش
کانچناں بایدم کز اُستادی | کار سنجے بسخت بنیادی
زیں اساسی نہی فراخ نہ تنگ | زرزنی در عمارتِ گل و سنگ
از زمیں تا فرازِ گنبدِ مہر | ہفت گنبد برآوری چو سپہر
آں عمارت کنی کہ در ہمہ ساز | چرخ زد خویش را[2] نداند باز
بانی[3] بود کارداں مردے | کز زمیں آسماں بنا کردے
شیدہ نامی کہ ہر چہ پیدا کرد | خلق را زاں نمونہ شیدا کرد
منظر از خاک تا فلک بستی | فرشِ سنگیں بر آب بربستی
شد بفرمانِ وسترِ نعمانی | مردِ دانندہ در عمل رانی
بردہ بنیادِ ہر نمونہ[4] بر آب | تا نگردد دگر ز آب خراب

---

[1] جیب = سرِکار [illegible] ای آں گنبد ہا بخیالِ فراخ و بلند بنا کنی کہ فلک درمیان خود و گنبد ہا فرق نداند کہ من کدام [illegible] ستم و گنبدِ بہرام کدام [illegible]

وانگہ از ہفت گونہ سنگِ لطیف — کرد ترتیبِ ہفت سایِ شریف

تا برآراست ازیں سا لے — بر زمیں از سپہر تمثالے

ہفت گنبد چو خرگہِ زر بفت — کردہ چوں ہفت آسماں ہر ہفت

صفّۂ[1] خشت و گل چو کرد تمام — نوبت آمد بزیب[2] جامہ و جام

داد نعمانِ آسمان فرہنگ[3] — زیوری ہر یکے بدیگر رنگ

آنکہ نو شد ز شنبہ آئینش — چوں زحل بست رنگِ مشکینش

وانکہ یک شنبہش رساند نوید — زعفرانیش کرد چوں خورشید

وانکہ بود اندر دوشنبہ راہ — کرد[4] ریحانیش بگونۂ ماہ

وانکہ نوگشتش از سہ شنبہ نام — کرد گلنار گونش چوں بہرام

وانکہ نسبت بچار شنبہ داشت — رنگِ تیرش[5] برنگ تیر[6] نگاشت

وانکہ از بہرِ پنجشنبہ بود — کرد چوں مشتریش صندل سود

وانکہ ز آدینہ داشت معموری — رنگ دادش چو زہرہ کافوری

ہفت گنبد چو رنگ و بوی گرفت — جادو ہفت ماہروی گرفت

ہر یکے ہم برنگ مسکنِ خویش — جامہ را رنگ دادہ بر تنِ خویش

چوں شد اسبابِ ہفت خانہ تمام — باز گفتند قصہ با بہرام

---

[1] در حب = صنعت [2] یعنی نوبت آرایش و تزئین مکانہا آمد ۱۲ [3] رحب = ساخت

[4] تیر اول یعنی چوب ہاست سقف کہ آنرا بندی شہتیر و کڑی نامند و بیرنالی یعنی عطارد کہ رنگش مائل بسیاہی ست ۱۲ [5] حب = نقش تیرہ [6] منزل ۱۲

انچه نعمانِ کارداں آراست | زآدمی زادگاں نیاید راست

آفریده[1] درو چه کار کند | در کند آفریدگار کند

از صدا هفت گنبدِ تازه | هفت گنبد کند پرآوازه

هفت[2] ها هریک چرخ نور سرشت | نسخه‌ئے[3] روشن از سوادِ بهشت

گشت هر هفت قبهٔ جمشید | مطلعِ ماه و منزلِ خورشید

هر بتے در نگارخانهٔ ناز[4] | گه غزل گوی و گه سرود نواز

دم که در عاشقِ خراب دمند | بفسانه فسونِ خواب دمند

بسخن در دو دیده خواب آمدند | خواب نیز از دو دیده بردارند

ساقیانے بصد دلآرامے | درخورِ بزم گاهِ بهرامے

خانه پر ز آهوانِ شیرشکار | شاه را با شکارِ دشت چه کار

گر یکے زاں شکار یابد شاه | بشکارِ دگر بجوید راه

شاد کیں مژدهٔ نشاط شنود | میلِ طبعش عناں ز دست ربود

ترکِ پوئیدن شکار گرفت | بر سکونت دلش قرار گرفت

تافت از دشت سوی خانه عناں | در صنم خانه رفت گشت کناں

چوں رسید اندر آں خجسته سواد | گشت بر لاله کرد و بر شمشاد

بوی گلهاش مغز پرور گشت | مغزش از بوی گل معطر گشت

له یعنی بشر ۱۲ [illegible] ـ ناز

بیشتر شد بہ بوستانِ فراخ　　میوہ بر میوہ دید شاخ بشاخ

چوں درآمد بکارخانۂ نو　　دیدہ ہر سو نگارخانۂ نو

جنتے پر ز حورِ زیبا دید　　جاں ز نظارہ ناشکیبا دید

نیکواں[1] آمدند با صد ناز　　خاک روباں بگیسوانِ دراز

ہر یک آشوبِ عالمے ز جمال　　صد جگر داغ کردہ از یک خال

پست کردند بر زمیں رُخِ خوب　　چوں مہ و آفتاب گاہِ غروب

جبہہ را چوں ز خاک بر کردند　　جبہہ شاہ را نظر کردند

درفشاندند[2] بر زمیں چنداں　　کہ زمیں شد چو آسماں خنداں

ملک آمد ز بادپائے بہ زیر　　شد بہمائیِ گوزناں سیر

ہر یکے را بپورسشِ تازہ　　پرسشے کرد بیش زاندازہ

رفت و بنشست بر سریرِ بلند　　ہم نشینش ہماں عروسے چند

مجلسے یافت پُر ز نعمت و کام　　با حریفانِ نو نشست بجام

آنچناں شد بروی خوباں شاد　　کش ز عیش گذشتہ نامد یاد

خواند نعمانِ کارداں را پیش　　بخششے کرد از نہایت بیش

آفریں کرد بر چناں رائے　　کہ برآراست آنچناں جائے

وانگہ از اختیارِ[3] طالع و روز　　شد بہر گنبدے نشاط اندوز

---

[1] مراد از جاں نازنیناں و نیکو صورتاں ۱۲　[2] مراد از دعا ہا و کلمات استقبالیہ با ادب شاہانہ ۱۲
[3] بمعنی خبر گرفتن ۱۲ [illegible]

نافه گشادن خلق بهرام روز شنبه در بهشت دوم در گنبد مشکین با غزاله هندی و طلب افسانه کردن

روز شنبه که باد مشک انگیز — شد بدامان صبح غالیه بیز
شه بگنبد سرای مشکین شد — خانه زو هم چو نافه چین شد
جامه را هم برنگ کیوانے — داد ترتیب عنبر افشانے
ماه هندی نژاد رومی چهر — خاست از خوابگاه ناز بمهر
خدمت خاص را میان بر بست — کمر بندگی بجان در بست
کرد چون ساقیان برعنائی — نقل ریزی و مجلس آرائی
نازنین گشت همنشین با شاه — تازه کرده قران زهره و ماه
زاول بامداد تا گه شام — عشرت و عیش بود باده و جام
شب چو بر رسم شد بعالم نور — گرد عنبر فشاند بر کافور
شه ز مستی نمود رغبت خواب — هم ز گل مست بود و هم ز گلاب
جانش از ذوق بوسه مفتون بود — مستی نقلش از مے افزون بود
زان پری پیکر بهشتی وش — خواست کافسانه سراید خوش
خاک بوسیده ماه سیمین ساق — ق — گفت کای بادشاه روم و عراق
تا جهان ست شهریاری کن — تخت گیری و تاجداری کن

آسماں مَفرشِ سرائے تو باد — ہر چہ جز تست خاکپای تو باد
من کیم ہندوی شکستہ زباں — ق — کیں دلیری کنم چو بے ادباں
لیک فرمانِ شہ چو بر جان ست — گویم از جاں ہر انچہ فرمان ست
ایں سخن گفت و لب کشاد ز بند — دانگبیں ریخت از دہن چوں قند

افسانہ گفتنِ آہوی مشک دم و مشک بی پوست باز کردہ از بطانہ بیروں دادن

گفت وقتے بروزگار نخست — بود شاہے بشہر یاری چست
در سراندیپ[1] پایۂ تختش — قدمِ آدم افسرِ بختش
عبرۂ[2] تا غزنیش مہیا بود — عبرۂ دیگرش ز دریا بود
ہوسے بودش از دل افروزی — در چہ دیکار دانش آموزی
داشت پیوستہ چوں نکو رایاں — میل بر زیرکاں و دانایاں
در دلِ ہر کہ دید دانش بیش — خاص کردش بہنشینی خویش
سہ پسر داشت ہوشمند و جواں — ہم توانگر بعلم و ہم بتواں
بعد تعلم گشتہ با عطار دجفت — کارِ شمشیر خود چہ باید گفت

---

[1] مزار مقدس حضرت آدم و حوا علیہما السلام ہمیں جا گویند ۱۲ [2] عبرہ بالکسر محصولات کہ از کشتی نشینیاں و جہاز نشیناں گیرند و مجازاً بمعنی خراج ملک ہم آید پس عبرہ اول بمعنی مجازست و عبرہ ثانی در مصرعہ ثانیہ بمعنی حقیقی یعنی سلطان بحر و بر بودہ ۱۲

هر هنر کاندرو گماں نرسد ق ور رسد در گماں[11] بآں نرسد

کرده بود اوستادِ شاں تعلیم هر یکے گشته فیلسوف و حکیم

عقده زیشاں چناں کشاد براز که ملک را بکس نماند نیاز

خواند روزے نہانی از اغیار هر یکے را جدا بپرسشِ کار

کآزمونش کند بکارِ سریر کیں تصور کرا بود بضمیر

گفت اوّل باوّلیں فرزند که مرا شد بگفته سر به بلند

بعد ازیں نیست کارِ مشتی خاک جز نیایش گری بحضرت پاک

قرعه بر تست بادشاهی را رونقِ ماه تا بماهے را

آں بنا تو کنی بداد و بجود که جہاں خوش بود خدا خوشنود

ناتواں را برفق پیش آئی با توانا کنے توانائی

بشبانے رمه نگهداری گوسپنداں بگرگ نگذاری

پورِ دانا بخاک سود کلاه گفت جاوید باد دولت شاه

کے روا باشد از هوا خواهی که زنم پیشِ شه دمِ شاهی

تا توئی ملک بر کسے نه سزاست بے تو خود زیستن برای چراست

تختِ ما واے چوں منی نبود جاے تو جاے چوں منی نبود

مور با آنکه بر سریر بود کے سلیمان و تخت گیر بود

---

[11] بن = کمال آں [illegible] نکو

شہ در آں آزمایشِ کارش | چوں پسندیدہ دید گفتارش
در دلش صد ہزار تحسیں خواند | و آشکارش بخشم بیروں راند
خواند فرزند دومی را پیش | خاص کردش بآزمایش خویش
بافسوں گر سخن بافسوں خواند | ماجرائے گذشتہ بیروں راند
پسرِ زیرک از خردمندی | کرد پرسندہ را زباں بندی
گفت ما را بجان و بینائی | ق کردنی شد ہر آنچہ فرمائی
لیک پیشِ حدیثِ تاج و سریر | عیب باشد ز بندہ عیب گیر
دیں زماں تو کہ تاج و تخت برجای | دیگری کے نہد بمسند پای
واں زماں کیں زمانہ گذراں | با تو نیز آں کند کہ با دگراں
گر بود در سرت کہ افسرِ خویش | خود مزین کنی بگوہر خویش
بہترے ہست آخر از منِ خورد | بارِ سر جز بدوش نتواں برد
بر بزرگاں رواست ایں معراج | لولوی خرد نیست در خورِ تاج
شاہ زد ہم گرہ برابرو کرد | وز حضورِ خودش بیکسو کرد
روی در خوردِ کاردان آورد | خوردہ را باز درمیاں آورد
داد پاسخ جوانِ کارشناس | کہ ز خورداں نکو نیاید پاس
شاہ چوں دید کاں سہ گوہر پاک | می شناسند گوہر از خاشاک

لہ وجب – زباں بافسوں داد   لہ عجب – داد   سہ اے جواب کافی و شافی داد ۱۳

شادمان شد زبختِ فرخِ خویش | سود بر خاکِ بندگی رخِ خویش
بهر ملک دو روز بی سرو تن | ایمن انداز فریبِ چرخِ کهن
لیکن از پیش بیسی بی کوز[۱][۲][۳] | با جگر گوشگان شد اندر شوز[۴]
داد فرمان که هر سه بدرهیز | پیش گیرند ره زپیشِ سریر
تا حدِ ملکِ شهریار بود | هر که ماند گناه گار بود
زین سخن هر سه تن زجای شدند | توشه بستند و ره گرای شدند
گه در آباد بوم و گه بخراب | شهر بر شهری شدند شتاب
ره نوشتند بی شکیب و سکون | تا شدند از دیارِ شاه برون
در رسیدند تا باقلیمی | که ازان بود ملکِ شان نیمی[۵]
در بیابان و راه و منزل و جای | نهادند بی تجارب پای
روزی از گردش ستاره و ماه | ق | می نوشتند سوی شهری راه
ناگه از پیش زنگی چون قیر[۶] | تگ زنان سوی شان گذشته چو تیر
گفت کای رهروانِ نیازی | شتری دید کس روان زین سوی
زان سه برنا یکی زبان بکشاد | نقشِ نادیده را نشانی داد

لہ مجب = کور   ۲ھ س، خورد گور   ۳ھ کوز بواو معروف در فارسی بمعنی پیچیده و خمیده یعنی چنان پیش بینی راست که در و کجی و پیچیدگی نبوده ۱۲   ۴ھ مجب = شور   ۵ھ یعنی متقابل وسعت آن اقلیم ملک پدر ایشان نصف بود ۱۲   ۶ھ قیر بالکسر بروزن میر روغنی سیاه که بر شتران و درزهای کشتی مالند بمعنی تارکول ۱۲

گفت کاں گم شدہ کہ رفت ز دست	یک طرف کور ہست گفتا ہست
دومی گفت چوں خردمنداں	کز دہانش کم ست یک دنداں
سومیں ہوشمند با تمییز	گفت یک پائے لنگ دارد نیز
زاں نشانہا کہ بود روشن و راست	شبہہ از پیشِ ساربان برخاست
گفت چوں راست شد نشانی داد	بایدم رہ بہم عنانے داد
باز گفتند ہر یکیش جواب	کہ ہمیں راہ گیر و رو بشتاب
مردِ پوئیدہ راہ پیش گرفت	رفت دنبالِ کارِ خویش گرفت
آں جواناں براہ گام بگام	می لنوند نرم نرم خرام
تا زمانے کہ گرم گشت سپہر ق	موجِ آتش فشاند چشمۂ مہر
زیرِ عالی درختے انبہ[1] شاخ ۲	کش دو پرتاب بود سایہ فراخ
دررسیدند رنج دیدۂ راہ	میل کردند سوی آب و گیاہ
چشمہ دیدند دست و پا شستند	بر گل و سبزہ خوابگہ جستند
چوں ز بادِ خوش درونہ نواز	نرگسِ مستِ شاں شد اندر ناز
ساربان باز دررسید چو باد	باز بانے چو خنجرِ فولاد
گفت زیں سوی تا بیک فرسنگ	پایم از تاختن نداشت درنگ
درنوشتم بسے گریوہ و کوہ	وز تگ و پویہ آمدم بستوہ

۱ انبہ مخفف انبوہ اسے زیر درختے بزرگ کہ شاخہائے انبوہ بود ۱۲ ۔ ۲ میدان ۱۲

دیدہ گردی ازاں رمیدہ ندید — گرد چہ؟ بلکہ آفریدہ ندید

گفت زانیشاں یکے کہ بشنو گفت — ہر چہ دیدیم چوں توانش نہفت

ہست بارش سبو و در رو[۱] بارروے — روغن ایں سوی و انگبیں زاں سوے

دومیں کرد روے کار برو — ہست گفتا زنے سوار برو

سومیں گفت زن گراں[۲] بارست — وزگرانیش کار دشوارست

سارباں زاں ہمہ نشانِ درست — گردِ شک را ز روی خاطر شست

آگہی چوں نداشت از فنِ شاں — چنگ در زد بیک بدامنِ شاں

نعرہ برداشت کیں سہ طرارند — کہ بتاراجِ خلق درکارند

ہر زماں سوبسو زمیں بزمیں — بہر کالا ہمی کنند کمیں

تا کجا باشد اشتری و خری — ق — یا متاعے ز نقرہ و زر زری

بفریب و فسون و چارہ گرے — ببرند از مقیم و رہ گذرے

زاں نفیر و فغاں کزو برخاست — گرد گشتند خلق از چپ و راست

گرد شاں شد ز مردم انجمنے — ہر یکے گفت بیش و کم سخنے

تا نہایت برآں قرار افتاد — کہ بباید شدن چو کار افتاد

ملکِ عہد را خبر کردند — راہِ انصاف را نظر کردند

کار کاں[۳] بستہ گشت نکشاید — کار فرما تمام فرماید

---

[۱] مقابل ۱۲ [۲] یعنی حاملہ ۱۲ [۳] جب کار چوں بستہ گشت نکشاید

هم بر آن اتفاق جمله بهم | حکم جویان شدند سوی حکم

ساربان ماجرای حال که بود | ق | وان همه پاسخ و سوال که بود

گفت با شه یگان یگان بدرست | شاه زان هر سه نیز پاسخ جست

آنکه زایشان کیاست افزون داشت | ق | در هر افسانه صد افسون داشت

گفت اول دعای دولت شاه | که بمان تا بود سفید و سیاه

چشمها را ز خاکپای تو نور | دیدهٔ بد ز آستان تو دور

ما سه برنا مسافریم و غریب | در تگ و پویه ز آب[1] و خور نصیب

سالها شد که گرد عالم خاک | می نوردیم دشت و کوه و مغاک

نیست زین تاختن بهر جایی | بهرهٔ ما بجز تماشایی

در دیاری که راه بنوشتیم | چون بدیدیم جمله بگذشتیم[2]

زین دو دیدن بزیر چرخ کبود | روزی این سوی نیز راه نمود

می بریدیم ره ز گردش دهر | تا رسیدیم بر در این شهر

اول این زنگی سیاه وجود | ق | که در آن سوی ما رسید چو دود

اشتری جست و ما بلابه[3] و لاغ | تازه کردیم نقش او را داغ

ناگهنگاه را این قدر جستیم | که دروغی بروی او بستیم

---

۱ از آب و دانه مقسوم در سیر و سیاحت می باشیم ۱۲ | ۲ جب = بگذشتیم

۳ لابه بمعنی تملق و عجز و بمعنی اخلاص مجاز است و لاغ بمعنی ظرافت و خوش طبعی ۱۲

شد ملک گرم زین حکایت گفت | کانچه پیداست چون توانش نهفت
بس دروغے کہ گویش بخواست[1] | اتفاقاً مقابل افتد راست
چون خود از دل برون فگندی راز | تیر کز شست رفت ناید باز
زاتفاق از دروغ نافرجام | راست از دہ یکے بود نہ تمام
بردہ را باز دہ بہانہ مکن | خویشتن را بدنشانہ[2] مکن
این سخن گفت چون ستمگاران | بندشان کرد چون[3] گنہگاران
چون بشام آفتاب نورانی | ق گشت در زیر خاک زندانی
آن جوانان نغز با فرہنگ | سوی زندان شدند با دل تنگ
ہمہ شب رفت شان بجز و نی | در صفِ دزد و رہزن و خونی
شب چو بر ناقہ بست محملِ خویش | ق مہ بخورشید داد منزلِ خویش
شترِ یاوہ[5] گشت با ہمہ ساز | بر درِ ساربان رسید فراز
مردے آمد کہ در فلان کہسار | بر درختیش ماندہ بود مہار
من بدان سو شدم بکار کشی | دیدم و کردمش مہار کشی
زان کہ بالاش بود دادنشان | تا من آوردمش مہار کشان
ساربان دادش آنچہ واجب بود | پس بسوی ملک روان شد زود
گفت باشہ کہ من بدولتِ شاہ | یافتم ہرچہ یاوہ گشت براہ

---

[1] ج ب = بے کاست [2] ج = [illegible] [3] ج ب = [illegible] [4] ج = قسام [5] آوارہ شدہ و راہ گم کردہ

اشتر و ہر چہ بود بار برد | وآں عروسے کہ بُد سوار برد

شہ نظر سوے عدل فرماید | بندیاں را ز بند بکشاید

شہ ز آزارِ بے گناہے چند | از جگر بر کشید آہے چند

خواند شاں با ہزار خجلت و شرم | نرم دل کرد شاں بپوزشِ گرم

وانگہے داد شاں ز بند خلاص | خلعتے داد ہر یکے را خاص

پس بپرسید شاں کہ قصۂ خویش | باز باید نمود از کم و بیش

کانچہ مردم ندید پیکرِ او | چوں نشانے دہد ز جوہرِ او

ماجرا گر درست باشد راست | خواستہ[1] بیکراں دہم بیخواست

در کم و بیش در میاں آید | سر ز شمشیر در زیاں آید

رمز داناں بشرطِ خدمتِ خاص | تازہ کردند سجدۂ اخلاص

پس یکے زاں سہ تن زباں بکشاد | گفت باشی ہمیشہ خرم و شاد

من کہ کوریش را نشاں گفتم | بینشم[2] وانمود[3] زاں گفتم

ہمہ یکسوے دیدم اندر راہ | خوردنش از درخت و خار و گیاہ

نقش بستم کہ یکطرف کور است | کش بیک سوی در چرا ز درست

دومی گفت کز رہِ فرہنگ | من بیک پاے زانش گفتم لنگ

کانچناں دیدمش براہ نشاں | کہ زیک پاے رفتہ بود کشاں

---

[1] خواستہ یعنی مال ۔ مال بیکراں بے طلب بشما دہم ۱۲ [2] بے عقل من ۱۲ [3] رجب = رہ

سیومیں گفت چوں خردمنداں ق منکہ کم گفتمش یکے دنداں
برگ شاخے کہ خوردہ کردۂ او دیدم افتادہ نیم خوردۂ او
ہرچہ ناخوردہ میمنود درو برگ یک یک درست بود درو
روشنم شد ز عقل چندانے کز دہانش کم ست دندانے
شاہ گفتا کہ آں سہ چیز نخست ہرچہ گفتید راست بود درست
واں سہ دیگر بدانش و تمیز روشن و راست گفت باید نیز
باز یک تن زبان راز کشاد وآنچہ در پردہ بود باز کشاد
گفت کا ول دمے کہ از من رفت ماجرا ز انگبین و روغن رفت
آنچناں شد کہ در خس و خاشاک دیدم آلائشے چکیدہ بخاک
مگس افگندہ بود یک سو شور سوی دیگر قطارِ لشکرِ مور
ہرچہ در روے دو ید مور بجہد ق حکم کردم کہ روغن ست نہ شہد
وانکہ سویش مگس نمود ہجوم بفراست شد انگبیں معلوم
شخص دوّمیں زباں کشاد کہ من آنکہ بروے سوار گفتم زن
آنچناں دیدہ شد کہ گشت یقیں اثر زانوے شتر بزمیں
گشت پیدا ز پہلوِ زانو نقش نعلین ہاے کدبانو
ترشّیِ نیز دیدم از یکسوی برگرفتم ز خاکِ آنجا بوی

نفس زاں بوسے درگداز آمد   جوشِ شہوت در اہتزاز آمد

کردم اندیشہ راز خاطر فرد   کہ سوارِ شتر زن ست نہ مرد

گفت سیومیں کہ رای من بنهفت   زاں سبب حال وگرانش گفت

کاندراں جای کاں جمازہ نشیں   بر جمازہ سوار شد ز زمیں

دیدم آنجا کہ نقشِ پاش نشست   گشت پیدا آنجاکہ نقشِ دو دست

گفتم ایں حال وگراں بارست   کز زمیں خاستنش دشوارست

آنکہ در خاک دست سای شدہ است   ازپئے خاست چارپای شدہ است

شاہ کز ہر سہ تن شنید جواب   بندہ شد زاں فراستِ بصواب

ہر یکے را بصد نوا بنواخت   ساخت برگ چنانکہ باید ساخت

ناں نو دارد و رمئیِ شاں   کرد رغبت بہمنشینیِ شاں

منزلے دادشاں درون سرائے   تا بود نزدِ شاں بخلوت جائے

دل چو فارغ شدیش از ہمہ کار   تازہ کردی نشاط را بازار

با حریفانِ نوبہ تنہائی   بادہ خوردی بمجلس آرائی

گوش کردی دمے نہانیِ شاں   بہرہ جستی بکاردانیِ شاں

مغز معنی کہ دیدی اندر پوست   نقش کردی بجانِ معنی دوست

سلہ بمعنی جنبش ۱۲   سلہ جمازہ بصیغہ مبالغہ بہ تشدید میم ست ولیکن در فارسی بتخفیف ہم مستعمل میباشد بمعنی شتر تیز رفتار ۱۲   سلہ رجب = زکاردانی   سلہ جان بر موصوف معنی دوست صفت نے جانیکہ معنی ما دوست میداشت ۱۲

شہ فرستاد نزدِ شاں یک روز ۔۔۔ برّہ و بادۂ درونہ فروز

ہمہ باہم نشاط پیوستند ۔۔۔ شاد و خنداں بیادہ بنشستند

چوں دمے چند کرد ہر یک نوش ۔۔۔ وآمد از مے درونہا در جوش

باز میکرد ہر یک از کم و بیش ۔۔۔ داستانے بقدرِ دانشِ خویش

آنکہ مہ بود ز چار یک اندیشہ ۔۔۔ ق ۔۔۔ باز گفت از دل خرد پیشہ

کیں مے کآدمی گم ست درو ۔۔۔ گوئیا خونِ مردم ست درو

دومیں کاردانِ راز شناس ۔۔۔ ق ۔۔۔ گفت زاندیشۂ درست قیاس

کیں برہ گوئیا نہ پاک رگ ست ۔۔۔ پرورش یافتہ زشیرِ سگ ست

سیومیں نقش بند عقدہ کشای ۔۔۔ ق ۔۔۔ باز گفت انچہ روی داد ز رای

کیں ملک نے زشاہِ آزاد ست ۔۔۔ دانم از پشت مطبخی زاد ست

ملک اندر کمینِ دیوار ے ۔۔۔ گوش میداشت سوی گفتارے

تا ہر آں خوردۂ کآید از سہ حکیم ۔۔۔ کندش در جریدۂ تعلیم

زاں سہ نکتہ کہ گوش گیر شدش ۔۔۔ دلِ نازک گماں پذیر شدش

بسکہ جوشِش درونش ابتر کرد ۔۔۔ سر بخلوت سرائے شاں در کرد

ہر سہ تن تیز دار بر جستند ۔۔۔ با ملک چوں نشست بنشستند

شاہ فرمود کیں زماں نہفت ۔۔۔ ہرچہ گفتید باز باید گفت

ـلـه برہ یعنی حلوان ۱۲ [illegible]

گشت تحقیق در بطانهٔ[1] شاں | کہ شنیدست شہ فسانهٔ شاں

گرچہ آں گفتہ دلپسند نبود | باز گفتند چوں گزیر نبود

شاہ یک یک شنید و گشت خموش | بادہ می خورد با دل پُرجوش

کردہ بود آزموں کز ایشاں کس | نزند ہرگز از گزاف نفس

صبح چوں رازِ چرخ روشن کرد | صحنِ گردوں چو سبز گلشن کرد

شاہ در ماجراے بادهٔ دوش | باز جست آگہی ز بادہ فروش

مردِ خمار گفت کیں انگور | بردہ ام از رزِ[2] فلاں دستور

اوّل آں باغ بود گورستاں | گور افگندہ ساختش بستاں

چوں یکے باز خواند روشن درست | از دو دیگر تفاوتش برخاست

از شباں باز جست رازِ برہ | زد شباں قلب چوں نبود دسره

گفت کیں برہ بود پہلوے میش | شیر پرورد مہرِ مادرِ خویش

بانگ برزد برو بہ تندی شاہ | کیں زمانت سر افگنم چو گیاہ

زیں سیاست نباید آساں رست | جز با قرارِ راست نتواں رست

کرد روشن شبانِ برہ فروش | کاوفتاد از گناہ او سرپوش

دل ز تیمار جان و تن برداشت | پردہ از رازِ خویشتن برداشت

گفت کیں برہ بود در رمہ خرد | کز رمہ گرگ مادرش را برد

---

[1] دل ۱۲ [2] درخت باغ رز ۱۲

ماده سگ داشتم دونده چو تیر — بچهٔ چند بودش اندر شیر

رام کردم چنان بدستانش — که بره سخت شد به پستانش

چون چنان شد ز شیر مستی نغز — استخوانش بپوست شد همه مغز

آوریدم بسوی مطبخِ خاص — زین گنه خواه تیغ خواه خلاص

شه چو رمزِ دو خرده دید درست — گشت پاس از خیالِ سویم سست

چاره ناچار سوی مادر راند — رازِ دل را نهفته بروی خواند

در گریبانش چنگ در زد سخت — ق گفت خواهم ز تو جهان پرخت

ورنه برگو براستی خبرم — تا که بود است در جهان پدرم

از که آوردهٔ چو من پسری — پدرم شاه بود یا دگری

مادر از خشم در خروش آمد — خونش اندر جگر بجوش آمد

گفت کاندیشه نیستت ز وبال — که نهی تهمتم به پیران سال

که تواند جز آفتابِ بلند — کافگند بر سر پیاده پرند

غیرِ دارا کرا بود یارا — که در آید بپردهٔ دارا

باز بر فرقِ شاه برشد دود — رو بمادر نهاد خشم آلود

گفت گر صد بهانه پیش آری — نرهی جز براست گفتاری

بزه[1] را که کردهٔ بشمار — تا نگردم به کشتنت بزه کار

---

[1] بزه بمعنی گناه ۱۲

مادرش کز درونش دود[1] نداشت   عذرها گفت هیچ سود نداشت

آگهی داشت کان عیار[2] انگیز   هست گاهِ قصاص بی‌پرهیز

از رهِ[3] راستی بلرزه و بیم   کرد خود را بدستِ خون تسلیم

گفت رازی که داشتم بنهفت   بشنو اکنون اگرچه نتوان گفت

روزی از روزهای فصلِ بهار   شه برون رفته بود سوی شکار

من جوان بودم و ز خوبان طاق   خفته تنها در اندرونِ رواق

خواب[4] چون رختِ خود گران[5] آورد   مبلغی در رسید و خوان آورد

من از آنجا که هست میلِ زنان   آرزویم ز دست برد عنان

در وی آویختم چو مردمِ مست   جوشِ دل مهرِ عصمتم بشکست

هرچه در سرنوشت بود مرا   نفسِ بد عاقبت نمود مرا

تخم[6] چو در شاخِ نوبهار آمد   میوه چون توام ببار آمد

شه چو بشنید رازِ مادرِ خویش   سر فگند از خجالت اندر پیش

رفت در خود فرو و حیران گشت   از چنان پرسشی پشیمان گشت

رفت[7] بیرون ز کاخ شرمنده   وز تحیر نه مرده نی زنده

شد بخلوت سرای مهمانان   بی‌زبان گشته زان زبان دانان

---

۱ دود داشتن یعنی زهره و دلیری داشتن ۱۲   ۲ از عیار انگیز مراد پسر یعنی شاه ۱۲

۳ رجب ـ سر   ۴ ای خواب رفت و بیدار شدم ۱۲   ۵ رجب ـ برگران

۶ مراد از تخم نطفه و از شاخ نوبهار رحم زن ۱۲   ۷ رجب ـ جست

چوں گذشت از شراب دورے چند ۔۔۔ راز را بر گرفت مُہر ز بند
گفت کانچہ از شما شنیدم راز ۔۔۔ ہمچناں یافتم چو جستم باز
روشن و راست بود چوں ہر چیز ۔۔۔ روشن و راست گفت باید نیز
کیں ہمہ کارہا کہ پنہاں بود ۔۔۔ از چہ دانستہ شد کہ زینساں بود
گفت یک تن کہ من چو خوردم می ۔۔۔ دیدم افزایشِ غم اندر وے
از مے افزایشِ طرب باشد ۔۔۔ چوں غم افزوں کند عجب باشد
باز جستم ز دیگراں احوال ۔۔۔ بود ہم زیں نمط جواب و سوال
روشنم گشت کاں شراب چو نوش ۔۔۔ دارد از خونِ خاکیاں سر جوش
گفت دومیں کہ من بہ برّہ مست ۔۔۔ چوں بر آہنگِ خوردبردم دست
دل بیک لقمہ شد بسوزش و تاب ۔۔۔ وز دہانم روانہ گشت لعاب
بوی خونِ سپشت در رگ داشت ۔۔۔ پہلوی ہمچو پہلوی سگ داشت
گفتم ایں برّہ بنگیست چو گرگ ۔۔۔ یا خود از شیرِ سگ شدست بزرگ
سیومیں گفت من حقیقتِ کار ۔۔۔ گویم ار باشدم بجاں زنہار
بزباں راند شہ بسے سوگند ۔۔۔ کہ نباشد بجانش ہیچ گزند

---

۱ جب = تا ۲ رجب = مستی بند ۳ جب = رازہا ۴ رس = بچہ
۵ مراد از خاکیاں مردگان و معنی سر جوش شوربا و مثل آں کہ در اول جوش از سر دیگ بر دارند یا شراب و گلاب و مثل آں کہ باول جوش بگیرند ۱۲
۶ سپش و سپشت کرمیست کہ بر پشت سگ و شتر وغیرہ پیدا میشود و نیز در جامہ و سر مرداں ہم از کثافت پیدا میشود بہندی چچڑی یا جوں گویند ۱۲

پس جواں باز گفت قصہ کہ من | تا رسیدم بہ پیشِ شاہِ زمن

ہر چہ دیدم ز تو بہ دانائی | میزدم بر محکِ بینائی

طلبِ رازِ شاہ میکردم | بنجابت[۱] نگاہ میکردم

از نشانہاے تاجِ تاجوراں | ق کآدمی[۲] را تواں شناخت دراں

باز جستم یکے از آنت نبود | جز دمِ شور و باو نانت نبود

نامدت ہیچ رہ سخن بزباں | کہ نبود اندراں حکایتِ ناں

ایں نشانہا کہ عکسِ شاہی داشت[۳] | برنمودارِ بدگواہی[۴] داشت[۴]

گردرشن فراستم بہ ضمیر | کہ[۵] ترا نیست نسبتے بسریر

شہ فرو شد ز حیرت اندر خویش | سخن از وے بروں نیامد بیش

گفت[۶] کز داد نیست شاہاں را | ق ریختن خونِ بے گناہاں را

غضبم تا عناں نبردہ ز دست | رختِ مہماں بناقہ باید بست

آنگہے گفت جملہ را خنداں | کآفریں بر شما خردمنداں

از شما دوستانِ باتمیز | یافتم بہرہ مندی از ہمہ چیز

با شما عیش موجبِ ہنرست | ہر چہ بیش ست سود بیشترست

لیک گردندہ[۷] جہاں پیماے | نتواں بند کرد دریک جاے

---

۱ ر س = بتجارب ۲ ر س = کہ شاں ۳ ج = بود ۴ ح = شہ

۵ ر ج ب = کہ نیست نسبتت بہ سریر ۶ بادشاہ بدل خود گفت۔

۷ گردندہ موصوف جہاں پیماے صفت یعنی مسافر ہستیم۔

زین نمط خواست عذر با بسیا — پس بہر یک سپرد صد دینا

ہر یک[1] از بخت شادمانۂ خویش — رہ گرفتند سوے خانۂ خویش

سوی ملک پدر فراز شدند — ق چون[2] بدربار سرفراز شدند

پدرِ پیر شادمانی یافت — بارِ دیگر ز سر جوانی یافت

بسکہ از خوشدلی تمکیں گشت — موی کافور گونش مشکیں گشت

کرد روشن بہترین پسراں — بالشِ مشک فامِ تاجوراں

چترِ مشکینش داد با ہمہ چیز — دیگراں را لواے مشکیں نیز

رنگِ مشکیں شعارِ عباسی ست — زیور آراے چرخِ شماسی[3] ست

ظلمتِ شب کہ مشک فام بود — بہرِ آسایشِ تمام بود

خونِ تر در میانِ نافۂ خشک — تا نگردد سیہ نگردد مشک

خط و خالے کہ دلستاں دارد — مشک رنگ ست زیب از آں دارد

شاہ کز نازنینِ مشکیں موے — ایں فسانہ شنید روی بروے

خفت در خوابگاہِ حور العین — گل در آغوش و مشک در[4] بالین

۱؎ حبیب = ہر سہ   ۲؎ س = با پدر باز

۳؎ بالفتح و تشدید میم تخصیص است کہ بر دین شماس باشد و شماس نام شخصے ست کہ دین آتش پرست ایجاد کردہ او ست و چرخ از انجا کہ حرارت آفتاب ہر دم با خود دارد بشماسی موصوف گشت ۱۲

۴؎ مرج = ر

کوثر کشیدنِ بهرام روزِ یکشنبه در بهشتِ سوم و بگنبدِ زعفرانیِ شکرخنده طرب نمودن و بآفتابِ نیم‌روزی خانه گرم کردن

روزِ یک‌شنبه آن ستاره‌روز[1] | شد در ایوانِ زرد بزم‌افروز

چون زر افشاند آفتاب بدشت | دامنِ کوهسار پر زر گشت

رغبتِ برجِ زعفرانی کرد | خانه را خلدِ جاودانی کرد

جامه را نیز کرد خندان‌خند[2] | زعفرانی چو آفتابِ بلند

گفت خورشیدِ نیم‌روزی را | رخ گشاید جهان‌فروزی را

هر کرشمه که او نمود بپوست | ناوکے بود در درونهٔ دوست

شه به نظارهٔ چنان مستور[3] | ماند حیران چو بندان ز نور

باده بر روی سرخ گل می‌خورد | تا فرو رفت ز آسمان گلِ زرد

شب چو نو کرد پرده‌داریِ خویش | گوهر آمود در عماریِ خویش

سر ببالینِ خوابگاه نهاد | باز آن سرورانِ ماه نهاد[4]

داد فرمان که ماهِ شکرخائے | گوید افسانهٔ نشاط‌افزائے

---

١ مراد از بهرام ١٢   ٢ الف برائے اتصال ہست چوں رنگارنگ ١٢

٣ ن ـ منظور

٤ ن ـ باز از در سرانِ ماه نهاد

نازمیں بر زمیں نہاد جبیں — ق — گفت کای شہریار روی زمیں
بخت ہموار ہم عنانِ تو باد — سر بدخواہ بر سنانِ تو باد
ہر مرادی کہ بشمری زانگشت — یک بیک جملہ بادت اندر مشت
شرم دارم کہ پیش دُرِّ دری[۵۱] — کہربا را کشم بجلوہ گری
لیک چوں شہ اشارتم فرمود — ہر چہ دارم بروں فشانم زود
ریخت چوں ایں نمط لآلی چند — گفت زیں بیشتر بسالی چند

افسانہ گفتن زعفرانی پوش نیمروزی

زرگرے بود در خراساں طاق — شہرہ در شہرہاے روم و عراق
حسنش نام و در ہنر مندال — بود چوں نامِ خویشتن خنداں
ہر چہ بتواں زسیم و زر پرداخت — ساختی آنچناں کہ باید ساخت
روزے[۵۲] از دستکاری دلجوی — ساخت پیلے گران ز صد من روی[۵۳]
تا روانی بود بہر جایش — چار گردش[۵۴] نہاد در پایش
چوں بپرداختش بنقش و نگار — ق — از نکوئی چو صورتِ دیوار
پیشِ فرمانروائے شہرش برد — بوکیلانِ درگہش بسپرد

---

[۵۱] بالضم و تشدید را و مکسور لفظ عربی ست بمعنی ستارہ روشن کہ بزرگ باشد اینجا بضرورت شعر تشدید را حذف کردند ۱۲
[۵۲] رجب = وقتے
[۵۳] بمعنی کانسہ ۱۲
[۵۴] یعنی بہیہ ۱۲

پیش بردند شاہ کرد نظر ماند حیران درآں کمالِ ہنر

پس اشارت نمود ہم بشتاب تا دہندش ہزار من زرِ ناب

گفت خواہم ز چوں تو استادی کہ نہی زیں نمونہ بنیادی

پیل کز روی کردہ پرداخت سازی از زر چنانکہ باید ساخت

زر بروں برد مردِ چابک دست رفت در کارگاہِ خویش نشست

نقد را سکہ در عیار آورد دمہ[1] و کورہ را بکار آورد

روز و شب کوششِ ہنر میکرد وز ہنر کارِ خود چو زر میکرد

تا برآراست از پسِ ماہے زندہ پیلے فرا خورِ شاہے

چوں شد آں پیکرِ شگرف تمام در زماں کرد پیشِ شاہ خرام

کارِ خود کز ہنر نداشت قیاس برد در پیشِ شاہِ کار شناس

شہ چو دید آں نمونہ کارش متحیر شد از نمودارش

کرمش کرد دو چار من زر داد مزد دستش چہار دیگر داد

پس بہ پیشش برآمد از پے گشت طرفے گشت و جانبے بگذشت

زاں تماشا کہ بود طرفہ دہر گفت و گوئے در او فتاد بشہر

ہر کجا زیرکی و دانائی ق نقشبندے و پیکر آرائی

چوں بدید اندر آں ہنرمندی خیرہ شد زاں ہنر خردمندی

---

[1] دمہ بمعنی دھونکنی و کورہ بھٹی ۱۲

حاسداں را حسد بکار آمد ‏ ‏ ‏ دلِ ہر یک بخار خار آمد

کار وائے دگر زغیرتِ کار ‏ ‏ ‏ گرداں سکہ شد بوزن و عیار

کرد روشن کہ آں خیالِ شگرف ‏ ‏ ‏ انچہ شد داد کمترست بصرف

مایۂ زر اگر ہزار من ست ‏ ‏ ‏ نہ بجای ست رنگی سخن ست

شد برآں تا چہ بازد از ہر دست ‏ ‏ ‏ کہ در آرد بہ پیل بند شکست

گفت اگر بینِ شہ کشایم راز ‏ ‏ ‏ پیل را شہ نیفگند بگداز

ور شوم سکہ را بوزن دلیل ‏ ‏ ‏ در ترازو چگونہ گنجد پیل

ور زباں از سخن کنم کوتاہ ‏ ‏ ‏ قلب کاری برد خزانۂ شاہ

چارہ آں شد کہ ہم زخانۂ او ‏ ‏ ‏ آگہی جویم از فسانۂ او

پس باندیشہ گشت چارہ سگال ‏ ‏ ‏ تا بروں آورد زپردہ خیال

جست رائی بکوششِ دلِ خویش ‏ ‏ ‏ کآشنا کرد بازنش زنِ خویش

ہر دم از تحفہ ہاے رنگ آمیز ‏ ‏ ‏ کرد بازارِ دوستی را تیز

آنچناں گرم شد میانِ دو جفت ‏ ‏ ‏ کہ بتقریر باز نتواں گفت

شرطِ اخلاص را بہانہ نماند ‏ ‏ ‏ راز را پردہ درمیانہ نماند

مردِ شیریں زبان و خوں آشام ‏ ‏ ‏ ق ‏ ‏ ‏ زہر در جیب و انگبیں در جام

لہ رحس = مایۂ کارگر ‏ ‏ لہ رحس = یکے ‏ ‏ سہ اے کدام حیلہ انگیزد ۱۲

سہ از پیل بند مراد زرگر حسن در بازی شطرنج چوں پیل را بہ پیادہ قوت دہند پیل بندی نامند ۱۲

لہ جب = ذرہ

دید چوں پختہ کارسازی خویش | ریخت بیروں ز پردہ بازی خویش

گفت بازن کہ چوں بہ پنہانی | سوے کدبانوی حسن رانی

فرقۂ[1] بینی و مزاجش نغز | گرم در پوست درویش چو مغز

آری از ہر درے بگفتارش | گوئی آں گاہ بغرض دارش

کاخچۂ جنتِ تو نقشِ پیل کشید | ناقداں[2] را بدیدہ میل کشید

مثلِ آں زیرِ سقفِ مینائی | در نیابد ہیچ بینائی

ایں شگفت ارچہ سر بسر ہنر است | لیک درزش ازاں شگفت تر است

گر کسے خواہدش کہ بر سنجد | در ترازو درست چوں گنجد

زو بپرس ار بداند ایں ہنجار | نیست ہمتای او بہیچ دیار

راز زنیانش آشکار و نہفت | بازگوئی چنانکہ دانی گفت

زنِ زیرک مزاج دور اندیش | زیرکانہ نہاد پاے بہ پیش

تحفۂ برگرفت و رہ برداشت | رفت جائی کہ کار در سرداشت

تحفہ را برد پیش کدبانو | چوں دگر بارگشت ہم زانو

گہ بافسانہ وگہے بفسوں | از دلش خوردہ می کشید بروں

تا دمے از کاردانِ خود بدلیل | پرسد آئینِ برکشیدنِ پیل

ہر نمط وصف کرد کالا را | پیل و آں گنج پیل بالا را

---

[1] حجب ـ فرقے [2] رہ ـ حاسداں

زیر و بالا[۱] نمود چندانش / کز سخن موم کرد سندانش

کرد[۲] این سکّه در مزاج درست / کز حسن وزن سکّه باید جست

شب چو شد پیل بند جوزاراست / چرخ ز انجم بساطِ سبز آراست

حسن از کارگه بخانه رسید / مرغِ زیرک در آشیانه رسید

چون دل از کار خورد نی پرداخت / از پئے خواب سوی بستر تاخت

صنمِ خانه شد بخدمت[۳] شوے / در کنارش خزید رو با روے

خواجه را دل در ابتزاز آمد / نازنیں در نشاطِ ناز آمد

هر دو بر نسبت زناشوئی[۴] / تازه کردند رسمِ دلجوئی

خواجه میگفت در نهان با جفت / آنچه با او بپرده باید گفت

سیمبر نیز پیشِ محرمِ خویش / باز می گفت شادی و غمِ خویش

چون ز هر گفتگوی واپرداخت / سخن از پیل و وزنِ پیل انداخت

گفت کاے در همه[۵] هنرها طاق / ق فیلسوفے بزیرِ سبز رواق

از هنرهاے بیکرانهٔ تو / رفت گردِ جہاں فسانهٔ تو

من ز تو هر چه قصّه پیش کنم / ناز بر همسرانِ خویش کنم

پیلِ زریں که ساز کردهٔ تست / درے از سحر باز کردهٔ تست

---

۱ صفت گوناگوں کردن ۱۲ — ۲ رس۔ گردش — ۳ س = بخلوت

۴ الف در زناشوئی بجاے واو عطف آمده چنانکہ در لفظ سراپا ۱۲

۵ ترکیب = در ہمہ ہنرہا طاق

هر چه از پای دیدمش تا سر | هست جایش ز جای زیباتر

لیک یک مشکل آیدم بخیال | پرسم ار پاسخم دهی بسوال

مرد گفتا که آنچه میدانم | از همه پوشم از تو نتوانم

باز پرس آنچه گردت بضمیر | تا کنمت یگان یگان تقریر

زن بدو گفت کاین خیال شگرف | که دو روز هزار من شد صرف

صنعتش گرچه از حد افزون ست | صنعت وزن کردنش چون ست

گر ترا باشدت تصور چیست | ق | که توان برکشیدنش بدرست

آگهی ده که با خبر گردم | شادیم هست شادتر گردم

مرد گفتا که هست در مشتم | صد هنر یک بهر انگشتم

لیک در[1] خود نهفته دارم راز | کز کس انصاف خود نیابم باز

گر نمایم هنر بهشیاران | نبرم جان[2] ز دست همکاران

نغز گفت آن حکیم دور اندیش | که هنر هر چه بیش دشمن بیش

زن بدو گفت کانچه از دل خویش | ق | باز پوشی ز خلق حاصل خویش

جای آن باشدت که اندر پوست | ۲ | نیست خالی کسی ز دشمن و دوست

لیک احوال خود بخاموشی | ۳ | با که گویی اگر ز من پوشی

خواجه گفتا که راست است و درست | ق | که مرا محرمی دگر نه چو تست

---

[1] حب = با

[2] رحب = جاں

لیک آخر زنی و ہیچ زنے | نتواں داشت محرمِ سخنے
زن کہ در عقل بے کمال بود | رازپوشیدنش محال بود
زن بدو گفت کای ز دانش دور | زن بود شوی خویش را دستور
ہرچہ باشد ز مردماں بنہفت | جز بجفتِ عزیز نتواں گفت
من کہ بودم ہمیشہ محرمِ تو | باکہ گفتم ز شادی و غمِ تو
تا چنیں مُہر بر زباں داری | از من اسرارِ خود نہاں داری
مرد گفت ایں سزای گفتن نیست | قصہ جز از تو در نہفتن نیست
گر برُوں ریزم از دل ایں فنِ خویش | خونِ خود خود کنم بگردنِ خویش
زن کہ بر مرد کامگاری داشت | ق | دل بکارِ ستیزہ کاری داشت
کوشش و جہد در میاں آورد | عصمتِ شوی در زیاں آورد
خواجہ کو رازپوشِ فرماں بود | رازپوشیدنش نہ شایاں بود
گفت گر بایدت کہ بے کم و کاست | ہرچہ پرسی ز من بگویم راست
عہد و سوگند در میاں آید | کیں خزینہ ز بند نگشاید
زن وثیقت نمود و پیماں بست | کہ نشاید بہ فیل بند شکست
آنگہے خواجہ برگشاد زباں | ق | گفت با آفتابِ نوش لباں
کانچہ پرسیدہ شد ز من بدلیل | شکل و ہنجارِ برکشیدنِ پیل

۱؎ اے غالب و مسلط بود ۱۲ ۲؎ اے مطیع او بود ۱۲ ۳؎ ن ج = نہ ساماں ۴؎ س = باید
در سحب - کہ نبایدش شکست

آنچناں باشدش طریقِ صواب | که درآرند کشتی اندر آب
درمیانش نهند پیلِ سترگ | در مقامے که رود باشد ژرف
پس ببینند در میانه رود | چه قدر میرود سفینه فرود
چوں حدآب را کنند نشاں | پیل بیروں کشند پیل کشاں
از گل و سنگ هم بداں مقدار | تخته تخته کنند کشتی بار
تا خطِ آب برقرار رسد | واں تری بر نشانِ کار رسد
آنقدر من که تا نشاں باشد | وزنِ مقدار او همان باشد
وانکه وزنش کم ست نامفهوم | بیش وکم اندراں شود معلوم
زن ازاں گونه حکمتے که شنید | در عجب ماند وپشتِ دست گزید
آفریں کرد بر هنرمندیش | شد بجاں بندهٔ خداوندیش
هردو باهم بعیشِ جاں افروز | خواب کردند شاد و خوش تا روز
زرگرِ صبح چوں زکورهٔ خاک | موج آتش دمید برافلاک
خواجه زرگر بسوی دکاں تاخت | بازوی خانه برگِ مهماں ساخت
آمد آں خواهرِ زبانی باز | بزبانِ فریب ناک دراز
چاپلوسی زحد فزوں می کرد | درهر افسانه صدفسوں می کرد
تاچناں کردش از فریب وغرور | کز دلش گشت بدگمانی دور

له استعمیق ۱۲ ۵ ج - تخته تخته ۵ تخته تخته یا تخته تخته یعنی بخیه بخیه وموزن کرده ۱۲
۵ بیرون گفت

خانه را اعتماد بر وے داشت ‌ ‌ ‌ وز عزیزانِ صحبتش بنداشت

همه پنهانِ خود کشاد برو ‌ ‌ ‌ مُهرِ خویشانِ خود نهاد برو

پیشِ او ریخت هرچه در جاں داشت ‌ ‌ ‌ جز همان نکته را که پنهاں داشت

هر دو باهم درآمدند بکار ‌ ‌ ‌ میزباں ساده میهماں طرّار

هردم آں میهمانِ رنگ آمیز ‌ ‌ ‌ شکلِ دیگر شدی طلسم انگیز

تا پس از مدتے بزرق و فسوں ‌ ‌ ‌ آں سخن نیز زو کشید بروں

چوں کلیدِ خزانه کرد بچنگ ‌ ‌ ‌ قفل برداشت از درِ نیرنگ

رفت در پیشِ جفتِ فتنه سگال ‌ ‌ ‌ و آگهی دادش از مجاریِ حال

مردِ پر غیرت و مخالف راے ‌ ‌ ‌ یافت انگیزشِ بلا را جاے

پیشِ شه رفت و حال روشن کرد ‌ ‌ ‌ دوستی را بکامِ دشمن کرد

گفت کاں پیلِ زر که دانا ساخت ‌ ‌ ‌ زانچه دادی کمست در پرداخت

من چناں سنجمش درست که شاه ‌ ‌ ‌ از کم و بیشِ او شود آگاه

شاه گفتا که آں هنرپیوند ‌ ‌ ‌ نه به تنها اساسِ کار فگند

هیچ دانی که گاهِ وزن و عیار[۱] ‌ ‌ ‌ مشرفاں چند بوده اند بکار

با تو زینساں زغیرتے که فتاد ‌ ‌ ‌ کئی او را بتقلب کاری یاد

مرد گفتا که گاهِ سنجیدن ‌ ‌ ‌ هم تو دانی فزون و کم دیدن

---

[۱] یعنی پیش تو از خویشاں با وے محبت ... [illegible]

گر کم آید ز دزد بستان مال — ورنه بادات خونِ بنده حلال

گفت شه کاین چنین نگارشِ نغز — چون دهیم از شکستنش پا نغز[1]

در درستش برین نمط مانیم — وزنِ او نا شکسته چون دانیم[2]

مرد حیلت پژوه گفت که من — سنجمش نا شکسته هم بزنش[3]

پس بنجار و زن و کشتی و جوی — ق — کز زنِ کارداں رسید بشوی[4]

همه یک یک بشرح بازنمود — باورش داشت هر کسی که شنود

شه چو در گوش کرد گفتارش — سهل بشمرد سکّهٔ کارش

داد فرمان که بار چیست کنید — صدقِ آں ماجرا درست کنید

کاردانان رواں شدند شتاب — پیل بردند بر کرانهٔ آب

پیل سازنده را طلب کردند — روز در چشم او چو شب کردند

بر طریقے که گفت چاره سگال — یافت منزل بکشتیِ آں تمثال

تختهٔ کشتی از چناں بارے — رفت در زیرِ آب مقدارے

تا بجائے که شد نشانِ تری — نقش بستند در دلِ هنری[5]

وانگهی پیل در برون بردند — سنگ در جای او درون کردند

سنگ سنجیده در ترازوی کار — می فگندند من بمن مقدار[6]

---

۱ نقصان ۱۲ ۲ اے ہمیں زماں ۱۲ ۳ ب- بروے ۴ ج- بدوے

۵ هنری بیای نسبت مراد حسن زرگر است حسن را معاملہ کنانیدند و گفتند که این نشان تری را ببین و یاد دار ۱۲

۶ ب ج- بشمار

چوں آں نہ صدمنش شمار رسید — تری آب بر قرار رسید

زاں ہزارش کہ سکۂ داشت اساس — صدمنی بود کم بوزن و قیاس

مردِ صناع را بعتلابی — دست بستند بہرِ بے آبی

ہمچناں بستہ پیش بردندش — با مینانِ شہ سپردندش

شہ ازو باز جست قصۂ حال — او نیامدکم از جوابِ سوال

گفت کاری نہ از رہِ دزدی ست — لیکن از ننگ نام کم مزدی ست

صدمنے بردم از ہزار منت — گر بخشی زکوٰۃِ جان و تنت

ورنہ اینک نہادہ ام بر جائے — بہر ایں روز در درونِ سرائے

تا بہ بینم کہ ایں نگارش چیست — کس تواند کہ بر کشد بدرست

ہر کہ داند بوزنِ او ہنجار — من بشاگردیش کنم اقرار

وانکہ تواندش کہ بر سنجد — سازِ آں در دلش کجا گنجد

داشتم چشم انتظار بسے — وزنِ آں سکہ در نیافت کسے

تا من آں دخل صدمنے کم وبیش — مزد آں دانش آرمش در پیش

ایں نفس ہم زمن بروں افتاد — تا مخالف بآزموں افتاد

من چو زیں پردہ برکشادم راز — پردہ پوشی چرا کند غماز

من چو از گفتِ خود گنہ گارم — ہر چہ بر من رود سزاوارم

---

۱ رس = ہزار یکہ   ۲ بسبب دغابازی ۱۲   ۳ بے آبروئی ۱۲
۴ یعنی او ہم بہ دلیری جواب داد ۱۲

شاہ سر مو و تا زحنا نۂ او — در خزانہ رو و خزانۂ او
کارداراں سِشتا فتند چو باد — باز کردند خانہ را بنیاد
آں زر و گنجِ دیگر از کم و بیش — ہمہ بردند شاہ را در پیش
شہ فرستاد در خزانۂ خاص — پس طلب کرد خواجہ را بقصاص
بود میلے[1] زشہر یک فرسنگ — از فرودش[2] فراخ و بالا تنگ
صد گز از خاک بر کشید بلند — سرِ ش ایمن ز زردبان و کمند
شہ بر آنکس کہ خشمناک شدے — بردی آنجاش تا ہلاک شدے
نرسیدیش چوں خور و آشام — چند روزے شدیش کار تمام
بر حسن چوں بخشم شد رایش — ہم دراں میل ساخت ماوایش
داد فرماں کہ ہم بریں زیرش — بر کشند و زنند قفلِ درش
بستہ شد روزنے کہ ہر جا بود — جز ہماں روزنے کہ بالا بود
او بروزن نشستہ با دلِ ریش — چشمِ حیرت کشاد در پس و پیش
زیر و بالا نظارہ میکرد — با خود اندوہ و حسرتے میخورد
دید شخصے کہ میرسد از دور — ہمچو پروانہ در زیارتِ نور
آمد آہستہ بے رفیق و دلیل — گام بر گام تا بسایۂ میل
چوں نگہ کرد خواجہ یارش بود — زنِ نادانِ خام کارش بود

---

[1] میل یعنی منارۂ بلند ۱۲ [2] یعنی از پائیں پہنا ور و از بالا تنگ ۱۲

آہ و نالہ بر کشید بلند　　گریہ میکرد و روے و مو میکند

خواجہ گفتا کہ رفت چوں تقدیر　　سود کے دارد ت فغان و نفیر

شاندنا دانیت بدیں روزم[1]　　تا کشد روز بد بدیں سوزم

چوں بجاں اوفتادہ کارم خاص　　کوشم اکنوں بجاں برائے خلاص

آنکہ ہست ایں شکنجہ محکم ازو　　ہست امید رہائیم ہم ازو

رنجہ کن سوے شہر گامے چند　　سیرے ابریشم آر و سیرے قند

زن چو دانست کاں بلند مقام　　نکند جست و جوے نافرجام

رفت آں ہر دو را ہم اندر پے　　بستد و باز شد بجانب وے

چوں نگہ کرد خواجہ از بالا　　کہ زنش در رسید با کالا

دادش آواز و گفت بر سرِ تار　　پارۂ قند کن بزودی بار

دہ بمورے کہ میرود بر میل　　تا بہ بالاش می برد بتعجیل

رشتہ را زود زود می کن باز　　کز نشیبش کشد بسوے فراز

ہمچناں کرد زن کہ او فرمود　　داد رشتہ بمور۔ مور ربود

راند بالاے میل تار کشاں　　رسن فستہ بر حصار کشاں

چوں بنزدیکِ رخنہ برد بزور　　ریسماں را کشید خواجہ زمور

گفت ہاں زود کن بیار شتاب　　قدِ صد گز طنابِ محکم تاب

---

[1] اے بشناند ۱۲

زنِ کار اوفتاده باز[1] بتفت — زاں خرابہ بخانۂ خود رفت
رشتہ رازاں نمط کہ دانا بود — خود بخانہ درش مہیا بود
بستد از گنج خانہ پنہانے — راہ برداشت سوی ویرانے
چوں بشتاباں بمیل باز رسید — تا ز[2] چارہ بچارہ ساز رسید
خواجہ تارے بریشم از بالا — ہشت چوں سلکِ لولوی لالا
گفت پیوستہ کن سرش بطناب — خم و پیچش کشادہ دار ز تاب
زن سرِ رشتہ زد گرہ بر تار — او کشیدش بحیلہ و ہنجار
چوں سرِ رشتہ بر دبر سرِ میل — گشت مستورہ را بچارہ دلیل
گفت بر بند خویش را برسن — تا بر آئی بسک[3] ببامِ حسن
گفت زن چوں توانائی اندر زیر — ق — گشتی از جان و زندگانی سیر
منکہ ایں رنجم از برائے تراست — بر زبر بر دنم ز بہر چراست
خواجہ گفتا کہ تا شود معلوم — کہ چسانم دریں خرابۂ شوم
زن برآں گفتہ استواری کرد — گریۂ با فغان و زاری کرد
در کمرگاہ چست کرد رسن — تا کشد خویش را ببامِ[4] حسن
او ز بالا طلسمِ دیگر داشت — با عروس انتقام در سر داشت
حلقۂ بود آہنی در سنگ — محکم و سخت نے فراخ و نہ تنگ

---

[1] اے برگشت ۱۲ [2] ساز یعنی اسباب و چارہ یعنی علاج و از چارہ ساز مراد خواجہ حسن زرگر ۱۲ [3] عجب ـ وسے [4] حسن بیک

سر رشته درو کشید بخت | هم در آن رشته کرد خود را[1] بند
لشکرے نیز کرد با خود بار | وانگہے شد معلق از دیوار
بار چوں سوئے او گرانی یافت | رسن از سوئے زن روانی یافت
میہماں شد بصحنِ میلِ بلند | رفت در زیر میزباں بکمند
زان طلسمی که کرد مردِ دلیر | مه ز بر شد عطارد[2] آمد زیر
زن بر آورد ز آسماں فریاد | گفت کز چیست بر من ایں بیداد
درِ زندانِ فتنه بشکستی | خود ز زنداں شدی مرا بستی
گر بدانم که من گنہگارم | گر کنی زیں بتر سزاوارم
ایں چه بے مہری و ستمگاری ست | جورِ یاراں نه از رہِ یاری ست
چه خلاف از مزاجِ من دیدی | کیں ستم بر سرم پسندیدی
بازگو آمد ار ز من کارے | تا شکایت ز خود کنم بارے
خواجه گفتا که ہر چه پیش آید | آدمی را ز فعلِ خویش آید
گر ندانی تو رنجِ پنہانم | منکه خوں خوردم از تو میدانم
گر تو بیگانه را بسنجشِ پیل | رہ نمونی نکردهٔ بدلیل
وانچه من زان لبی زدم نفسے | آشکارا نکرده ام بکسے
من چرا در چنیں خرابه شوم | کردمے نالہاے زار چو بوم

---

[1] یعنی رسن را مکے بار ہم ... [illegible] ... فرود آمد [2]

زن چو کرد آں فسانہ را در گوش — گنہ از خویش دید و گشت خموش

دل بہ تسلیم کردگار سپرد — ماند بیخود فتادہ گوئی مرد

واں رسن تاب بوالعجب پیشہ — باز رست از طنابِ اندیشہ

رفت و بنهفت رخ بگوشۂ شہر — تا چہ پیدا شود ز گردشِ دہر

واں پری شب در آں نشیمنِ دیو — ہمچو دیوانہ می نمود غریو

روزِ دیگر ز بہرِ ہیزم و کاہ — مردماں را فتاد زاں سو راہ

کرد ناگاہ زاری و فریاد — ہر کسے سوئے او دوید چو باد

زہرہ دیدند برج گیر شدہ — اخترے در وبال اسیر شدہ

ماند یوسف رخے بزندانے — نازنینے بمحنت آستانے

باز جستند زو حکایتِ حال — او شد از راہِ خود فسانہ سگال

قصۂ حالِ خویش و حیلۂ شوئے — وانچہ آمد ز روزگار بروے

واں بدشمن کشادہ کردن راز — در فگندن رفیق را بگداز

واں رسن بازئے کہ کرد رفیق — حبسِ او در خلاصِ خود بطریق

ہر کہ بشنید دست بر سر ماند — وز طریقِ خلاصِ او در ماند

کس نیارست کز رواقِ بلند — بندیٔ شاہ را کشاید بند

ہر کسے چوں بشہر رفت ز راہ — زاں حکایت خبر رسید بشاہ

کاں ہنرور بہ بہتریں رائے — کرد زاں گونہ زیر و بالائے

شاہ زاں چارہ جستہ درمنداں | ماند لب را گرفتہ در دنداں
کرد اشارت ز بہرِ پرسشِ کار | کآوریدند ماہ را ز حصار
چوں بدرگاہِ شہ رسید عروس | از دروں برکشید نالہ چو کوس
وانچہ در زیرِ پردہ داشت نہاں | گفت در پیشِ شہریارِ جہاں
شہ غلامانِ خاص را فرمود | تا بجویند جفتِ او را زود
نقش بینان[۱] بجست و جوی شدند | در کہ و دشت و شہر و کوی شدند
آگہی یافت خواجہ پنہانے | کہ بجاں آمد آفتِ جانے
دلش از بیمِ جاں شکست گرفت | کفن[۲] و تیغ را بدست گرفت
پیشِ شہ رفت و کرد زاریِ خویش | شرمسار از گناہ گاریِ خویش
شاہ گفتا کہ باچنیں خردے | ق کہ ندارد صناعتِ تو حدے
چیست کز حرصِ نفسِ فتنہ پرست | بخیانت دراز کردی دست
مردِ دانا نہاد سر بر خاک | ق گفت کای دشمنِ تو بادہ ہلاک
تا جہاں ہست در پناہِ تو باد | چرخ در سایۂ کلاہِ تو باد
من کہ اندیشہ مرا بشمار | یک ہنر نے صد ست بلکہ ہزار
ہر فنے کآں بہ است در ہمہ چیز | دارم از کسب و عطائے نیز
لیک از بیمِ زرقِ بی ہنراں | ساختم خویش را ز بے خبراں

---

[۱] مراد از جاسوسان عاقل کہ خط و خال را دیدہ نشان شخص یابند ۱۲
[۲] یعنی آمادۂ مرگ گردید ۱۲

ایں ہنوز دارِ زر کہ بنمودم | کیمیائے بس براند و دم
تاچو بینندہ زر گرم داند | کیمیا کاریم نہاں ماند
واں خیانت کہ کردم اندر مال | نہ مرادم ذخیرہ بد نہ منال
بود مقصودِ من بعقل و دلیل | آزمونِ کسانِ سنجشِ پیل
چند گاہے نگاہ می کردم ق | چشمِ فکرت براہ می کردم
کہ کسے دارد آں قدر فرہنگ | تا شود سرکشائے ایں نیرنگ
چارۂ آں زکس نگشت پدید | تاہم از من بروں فتاد کلید
شاہ زانجا کہ رسمِ داد نمود | بہ ہلاکم سپرد و برحق بود
ہر کجا قلب کار و دزد بود | گر سیاست کنند مزد بود
واں کہ من از طریقۂ رنداں | زندہ خود را کشیدم از زنداں
واں زنِ بد کہ قفلِ راز شکست | خویشتن را کشادم او را بست
غرض آں بود کیں طلسم شگرف ق | چوں رسد پیشِ شاہ حرف بحرف
باز پرسد ز من نہانیِ من | گردد آگہ ز کاردانیِ من
گر شہم بر گنہ قصاص کند | مملکت را بعدل خاص کند
ور گناہم ببخشد و جاں نیز | کرم و عفو بہتر از ہمہ چیز
داشت شہ نیز مہربانیِ او | از چہ[1] ز افسون و کاردانیِ او

---

[1] از چہ بطریق سوال واقع شدہ و از افسوں و کاردانی او جواب یعنی از کدام سبب بادشاہ خیال مہربانی میداشت بسبب دیدنِ افسوں و کاردانیِ خواجہ حسن زرگر ۱۲

گفت بارے بجنبم ایں بارش | تا ببینم نہایتِ کارش
آنکہ کردارِ بد روا بیند | خود ز کردارِ خود سزا بیند
ور بود در ہنر ستودہ اثر | برخورد ہم ز مال و ہم ز ہنر
شہ ز اندیشۂ چنیں خورسند | بعد از انش خلاص داد ز بند
در صفِ خدمت اختصاصش داد | شغلے از شغلہائے خاصش داد
چند گہہ از کفایت و تدبیر | پایہ والاش گشت پیشِ سریر
از خرد کارش آں روائی یافت | کز ملک شغلِ کدخدائی یافت
تا بدانی کہ ہر کرا ہنر دست | آرزوہاش در کنارِ خود ست
وانکہ زر سنجی از پئے دگراں | از زرِ خود نہاد گنج گراں
چوں بزر داشت نسبت از جامہ | رنگِ زر تازہ کرد بر جامہ
روز و شب با خود آں نشانی داشت | جامہ را رنگِ زعفرانی داشت
زر کہ اکسیرِ کامرانی یافت | عزت از رنگِ زعفرانی یافت
زعفرانی عجب تریں رنگ ست | گونۂ عاشقانِ بے سنگ ست
بنگر آں زر کہ زعفرانی نیست | در عیارِ آنچناں کہ دانی نیست
آفتابے کہ آسماں دارد | زینت از رنگِ زعفراں دارد
در مزعفر فزائشِ طرب ست | خندۂ زعفراں ازاں سبب ست
شاہ را چوں نگار بشکر خاے | ق | زعفراں وار شد نشاط افزاے

در بر آورد شاہ زرد قباش　　زعفراں سائے گشت بر حلواش

مجلس آراستنِ بہرام روزِ دوشنبہ در بہشتِ چہارم بہ گنبدِ ریحانی با ماہِ سبز رنگِ سقلابی[۵] و لباسِ خضر پوشیدن و سلسبیلِ حیات نوشیدن

در دوشنبہ کہ چرخِ ریحاں پوش　　داد گل را نشاط مرزنگوش[۱]

کرد خسرو چو سبز پوشی رائے　　گشت رخشاں چو ماہِ سبز قبائے

راند با ہمنشینِ روحانی　　سوئے گنبد سرائے ریحانی

باز برگِ نشاط ساختہ شد　　بربطِ خوش دلی[۲] نواختہ شد

غمزہ زن گشت ماہِ سقلابی　　فتنہ را داد شغلِ بے خوابی

مجلسِ عیش و کامرانی بود　　تا بشب دورِ دوستگانی بود

چوں شبِ تیرہ گشت گوہر سنج　　در زمیں در شد آفتاب چو گنج

شاہ مست و حریف ہم سرمست　　رفت بیروں عنانِ ہر دو ز دست

گفت فرماندۂ سریر بلند　　کہ شکر لب زپستہ ریزد قند

گوید افسانۂ گراں گفتن　　در شبِ تیرہ خوش تواں خفتن

---

[۱] مرزنگوش نوعے از ریحاں ست کہ خوشبو باشد ۱۲　　[۲] س = خوش نوا

[۵] سقلاب بالفتح ولایتے ست از ترکستان نبتماسے روم کہ مردمانِ آنجا بحسن صورت مشہور اند ۱۲

لعبتِ سیم با ہزار نشاط | سو درخ را بپائگاہِ بساط
گفت شاہا جہاں بکامِ تو باد | وز جہاں ہرچہ ہست رامِ تو باد
ہر کہ بد بیندت چو بد بیناں | دو زخی باد ہمچو بے دیناں
تحفۂ من کہ خاکِ راہ بود | کے سزاوارِ بزمِ شاہ بود
لیک زاں ساں کہ خسرواں دانند | بندگاں را بزرگ گردانند
من ہم آنچہ از فزون و کم دانم | چوں ملک کرم ست برخوانم
چوں بپوزش تمام کرد سخن | ق گفت وقتے بروزگار کہن

افسانہ گفتنِ سبز پوشِ سقلابی

بود فرماں دہے بہندوستاں | شہر و کشور ز عدلِ او بستاں
ہرچہ در خسروی بکار بود | ق کہ بداں ملک برقرار بود
داشت از مردی و جہانداری | خاصہ آئینِ میہمان داری
ساختہ میہماں سرائے خوب | یک بیک سازِ او ہمہ مرغوب
ہر عشیرے کہ آمدی از راہ | در فرو دیش ناز و نعمت و جاہ
باز جستی از و عجائبِ دہر | وز ہنرہائے او گرفتی بہر
تا رسید از قضاش مہمانے | خوش جہاندیدۂ و ہنردانے

---

[۱] جب = در [۲] سمجھا [۳] یعنی تمام [۴] گو [۵] جستجو = مسافر

جادوئی گز دمِ فسون پرداز ‌ مرده را جان به تن کشیدی باز

شاهِ مهمان نواز خواندش پیش ‌ دلنوازی نمودش از حد بیش

چون بپرداخت[1] از ارجمندیِ او ‌ جست بهره ز بهره مندیِ او

مردِ دانا ز شرمساریِ جود ‌ داد بیرون هر آنچه دروے بود

زانچه میکرد شاه را آگاه ‌ بیش ازاں گشته بود حاصلِ شاه

تا دم از نکتهاے[2] جانی رفت ‌ سخن از مرگ و زندگانی رفت

شاه گفت آنچه در جهاں هنر ست ‌ ق ‌ کادمی زاده را براں گذرست

از هنر پروراں بخشش و برگ ‌ کسب کردم مگر که چارهٔ مرگ

چون نبود ایں کلید بر مردم ‌ بسته ایں در بچار ها کردم

زیں سخن ره روِ بیابانی ‌ زیرِ لب خنده کرد پنهانی

شاه گفت اے خردِ بجانِ تو جفت ‌ سببِ خنده باز باید گفت

شد مسافر بحیله عذر اندیش ‌ که شود پرده پوشِ خندهٔ خویش

غنچه[3] گه باز کرد و گه پیوست ‌ آنچه بشگفته بود باز نه بست[4]

چون دمِ عذر دلپذیر نبود ‌ گفت چیزے کزاں گزیر نبود

---

[1] یعنی شاه چوں از تعظیم و عزت دادن مهمان فارغ شد ۱۲ ‌ [2] اے شده شده سخن در ذکر جان افتاد ۱۲

[3] مراد از غنچه دهن باشد یعنی لبهاے خویش را از خنده باز کرد و بار دیگر فرو بست لیکن خنده بر حالیکه دلالت کرده بود آں را نهفتن نتوانست ۱۲

[4] حرس = باز بست

که مراچون بجست وجوی هنر — ق — شرق تا غرب گشته[۱] بهر دگر

هر کجا در زمانه نیرنگی ست — که پژوهنده را در درنگی ست

اندک اندک بهر ده و شهرے — برگرفتم زهر یکے بهرے

تا رسیدم باوستادے چست — که دم از نقل روح زد بدرست

بفسون جان خود[۲] برون کردے — در دگر کالبد درون کردے

عمرے از خلق روے پیچیدم — خدمتش را بجان بسنجیدم

تا چنان شد ز شرمساری من — کاین فسون داد یادگاری من

هرچه من زد گرفته ام تعلیم — گر تو جوئی ترا کنم تسلیم

شاه گفتا[۳] که بارے اول کار — آزمونی ببایدم ناچار

مگسے را بکشت خواجه بتفت[۴] — از خود آمد برون و در وی رفت

قالب مرده بر زمین افتاد — در زمان آن پرید واین افتاد

قدرے گرد سو بسو پرواز — باز در قالب خود آمد باز

خفته برخاست از زمین خندان — ماند بیننده دست در دندان

گفت اگر آگهی[۵] دهی زین حرف — یادگاریم باشد از تو شگرف

وآنچه من دارم از جواهر و گنج — همه[۶] را پیشت آورم بے رنج

---

۱ جبر س - گشته شد بکسر ۲ س - زتن ۳ ح - گفتش

۴ تفت بمعنی گرم واینجا بمعنی شتاب وجلد ۱۲ ۵ رجب - آگهم کنی ۶ رجب - نیمه

۷ یعنی بیدسته ۱۲

گفت دانا کہ زر کدام خس ست — ہنرِ من مرا خزینہ بس ست

آنکہ او کیمیائے جاں دارد — زر چہ باشد کہ دل برانؑ دارد

عہد کردم کہ بے توقعِ خواستؑ — در تو آموزم ایں ہنر کہ مراست

کار فرما چو عہد محکم کرد — کار دانشؑ بکار محرم کرد

در وے آموخت آں فسوں سازی — تاش بازی نمود جاں بازی

پس زد انشش بآزموں آمد — جیفہ جست و در فسوں آمد

بفسوں جانِ خویش در وی بست — ایں زپا او فتاد و او بنشست

سخنے گفت و جا بنے برگشت — کاز موشش بصدق با درگشت

پس دُرِ خود بدُرجؑ باز نہاد — دیدہ بر پائے سحر ساز نہاد

راہرو رفت و شاہِ دولتمند — داشت پوشیدہ رازِ خود یک چند

پس باندیشہ گفت با دلِ خویش — کہ چہ حاصل مرا ز حاصلِ خویش

چوں ز من بہرہ بکس نرسد — نفسے سوئے ہم نفس نرسد

شمع باشد ہنر کہ چوں افروخت — زاں یکے صد چراغ بتواں سوخت

حیف باشد کہ اینچنیں ہنرم — کس نیاموزد و بخاک برم

تا بوقتے کہ دل نماند صبور — راز بیروں فگند با دستورؑ

چند گہ ایں خیال می سنجید — ویں ہنر در دلش نمی گنجید

لہ رے ہر کہ ۲ہ حرص = برآں ۳ہ مراد از خواست مال باشد ۱۲ ۴ہ ضمیر شین راجع بسوئے شاہ ۱۲ ۵ہ یعنی باز جان خود در جسد خود آورد ۱۲ ۶ہ وزیر ۱۲

در دو سه آموخت رمزِ جانیِ خویش	خاص کردش بر مزدانیِ خویش
روزی از قلبگاهِ نخچیر	دور ماندند بادشاه و وزیر
شاه صیدی به تیر کرد هلاک	خواست بندد بگوشهٔ فتراک
گفت دستورِ خارج اندیشه ق	کای هنرپرور و خردپیشه
صید مرده است و صیدگه خالی	سیمیائی نما بمن حالی
شه ندانسته بود کان بدعهد	در نهان برخلاف دارد جهد
او شد از قالبِ گرامی دور	گرم در شد بقالبش دستور
بر فرس جست و راه پیش گرفت	دامنِ اختیارِ خویش گرفت
لشکر از هر طرف فراز آمد	شاد و خندان بخانه باز آمد
در حرم رفت و کامرانی کرد	با بتی چند هر چه دانی کرد
بر صنم کاندران شبستان بود	خدمتش را چو زیر دستان بود
جز یکی نازنینِ کارآگاه	کآگهی داشت از حکایتِ شاه
ساز کردی چو شه عزیمتِ خویش	آن صنم حاضر آمدی در پیش
رفت چون سوی آن حرم دستور ق	تا خورد آبِ کوثر از لبِ حور
بنشاطِ تمام با بانو	بر سرِ تخت گشت هم زانو
بی ادب وار بر دو سویش دست	صنم از جای خویشتن برجست

ن س = صیدگاه، [illegible]

ہم بھنجار کارِ او دریافت	کآن خزانہ متاعِ دیگر یافت
خواجہ چندانکہ بیش زاری کرد	دل با نوکم استواری کرد
گفت گر خوں فشانی از تنِ من	نرسد دستِ تو بدامنِ من
لیک چندے صبور باید بود	تا چہ پیدا کند سپہرِ کبود
گر بدانم کہ تو ہماں شاہی	با تو باشم چنانکہ می خواہی
ور تو افسونِ او بروبستی	دستِ خود باز کش زہمدستی
گر بنظارہ می شوی خرسند	بس بود سایۂ ز سروِ بلند
ور برآہو زنی طپانچۂ شیر	جفتِ من آتش ست یا شمشیر
چوں نگہ کرد خواجہ کاں مہ روے	ہست صادق بحق گزاریِ شوے
آفریں صد ہزار بروے خواند	ہم بنچشمے زدور قانع ماند
واں طرف آہوے بیا بانی[1] گرد	راند باآہوانِ دشت نورد
جست میزد بہر چراخواری	درجگر سوز و در دل آزاری
گردِ ہر کوہ و دشت و ویرانی	ہیچ خوردش نہ جز پشیمانی
روزے اندر سوادِ صحرا ئے	پویہ میزد چوبے سروپائے
دید افتادہ طوطئے بگذر	سبز تر درمیانِ سبزۂ تر
گرم زآہونہادبیروں پاے	ساخت اندر نہادِ طوطی جاے

---

[1] اے پادشاہ کہ در کالبد آہو بود ۱۲

جانِ شیریں بداں شکر خا داد — خضرے را دمِ مسیحا داد

در ہوا رفت و گشت در پرواز — تا شود سوے شہرِ خویش فراز

فوجے از طوطیانِ ذَت گراے — گرد گشتند بر وے از ہر جاے

چوں بدانش بزرگ دیدندش — بر سرِ خویش برگزیدندش[۱]

صید سازے بروضۂ چو بہشت — دامے افگندہ بود بر سرِ کشت

فوجِ طوطی بسبزہ شد ز ہوا — سبزہ بر سبزہ[۲] برکشید نوا

آگہی شاں نبود تا صیاد — رشتۂ دام را شکنجہ نہاد

بود صیاد تشنہ در تف[۳] و تاب — آب جویاں بجوے رفت چو آب

داد مرغِ مہیں بیاراں پند — کہ نمی بینم ایمنے زیں بند

زیں گزندی کہ راہ در جاں یافت — جز بمردن خلاص نتواں یافت

صید گر[۴] تا بخونِ صید نتاخت — خویش را زود مردہ باید ساخت

پیش ازاں باید اینچنیں مردن — بو کہ زیں فتنہ جاں تواں بردن

ہمہ گفتند کانچہ فرمائی — کردنی شد بجان و بینائی

گفت تو حرزِ جانِ خویش کنیم — گر نمیریم چشم پیش کنیم[۵]

ہمہ خفتند و مرغِ کارگزار — ماند بر پاسِ کارِ خود بیدار

مردِ صیاد چوں رسید فراز ق — تا سرِ دام را کشاید باز

---

[۱] یعنی افسر و بادشاہ خود کردند ۱۲ [۲] [illegible] [۳] حرص [illegible] [۴] صیاد ۱۲
[۵] یعنی ہمچو مردگان چشم بند کنیم تا [illegible] پیدا کرد ۱۲

دید کز صد خضر کہ پنہاں داشت — یک خضر بود کآبِ[1] حیواں داشت

ماند حیراں کہ ایں چہ شاید بود — گر از خود ہراسِ شاں بہ بود

دام را باز کرد و ریخت برول — طوطیاں را بخاکِ طوطی گول

بر پریدند مردگاں بہوا — زندہ[2] از دام برکشید نوا

گفت صیاد را کہ دل خوش دار — زیں زیاں سینہ ناشوش دار

ہر چہ حاصل شدی از ایشانت — من بہ تنہا دہم دو چندانت

طوطیِ داں مرا بدا[3]نائی — کہ کنم[4] در سخن شکرخائی

طوطیاں گر شکر خورند و نبات — خضرم من کہ ریزم آبحیات

مرد چوں گوش کرد گفتارش — خیرہ ماند از شگرفیِ کارش

دام بر دوش کرد و راند بشہر — تا ز بختِ خودش چہ باشد بہر

شد خراماں میانِ بازاری — تا کند تحفہ را خریداری

دید آمد میانۂ بازار — شاہدے ہمچو صد ہزار نگار

زلفِ مرغول[5] عنبر آلودہ — ہندو[6] آسا بگل درآمودہ

نرگسش از کرشمہ شور انگیز — کشتۂ عشاق را بغمزۂ تیز

ناگہاں در رسید تیز آہنگ — پس بصراف زادۂ زد بچنگ

---

[1] آب حیواں داشتن زندہ ماندن ۱۲ [2] اے بادشاہ کہ در قالب طوطی بود ۱۲

[3] رجب = بگویائی [4] حرس = کند [5] مرغول بروزن مقبول یعنی پیچ و تاب موئے پیچیدہ ۱۲

[6] جب = ہمچو ہندو

گفت دیدم من امشب اندر خواب   با تو خوش بوده‌ام بنقل و شراب

با من اندر نشاط جان افروز   همه شب کام رانده تا روز

با چنین نیکوئی که من دارم   مزد شب شد هزار دینارم

گر بعذر دهی کرم دانم   ورنه من خود بعنف بستانم

چون ازینسان بی فسون آورد   پور صراف را زبون آورد

بزد آن شوخ چنگ در دامن   خلق گرد آمده به پیرامن

باز میگفت هر یک از کم و بیش   سخنی بر قیاس دانش خویش

سخنی کس چنان نداشت درست   که شود دعوی محال گسست

ماند زان گونه در عجب صیاد   که ز صید خودش نیامد یاد

تیز شد طوطی هنر پرداز   داد صیاد خویش را آواز

گفت کان هر دو را بسوی من آر   تا بآسانی آید این دشوار

مرد صیاد کان حدیث شنود   هر دو را خواند پیش طوطی زود

در دویدند هر دو مشغله ساز   باز گفتند پیش طوطی راز

گفت گر هر دو سوی باشد عهد   که ز انصاف نگذرند بجهد

ماجرا را چنان شوم دستور[6]   کین غبار از میانه گردد دور

---

۱ بجب = گرانی   ۲ س = از تو بزور   ۳ جب = زن کز زنان   ۴ ے = ماجرو باجواب کرده   ۵ بجب = جره   ۶ دستور یعنی ضابطه و آئین یعنی انصاف این مقدمه چنان بآئین کنم

شرط و پیمان درست شد ز دو سوی | که کس از گفتِ او نتابد روی

طوطی آورد روسے در صراف | گفت ہاں بدرۂ درم بشگاف

بر شمار آں قدر که می گوید | تا چنانش دہم که می جوید

چار و نا چار مردِ سیم گذار | بدره را باز کرد بہرِ شمار

او درم ریخت از پئے تسلیم | سیمبر خواست تا رُباید سیم

گفت طوطی که ایں سخن نہ رواست | باید آئینهٔ که گوید راست

کانچه من دارم اندریں سینه | نیست اُستادِ من جز آئینه

داشت آں رشکِ خانهٔ جمشید[۲] | با خود آئینهٔ به از خورشید

در زماں بہرِ آں معائنه را | پیشِ طوطی نہاد آئینه را

مرغ گفت آنچه سیمبر درخواست | بر شمارید پیشِ آئینه راست

چوں درم جمله در شمار آمد | عکس در آئینه بکار آمد

کرد اشارت بماہِ شکّر وش | که زر اینک در آئینه است بکش

کاں عمل کز خیال گشت درست | مزد نیز از خیال باید جست

زیں تحکّم که کرد طوطی ساز | ماند حیران نگارِ شعبده باز

در تماشاش خلق پشت به پشت[۳] | لب گزیدند گاه گاه انگشت

گشت نظّارگی چناں بسیار | کز خریدار تنگ شد بازار

---

۱ حرس - قبله ۲ قبله جمشید کنایه از آتش و اینجا مراد ازاں زن شعله رو ۱۲

۳ انبوه خلایق که صف بصف و پس و پیش ایستاده باشد ۱۲

تا زِ صیاد هرچه افزون بُود　　نرخِ مرغ از قیاس بیرون بُود

تا خبر شد بشهر کوی بکوی　　زان شکرخای مرغِ شیرین گوی

حرمِ شه که بود با دلِ ریش　　در وفاداریِ مسافرِ خویش

میگذشتش بکنجِ تنهائی　　روزگاری بنا شکیبائی

غم همیخوار و غمگسار نداشت　　مونسی جز خیالِ یار نداشت

چون خبر یافت کز نوادرِ دهر　　اینچنین مرغ آمده است بشهر

کرد اشارت که خادمانِ حضور　　زود نزدیکش آورند از دور

تا در آن بیدلی و بی‌ننگی　　مونسی باشدش بدل تنگی

پیشوایان شتافتند چو باد　　تا ستانند طوطی از صیاد

نقد قیمت بکف نهادندش　　زانچه میخواست بیش دادندش

آوریدند بهرِ دستانی　　طوطی را بشکرستانی

با نوش پرسشی نمود و بگفت　　او دُر افشاند و این گهر می‌سفت

با شکر لب بصد دل انگیزی　　کرد شیرینی و شکرریزی

قفسش ساخت با نواز زرِ ناب　　پس در آویختش بحجرهٔ خواب

چون شدی زانده فراق ملول　　خویش را داشتی بدو مشغول

او بصد لابه در شدیش بدوست　　رفتی از وی غبارِ دوریِ دوست

ٹ حب ۔ شمار

بامدادے زسازگاریِ بخت — بود تنہا عروس بر سرِ تخت

ہمچو خورشید تافتہ رویش — سایۂ ہم نبود پہلویش

مرغِ زیرک چو دید جا خالی — کرد پیدا نہانِ خود حالی

آفتے کز سریر گردش دور — قصۂ خویش و فتنۂ دستور

واں گرفتن بجرمِ آہو جاے — سبزہ بر سبزہ گشتن آہو پاے

واں پریدن بدشت پیمائی — در صفِ طوطیانِ صحرائی

واں گزیدن بدامِ صید گراں — بندِ خویش و رہائیِ دگراں

واں در آئینہ وانمودنِ کار — سیم را کردنی بعکس شمار

تا بدانجا کہ بختش آخبا برد — کہ دلش در سرِ تماشا برد

نازنیں چوں شنید گفتارش — خوں چکید از مژہ بر خسارش

خاست از پیش گاہِ تخت چو باد — بوسہ بر دست و پاے طوطی داد

گفت کاے ہمنشینِ دیرینہ — مرہمِ درد و راحتِ سینہ

ہیچ دانی کہ چند بُردم رنج — تا زرویت شدم سعادت سنج

ویں زماں کہ بامن ست نشست — نیز گوئی کہ نیستی در دست

جفتِ ہر یک بجنسِ وے باشد — آدمی جفتِ مرغ کے باشد

لہ ن س = تمنا   ٹہ ن س = دیدم   سہ اے ایں وقت کہ بامن نشستہ نیز گویا در دست من نیستی چراکہ تو در صورت طائر و من بصورت انسان ہستم ازیں سبب اکنوں ہم ہاں جدائیست ۱۲

کہ ن س = جنس

مرغ گفت آن درے[1] که دشمن بست — غم مخور کآن کلید نیزم[2] هست

چاره آن شد که از دمِ تزویر — خویشتن را دهی برای وزیر

گوئی او را که هرچه داری کام — بیکی شرط از آنِ تست تمام

آنکه جانِ عزیز هر زمنے — چون همی ریزی از تنے به تنے

زین فسون دم دهی به انسانش — که برآری ز کالبد جانش

قالب مرده پیشش اندازی — تا شود همدمش بدمسازی

او چو بیرون رود ز خانهٔ خویش — من درآیم[3] در آشیانهٔ خویش

نازنین کین نوید جانی یافت — مرده گوئی که زندگانی یافت

چون درآمد بوقتِ خود دستور — تا کند ماه را نظاره ز دور

خاست سروِ روان ز گوشهٔ تخت — جاے دادش بنزدِ خویش چو بخت

گفت دستور خیره هست که دوست — با من امروز مغز گشت بپوست

بچه خدمت چنیں بلند شدم — که بدرگاهت ارجمند شدم

گر ز سیما نگارِ حیلت جوے — به تکلف چو شرمساران روے

گفت بنود کنون قرار مرا — کاذبت[4] کرد شرمسار مرا

باز دیدم بدانشش آگاهی — روشنم شد که تو همان شاهی

لیک یک آزمون دگر دارم — تا ز دل زنگِ شبهه بردارم

---

[1] حرس = درم ... [illegible] ... آشیانه

[2] کاه است یعنی او ... [illegible]

آزمون آنکه آں مسافرِ چیست — داشت افسونِ نقلِ روح درست

بفسونے زخود بروں رفتی — در دگر کالبد دروں رفتی

آنچه بایستی اندرو بودی — بازره سوے خانه نمودی

گر زتو بینم آں چناں ہنرے — تو شہی خاک بر سرِ دگرے

من ہماں بنده ام بجانِ عزیز — خواہیم جفت ساز و خواه کنیز

خواجه کش در دل ایں تمنا بود — کارزومند یک تماشا بود

چوں کلیدِ خزانه یافت بچنگ — از پئے گنجِ سیم شد بے سنگ

پاسخش داد کانچه فرمان ست — راضیم گرچه حکم بر جان ست

چه متاع ست جانِ خاک وشم — کز دل و دیده پیشِ تو نکشم

با تو کو را ہوائے دمسازی ست — بازیِ جانش کمتریں بازی ست

گو بیارند زود جانورے — تا نمایم نظارهٔ ہنرے

نازنیں جست خود و دید چو باد — مرغ آورد و پیشِ خواجه نہاد

خواجه کشتش و لے بہنجاری — کہ نیاید بقالب آزارے

وانگہه آہسته در فسوں آمد — بفسوں از جسد بروں آمد

رفت در مرغ و مرغ جست زجاے — تن بیجاں در او فتاد زپاے

چوں تہی دید شاه قالبِ خویش — سبک آمد فرو زمرکبِ خویش

رفت در ہفت[۱] منظرِ جانی — پنج نوبت زناں بسلطانی

[۱] ہفت اندام ۱۲

درزماں مرغ رابخنجر کشت | کشتہ را ہیں کہ بارِ دیگر گشت
جفتِ خود را درآں وفاداری | کرد چوں مخلصاں ہواداری
بس گرامیش کرد مہر افزود | زاں گرامی ترش کہ اوّل بود
قدرِ او آنچہ داشت افزوں کرد | دیگراں را ز خانہ بیروں کرد
بعد ازاں زاں وفا کہ داشت بدوست | طوطیاں را گرفت در دل دوست
کرد حکمت بطوطیاں تسلیم | سکۂ طوطیاں نہاد بسیم
چند طوطی ہمیشہ با خود داشت | خویشتن را ز جنسِ شاں پنداشت
کرد چوں طوطیانِ بستانی | پائے تا سر لباسِ ریحانی
سبز ریحانی است رنگے نغز | داد بینندہ را طراوتِ مغز
سبزہ در باغ رنگِ ریحاں یافت | دیدہ از سبزہ روشنی زاں یافت
شاخِ ریحاں طرازِ نسرین ست | باغ را زیور از ریاحین ست
گلعذارے کہ خار خارِ دل ست | خطِ ریحانیش بہارِ دل ست
چوں صنم مست کرد پنہانی | شاہ را زاں شرابِ ریحانی
شہ فروخفت و یارِ زیبا ہم | ہمچو ریحان و یاسمن باہم

گلگشتِ بہرام روز سہ شنبہ سوی بہشتِ پنجم و گل افشاندن در گنبدِ گلناری با گلعذاران تاتاری گلاب گوں کردہ از بلبلہ نوش کردن

در سہ شنبہ کہ صبحِ لعل و سپید　ق　رنگِ گلنار بست بر خورشید

شاہِ بہرامِ گور چوں بہرام[1]　گشت گلنار گوں بجامہ و جام

عزمِ گنبد سرائے گلگوں کرد　وز دل اندوہِ دہر بیروں کرد

لعبتِ تنگ چشمِ تاتاری　آمد از غمزہ در جگر خواری

بر میاں سپت کرد گیسوے تر　موی[2] را ہم ز موی ساخت کمر

خدمتِ شہ بآرزو میکرد　شاہ میدید و آرزو می خورد

ہمہ روز آں طرب مہیا بود　کشتیِ بادہ ہمچو دریا بود

شب چو پروین نمای گشت سپہر　ماہ بر خویش بست زیورِ مہر

داد فرماں خدایگانِ سریر　کآید آں ماہ روی در تقریر

بفسوں دُر فسانہ چو نبات　مغزِ شہ تر کند بآبِ حیات

سجدۂ بندگی نمود عروس　کرد طوطیِ لب چو خونِ خروس

گفت جاوید زی بدولت و بخت　زیرپایت ہمیشہ پایۂ تخت

ہر کہ گرد از دوستیِ تو پاک　باد در پاے دوستانِ تو خاک

چہ بضاعت مرا بود در بار　کہ کشم پیشِ شاہِ گیتی دار

لیک چوں شاہ داد دستوری　وا کشایم دمے بمعذوری

---

[1] بہرام یعنی مریخ کہ سرخ بر فلک پنجم تابد ۱۲

[2] مراد، ز موے اول کمر و از ثانی موے زلف وا زکمر کمر بند کہ بہندی آزاربند نامند ۱۲

ن: حجب ـ و　ن: ن چشم

کرد چوں عذرخواہی از حد بیش ق گفت وقتے ز وقتہا زیں پیش

غنچہ کشادنِ بہارِ گلرو از بادہای خوش و بلبل وار افسانۂ عاشقانہ گفتن

پنج یارِ ہنرشناس و جواں   از حدِ مولتاں شدند رواں

زاں یکے بود بادشہ زادہ   از بزرگی بخودی افتادہ

پورِ بازارگاں دوم آں دگرے   مایہ بیش و قماش بیشترے

سومیں بود نقب گیری چست   کاہنش بیخِ کوہ کردی سست

شخصِ چارم درو دگر اُستاد   موشگافے بہ تیشۂ فولاد

پنجمیں بود باغبانِ شگرف   کہ بگل یافتے حکایت و حرف

پورِ بازارگاں ملطف و نواخت   گاہ بیگاہ برگِ شاں میساخت

ہمہ باہم موافق و دمساز   در حدِ کامرو[۴] شدند فراز

کارداں زاں زمینِ مشک سرشت   سوی شہرے گذشت ہمچو بہشت

در سوادے بتازگی چو بہار   خیمہ برکرد کارواں سالار

واں جوانانِ نغزگام بگام   می نمودند گردِ شہر خرام

بتماشاے باغ و سبزہ و جوی   قدمے میزدند سوے بسوے

[illegible] بنگالہ ۱۲

تا تماشا کناں درآں پروانہ | سوی بتخانہ شدند فرزانہ

منظرے بود برکشیدہ بلند | چشم بندِ ہزار صورت بند

نقشبندانِ بازوے فرہنگ | نقشِ مانی تراش کردہ ز[1] سنگ

ہر نگارے چناں بزیبائی | کہ درو خیرہ گشت بینائی

نقش بیناں کزاں طرف راندند | در تماشاے او فرو ماندند

زاں ہمہ نقش ہائے جاں آویز | گشت در پیکرے نظرہا تیز

کہ بحسن از قیاس بیروں بود | وز دگرہا بصنعت افزوں بود

از نگارے نمونہ پیکرِ او | کامرانی[2] نوشتہ بر سرِ او

بت کزاں ماہ روشنائی داشت | ماہ رو نام کامرانی داشت

در زبانہاے ہنداں بہ سخن | کام[3] عشق آمدہ است رانی زن

در تماشاے او[4] بہ زیبائی | خیرہ می گشت نورِ بینائی

چشمِ بینندگاں درآں پرکار | ماند حیراں چو صورتِ دیوار

بیخودی در دماغِ شاں رہ یافت | عاشقی دستِ صبر کوتہ یافت

ہیچ دل گرچہ بے غبار نہ بود | لیک شہزادہ را قرار نہ بود

زلفِ شب تا حجابِ نور نگشت | چشمِ او زاں نظارہ دور نگشت

---

[1] ب = بسنگ ۔ [2] بر سرِ آں بت سنگی لفظ کامرانی نوشتہ بود ۱۲

[3] یعنی بزبان ہنداں کام عشق را و رانی زن را می گویند ۱۲

[4] حب = ز

شب چو بتخانهٔ سپهر کبود | صد هزاران[1] بت از هوا بنمود
خواستند آن مسافران ملول | که خرامان شوند سوئے نزول
همه را دل بسوئے منزل بود | جز ملک زاده را که بیدل بود
گفت ما را شد اختیار ز دست | وائے دستے که رفت کار ز دست
نقش این سنگ دل ز دستم برد | شد برین سنگ شیشهٔ من خرد
تا نیفتاد[2] جان من به زوال | جان من بعد ازین واین تمثال
یا درین نقش گم شود نفسم | یا بپیکار[3] اصل باز رسم
همرهان زین حدیث بی سر و پائے | بی سر و پا شدند هم بر جائے
پند دادند و جائے پند نبود | هر چه گفتند سودمند نبود
عاشقی چون ز دل برآرد جوش | در نگنجد نصیحت اندر گوش
همه زان داوری زبون ماندند | واندران بقعه شب درون ماندند
وان گرفتار سنگ با دلِ تنگ | چشم بر هم نزد چو لعبتِ سنگ
صبح چون پرده بر جهان بدرید | جامه بر خود چو عاشقان بدرید
ماند عاشق ز خوردنی بے بہر | همنشینان روان شدند بشهر
تا بجویند کاروانے چست | کین گره را کلید داند جست
کوئی بر کوئی میشد نشتاب | سینه پر آتش و دو دیده پر آب

---

[1] انجمہائے فلک [illegible]
[2] [illegible] یعنی [illegible]
[3] حاصل بیت اینکه [illegible]

آں چناں شہر چوں بہارستاں | نزدِ شاں می نمود خارستاں
ازکساں بازجُست می کردند | رازِ صورت درست می کردند
تا درآں جستجو کہن پیرے | دادشاں راکلیدِ تدبیرے
گفت کاں صورتِ چو گلشنِ تر | کہ چو لالہ زسنگ بر زدہ سر
نازنینِ ایں شہر ست | کز خش چشمِ خلق بے بہرست
غرفہ کردہ انداز یک چوب | ہم زآسیب دور ہم زآشوب
او درآں عہدِ آسماں پیوند | چوں ستارہ برآسمانِ بلند
کس نہ پہلوی آں بہشتی روی | جز کنیزے دونا رسید وبشوی
چوں ملک فارغ آید ازہمہ کار | عیش را زدباں نہد بحصار
قلعہ گیرد بتِ حصارے را | گل چیند باغِ نوبہارے را
بادہ نوشد نشاط فرماید | خُسپد وخیزد وفرود آید
گل فروشے ست زینتہ شاہ | کہ رود سوی آں چمن گہہ گاہ
گل بردپیشِ سرو بنشیند | گلِ دیگر زباغ بر چیند
رازِ ایں پردہ زآشکار ونہفت | داند امّا بروں نیارد گفت
گر بود درہ بآشنائیِ او | او بردرہ بروشنائیِ او

۱؎ حجب = پیش شاں   ۲؎ تلاش وتفحص ۱۲   ۳؎ ایں جاازنسخہ مرادنقل تصویر شاہزادی ۱۲
۴؎ حجب = بر   ۵؎ اے تنگ در بغل می گیرد ۱۲

آن جوانان برہمنوی پیر — باز جستند رخنهٔ تدبیر

پرس پرسان برو فراز شدند — چاره جویان بچاره ساز شدند

در نہان با وی آشنا گشتند — پس بدنبالِ ماجرا گشتند

پور بازارگان چنانکہ توان — سیم و زر ریخت ہمچو آبِ روان

گل فروش از عطای رو در رو — برگ چون گل نهاده تو بر تو

چون پدید گشت شان کہ پنہانی — بنده شد زال زان زرافشانی

باغبان زادهٔ ہنر پیوند — بُنه[۱] در باغِ گل فروش افگند

او ہمہ روز گل بگل جستی — وز پی زبہر نظاره بنشستی

گل فروش آن بہا زمین بردی — گلشنے پیش یاسمین بردی

آن ہنر گرچہ بود از حدِ بیش — ز بیرون نهادی از حدِ خویش

تا یکے روز فرصتی دریافت — از پے گل نمونهٔ[۲] بربست

ہر خطے زان نمونهٔ زیبا — نقش در نقش بست چون دیبا

و زیں تحفهٔ جہان افروز — برد آنجا کہ میشدی[۳] ہر روز

گل فروش آن بسرو بستان برد — گلستانے سوئے گلستان برد

چون کہ آن نوبہارِ باغِ جنان — صنعتِ گل ندیده بود چنان

---

۱ بنه بمعنی درخت و بیخ درخت ۱۲ — ۲ یعنی گل دست ساخته ۱۲

۳ طیار شود ۱۲

در تماشاے آں زبر تا زیر   ماند انگشت در دہن تا دیر
پس بدو گفت کیں نگارش چیست   نیست زانہا کہ کردۂ بخت است
زانکہ زینگونہ دستکارِ عزیز   از تو ناید نہ ز ہیچ مردم نیز
کیست کیں گل نگار کردۂ اوست   چیست رازی کہ آں بپردۂ اوست
پیرزن گفت کار کارِ من ست   ویں گلستاں ہم از بہارِ من ست
از گلے گلشنے کنم در خورد   بجز از من دگر کہ داند کرد
نازنیں گفت اگر زتست ایں ساز   تو بکن پیشِ ما آنچہ کردی باز
کارہا چوں بآزموں آمد   کار پرداز زاں زبوں آمد
گفت کز راستی چو نیست گزیر   راستی را بروں دہم ز ضمیر
میہمانِ من ست برنائے   بغریبے رسید از جائے
ہنرش از شمار بیشتر ست   ویں کہ بینی فروتریں ہنر ست
بمروت نگارِ شکر خند   ریخت در دامنش درستی[1] چند
گفت چوں رہ بری بیاریِ او   ایں دہی مزدِ دستکاریِ او
پیرزن بازگشت خورم و شاد   دستِ مزدِ ہنر جواں را داد
سینۂ باغباں چو گل بشگفت   رفت و ایں ماجرا بیاراں گفت
آں وفا پرورانِ با فرہنگ   چوں سرِ رشتہ یافتند بچنگ

---

[1] درست بضمتین بمعنی اشرفی ۱۲

خلوتے ساختند و شب کردند — مادرِ پیسر را طلب کردند

اوّل از زر دهانش بر بستند — بعد ازاں مهرِ راز بشکستند

بیش و کم هرچه بود در دلِ ریش — باز گفتند یک یک از کم و بیش

بتِ سنگین و عاشقِ بے ننگ — قصهٔ دردمندیِ دلِ تنگ

پیرزن کین حدیث کرد بگوش — آمد از بیم خویش اندر جوش

گفت لب زیں سخن بباید دوخت — دل بسودای خام نتواں سوخت

گنبدے کاندراں بتِ سنگ ست — غلغلش تا هزار فرسنگ ست

کس دراں[١١] سنگ یکدمی ننشست — که نیاید بزیرِ سنگش دست

واں بتِ[١٢] سیم کش ندید کسے — سنگدل تر ازاں بت ست بسے

ریخت صد خونِ بیدلاں بهوس — که فسوسے نیامدش برکس

هرکه گیرد درونِ شهرش نام — در زمانش زباں کشند زکام

سخنے کز خطاست پیوندش — نیک بنو و کشادن از بندش

آں جواناں دگر بصد زاری — تازه کردند رسمِ دلداری

ریختندش خزانهٔ بکنار — بیشتر زانچه بود اوّل بار

گل فروش از جہاں نوازشِ گرم — سرنگوں ماند چوں بنفشه ز شرم

---

[١١] جب = بداں [١٢] یعنی آں معشوقه که هنوز کسے او را ندیده از تصویرِ سنگیِ خویش سنگدل و سخت تر است ۱۲

گفت من کز برای نیم دانگ | گرد هر کوی میزنم گلبانگ
لطفِ تان[1] مایه داد چندانم | که عدو گردنش نمی دانم
چون نوازش ز حد فزون آمد | شکرِ آں ہم ز حد بروں آمد
بہ ز آں کاریں عطا ستدم | جاں فشانم کہ خوں بہا ستدم
گر برآید و گر نیاید کار | من یکے از شما شدم ناچار
یا درآرم سرش بچنبرِ خویش | یا ز چنبر بروں کنم سرِ خویش
باغباں گفت گر پذیری بہت | از توام نیست بیش ازیں درخواست
کآنچہ گل می بری بسروِ بلند | صنعتِ دستِ من بدو پیوند
تحفۂ من بدو فراز رساں | ہر چہ گوید بیا و باز رساں
پیرزن گفت کیں حدیث کہ بود | تو چہ فرمائیم کہ او فرمود
باماداں کہ گل بباغ شگفت | غنچہ بیدار[2] گشت و نرگس خفت
گل طلب کرد مرد گل پیرائے | شد ز گلدستہ بند نافہ کشائے
کرد از گل نموئہ پر کار[3] | نقشِ آں بت کہ دیدہ بر دیوار
نامِ او تیر بر سرش بربافت | نقش و عنواں بنامہ درخور یافت
پس فسونے بر و دمید چناں | کہ نیش ز دست بردعناں

---

[1] تاں یعنی شما ۱۲ [2] مراد از بیداری غنچہ طلوع آفتاب و از خفتن نرگس غروب ماہتاب و ستارگان ۱۲ [3] نغز و خوب ۱۲

تحفه چون شد بماه تحفه شناس　　حیرتش باز شد برون ز قیاس

نقشِ خود دید و نام خود برخواند　　در خود و نامِ خویش حیران ماند

در دماغش چو راه یافت نسیم　　گشت جانش ز عاشقی به دو نیم

شورشے در دلش درون اُفتاد　　دلش از خویشتن برون اُفتاد

گفت با گل فروشِ مہرآمیز　　کاے ہمہ صنعتِ تو مہرانگیز

چہ گل ست این کہ دل ز دستم برد　　تیرِ اندیشہ را ز شستم برد

آنکہ بست این نمونہ برگلِ نو　　کرد جانم بدستِ فتنہ گرو

یکرہ اینجا رسان بہنجارش　　تا تماشا کنم بدیدارش

پیرزن گرم دید چون بازار　　مرہمے تازہ یافت بر آزار

با پری وش زبان بافسون کرد　　واں سخن را سخن دگرگون کرد

گفت کای آفتابِ دلخواہاں　　ق　آرزومندِ روی تو شاہاں

کے سزد چون تو دلربائے را　　کہ برد نامِ ہر گدائے را

نازنین را کہ دل قرار نداشت　　این سخن را جوابے بکار نداشت

پیرزن ہرچہ می‌نمود گریز　　روغنے میزدش بر آتشِ تیز

تا بدان شعلہاے دم پرورد　　پختہ گرد آنچنانکہ باید کرد

پس بہ پیمان و عہدِ محکم و چست　　گفت رازِ نہفتہ را بدرست

ز تجب ... آزمون

حالِ بے تشنگی دو سہ ہمہ ست ماجرائے غریبِ تشنگ پرست

کا تشے جست سو بسوزاں تنگ کہ زدودش بسوخت سد فرنگ

شعلہ زد در آں جواں افتاد کہ شرارش درایں وآں افتاد

تو توانی بپاسخے چو نبات کا تشے را کشی بآبِ حیات

پاسخش داد ماہِ سیم اندام ق کای چو من آہوے گرفتہ بدام

بس ہزبراں کہ شیر نخچیر ند بردِ من چو سگ ہمی میرند

پیش ازاں کز دماغِ سودائی پردۂ بالا کنم برسوائی

پردہ ساز کن دریں مستی بو کہ دستے زنم بہمدستی

پیرزن زیں نوائے سینہ نواز پائے کوباں بجانہ آمد باز

مژدۂ خوشدلی بیاراں داد بر سرِ کشتِ خشک باراں داد

ہر یکے شادمانیِ نو یافت پیرزن خود جوانیِ نو یافت

باز باہم بچارہ پردازی ساز کردند رسمِ دمسازی

ہمہ گفتند پیشِ مادر پیر ق آنچہ انگیختش نبود گزیر

کز متاع وخزینہ واسباب ۲ وز ہنر ہر چہ باید از ہمہ باب

ہمہ داریم تا بداں مقدار ۳ کز وے آساں شود ہمہ دشوار

لیکن ار دوست بارضا باشد ۴ واندریں کار یارِ ما باشد

لہ اے آتشِ عشق را بآب وصال کشی ۱۲ سلہ پردہ بالا کردن فاش نمودن ۱۲
لہ نسخہ ۲۰

نکند قصدِ ما بحیله گری ٭ پرده پوشی کند نه پرده دری
پیرزن باز شد بپا نوزود ٭ گفتنی هرچه بود گفت وشنود
چوں بناہائے عہد محکم کرد ٭ وز دل آشوبِ فتنہ را کم کرد
بازگشت و دل از سخن پرداخت ٭ گفت سازید ہرچہ باید ساخت
میہماناں ز مہربانیِ دوست ٭ برشگفتند ہمچو گل در پوست
شب فراہم شدند روے بروے ٭ مشورت ساختند موے بموے
باز گفتند ہر یکے کم و بیش ٭ ہنرِ خود بقدرِ دانشِ خویش
باغباں گفت کز دلِ دمساز ٭ ہرچہ میداشتم نمودم باز
وآنچہ دیگر دہید فرمانم ٭ کنم آں ہم چنانکہ بتوانم
نقب زن گفت خاک اہنفت ٭ ق ٭ زیر زیر آنچناں توانم سُفت
کاں ستونے کہ سر کشیدہ بماہ ٭ در تہِ آں ستوں کشایم راہ
تیشہ زن رو بنقب گیر آورد ٭ شرح داد آنچہ در ضمیر آورد
گفت اگر نقبِ تو رسد بستوں ٭ بر ستوں من روم بحیلہ درون
گفت بازارگانِ دریا دل ٭ ق ٭ کہ چو مارا یکی ست دل با دل
از شما رنج بردن اندر کار ٭ وز من افشاندنِ زر و دینار
گر از بہرِ کار چیست کنیم ٭ سکۂ دوستی درست کنیم
یا ہمہ مال و جاں درو ٭ .... ۔ تا ہماں .... اند

هم بدیں اتفاق و رای صواب   شب نهادند سر بہ بالیں خواب

چوں زنقب زمیں بر آمد مہر   کرد بیروں سر از رواقِ سپہر

خاست بازارگاں بعزمِ درست   وز پئے کار کرد دامن چست

مدتے کارِ آب وگل پرداخت   واندراں کوئی[1] خانۂ نو ساخت

خاکش از بوی خوش[2] عبیر سرشت   صحنش از خرمی چو باغِ بہشت

گونہ گوں صفۂ گونہ گونہ رواق   تا فلک برکشیدہ طاق[3] بطاق

حجرہ در حجرہ بیت[4] اندر بیت   رازِ آں کس بروں نبرد کہ چیست

چوں عمارت بلند گشت تمام   کام جویاں شدند در پئے کام

دریکے حجرہ کاں درو نے بود   ق   راہِ او سوے رہنمونے[5] بود

نقب زن بازوے ہنر بکشاد   خانہ را در ببست و سر بکشاد

کرد رہ تا بجاے گاہ رسید   زیر زیرِ زمیں بماہ رسید

گِل پولادمی شگافت چناں   کز اندیشہ میرود عناں

تا رسانید نقب را بدرست   در ستونے کہ دست گہ می جست

داد نوبت بمردِ چوب تراش   تا کند چوب را درو نہ خراش

---

[1] اے در آن کوچہ کہ قریب ستون ماہرو بود یک مکان تعمیر ساخت ۱۲   [2] ج = گل

[3] طاق بطاق یعنی متعدد و متواسے ۱۲   [4] گویند کہ بیت در بیت نقشی ست کیمیا اثر واز عاملان کامل الفن کسے او را فہمیدا ندو راز او سر مکتوم ست بہمچنیں حجرہا دراں قصر نو قرار دادہ بود کہ ترکیب آن بفہم مردماں نمی آمد ۱۲

[5] اے راہ او سوے آں ستوں بودہ کہ مطلوب شاں بود ۱۲

رفت در رخنه تیشه زن حالی — تا بصنعت ستوں کند خالی

آهنِ تیز را بکار آورد — چوب را دل به خار خار آورد

نقش در مغزِ چوب زانساں بست — که بر آں گونه نقش نتواں بست

اوّل اندر ستوں کشاد درے — پس بهر تخته کرد نو هنرے

نردبانے دروں دروں تا بام — پایه بر پایه راست کرد تمام

چوں بداں پایه شد هنر پرداز — ق — که کشاید ز سقف روزنِ راز

بازگشت و ز حجره[1] بیروں راند — ماجرا پیشِ پیرزن برخواند

گفت رو پیشِ ماهِ سیمبراں — بیں که عهدی که کرده هست بر آں

گر بر آں گفته هست ثابت رائے — گو ز نامحرماں تهی کن جائے

تا کشائیم روزنِ مقصود — ورنه لب را به بند و باز آ زود

پیرزن رفت و شد مزاج شناس — وقت خوش دید و دور کرد هراس

چوں بناهاے عهد محکم بود — ق — وانکه در خانه بود محرم بود

لکدے زد بروے[2] روزن سخت — که کشاد از دروں دریچهٔ بخت

نازنیں چوں نگاه کرد ز بام[3] — آمد از زیر تیشه زن بسلام

پاسخش داد کای ز دانشِ خویش — ق — درخورِ صد هزار تحسیں بیش

با چنیں دستکاریِ که تراست — عذرِ دستت چگونه دانم خواست

---

[1] نسخه حفره [2] نسخه فراز [3] نسخه بارم

گرنہی دل بمہماسے[1] من ۔ بہرہ یابی زمیزبانے[1] من

در ہم صحبتاں گرائی باز ۔ من خود آیم بوقتِ خویش فراز

پاسخش داد مردِ شیریں کار ۔ ق کاے سمن عارض و شکر گفتار

گرچہ تو زاں کرم کہ می دانی ۲ میہمانِ خودم ہمیخوانی

لیک برچیں زدیگراں دامن ۳ کآشنائے تو دیگرست نہ من

چوں دو عاشق شوند باہم جفت ۔ من دعائے زدور خواہم گفت

ایں سخن گفت وباز گشت زپیش ۔ وآمد از رخنہ سوئے منزلِ خویش

تا زمیں کرد رخنہ را سرسخت ۔ برفرازش نہاد جامہ ورخت

پس زمیل درونہ[1] کرد رواں ۔ پیرزن را بسوے سروِ جواں

دادش انگشتریِ خاص زدست[2] ۔ کیں سلامم[3] رساں بعاشقِ مست

گومن امشب در انتظارِ تو ام ۔ دوست نا دیدہ ۔ دوستدارِ توام

اگر آئی[4] چو خواجگاں بکنیز ۔ بندہ ام پیشِ میہمانِ عزیز

گلفروشش از خوشی چو گل شگفت ۔ رفت وایں قصہ[5] را بیاراں گفت

---

[1] در فارسی میل دیرودن پیل میخ آہنی یا سی کہ بر سر گنبد نصب کنند یا منار کہ بجہت علامت فرسنگ در راہ سازند الا درین شعر از میل درونہ مراد آں راہ مخفی کہ در جوف ہمان ستون ساختہ بودہ ۱۲

[2] جب ۔ بدست ۔ [3] ح ۔ سلامے

[4] جب ۔ گربیائی ح ۔ گرگرائی

[5] جب ۔ ماجرا

سوئے عاشق دو دیدیارے زدُ | بُردش از دوست مژدۂ مقصود

چوں بگوشِ وے ایں سخن در شد | بے خبر بود بے خبر تر شد

ماند حیراں درآں حکایتِ نغز | جوشے از دل در او فتاد بمغز

خاست چوں بیدلانِ جاں داده [51] | دلِ دیوانہ را عناں داده

پائے کوباں بوجد وحال آمد | در نہاں خانۂ [52] وصال آمد

خانۂ دید چوں بہشتِ ارم | در و دہلیز و بارگاه و حرم

اولش سوئے حجرۂ بردند | در نوا سازیش پے افشردند

غسل دادندش از گلاب و عبیر | تازه کردند کسوتش زحریر

وانگہے ہرچہ بایداز ہمہ باب | پیش بردند نان و نقل و شراب

وآنطرف رفت پیرزن بنہفت | گفت بابانو آنچہ باید گفت

پیش [53] ازاں آں غزالِ مست [54] دلیر | خواب خرگوش داده بود بشیر

کہ ہمی خواہم از طریقِ نیاز | درِ طاعت زنم بہ پردۂ راز

امشب آں بہ کہ باشی از من دُور | در بوم دور داریم معذور

باورش داشت شاہِ ساده ضمیر | رفت و بگذاشت سرورا بہ سریر

شب چو با آسماں قرینی کرد ق | ماه با زہره ہمنشینی کرد

---

[51] اے عاشقان فدائی ۱۲ — [52] مراد از تعمیر و قصر نو ۱۲ — [53] جیب = پیش آں خود غزال

[54] مراد از غزال مست بانو و از شیر پادشاه یعنی پیش از آمدن پیرزن ماہرو پادشاه را از فریب جائے دیگر بخواب خوشش غافل کرده بود ۱۲

نازنیں باز کرد روزنِ خواب | تا ز روزن درآیدش مهتاب
نزد باں دُور کرد و دَر[۱] بابست | در پوشیده را کشاد و نشست
پاسے از شب چو برگذشت بدیر | در چراگاهِ آہو آمد شیر
دو مه[۲] از پرده روشنائی داد | دو دل از دوستی گوائی داد
آنکه نادیده دل بهم بستند | هر دو نادیده وار پیوستند
جانِ عاشق که روی جاناں دید | تشنه گوئی که آبِ حیواں دید
در کنار آنچناں کشیدش تنگ | که طبرخوں[۳] شدش نهالِ خدنگ
چاشنی خواست اوّل از می[۴] شیر | پس جدا کرد حلّه را ز حریر
پسته را بر شکر خراج نهاد | میل در سرمه دانِ عاج نهاد
همه شب تا بگاهِ بانگِ خروس | گردنِ شاه بود و زلفِ عروس
صبح چوں برکشاد روزنِ نور | شد ز هر روزنے سیاهی دور
ماندِ ماهِ چهارده در کاخ | اژدها باز رفت در سوراخ
روزِ دیگر که خانه شد خالی | عیشِ دوشینه تازه شد حالی
هم بر ینساں بوقتِ فرصتِ کار | گرم بود آں دو[۵] فتنه را بازار
گاه شه بر شدی بروزنِ ماه | گه مه از روزن آمدی سوی شاه

---

[۱] حجب = در بربست | [۲] دو مه یعنی ماہر دو شاہزاده ۱۲ | [۳] طبرخوں بید سرخ و درد ا ر
...چوبیت سرخ رنگ تلخ مزه و در مجموع اللغات و فردوس اللغات بمعنی صندل سرخ ۱۲ | [۴] از مے مراد
...لب و از شیر پستاں حاصل بیت اینکه بعد بوس و کنار از وصال محبوبه لذت اندوز شد ۱۲ | [۵] مراد از عاشق و معشوق ۱۲

چوں بدیں گونہ رفت روزے چند — گشت محکم دو دوست را پیوند

بادشاہزادہ گفت با یاراں — کآفریں بر شما وفاداراں

کز رہِ لطف ہر یکے آں کرد — کہ ہمہ عمر شرح نتواں کرد

پختہ گردید کارِ من چو تمام — باز کوشید تا نگردد خام

پیشتر زانکہ پردہ را بدریم — برویم و عروس را ببریم

گفت بازارگاں کہ دل خوش دار — جگرِ دشمناں بر آتش دار

ما کہ بہرِ ترا بچندیں جہد — پردہ بر ماہ برزدیم زمہد

تا ندانی دریں خجستہ سواد — رخت بندیم بے متاعِ مراد

نسزد نیز راے والا را — کہ بدزدی بریم کالا را

آں نکہ برزما بسردی نام — کہ بروانگی کنیم خرام

آشکارا نشاط گاہ کنیم — ماہ را میہمانِ شاہ کنیم

گنج را چوں بمار بنمائیم — مار مائیم [1] و گنج بربائیم

شب بدیں اتفاقِ خوش خفتند — روز را قصہ با صنم گفتند

نازنیں گفت آنچہ فرماں ست — کم از خود [2] حدیث برجاں ست

ماجرا چوں درست شد با ماہ — رفت بازارگاں بحضرتِ شاہ

برد ہر جنسِ قیمتی چنداں — کہ شہ انگشت ماند در دنداں

---

[1] اے بگذاریم ۱۲ [2] یعنی نزد من ست [illegible] باشد ۱۲

گفت چندیں متاعِ گوہر و گنج ق کہ نیاید بوہم گوہر سنج

پیشکش کردن از برای چراست خواست باید ہر آنچہ باید خواست

گفت بازارگاں کہ بختِ بلند باد زاکلیلِ شاہ دولتمند

من کہ بازارگانِ شہر خودم و اندریں رہ رواں زبہر خودم

ہر کجا رہ گرفتم از پئے سود سودِ من صحبتِ بزرگاں بود

کشورے را کہ زیرِ پا کردم میرِ آں کشور آشنا کردم

دید چوں میہماں پرستی من گشت مہماں بزیر دستی من[1]

ہم بداں بندگی ست میلم باز کہ شود رنجہ شاہِ بندہ نواز

شاہ چوں دید گرم خوئیِ او شرمش آمد ز مہر جوئیِ او

گفت رَو کُن ہر آنچہ دانی ساز کہ من آیم گہے کہ خوانی باز

میزباں باز شد بخانۂ خویش کرد ترتیبِ آشیانۂ خویش

داشت در خانۂ نشاط سرشت ہفت منزل[2] بسانِ ہشت بہشت

از یکے زاں خجستہ بزمے ساخت کہ دلِ زہرہ ز آسماں پرداخت

چوں شب آمد بمجلس آرائی جام برداشت چرخِ مینائی

رفت مردِ کشاد پیشانی داد شہ را صلاے مہمانی

نقل و مے یک بیک مہیا کرد خانہ از موجِ دُر چو دریا کرد

---

[1] اے باوجود زیر دستی من میرآں کشور مہمانم گشت ۱۲ [2] ج منظر

شاہ بایک دو خاصگانِ حضور — حاضرِ بزم گشت با دستور
شب فروہشت پردۂ ظلمات — بادہ در وی رواں چو آبِ حیات
بانگِ طنبور[1] خرگہے در گوش — می ربود از دماغِ مستاں ہوش
چوں شد از جوشِ بادہ سر ہا خوش — گشت ہر دل کشاں بہر دل کش
ماہِ بالانشیں فرو خواندند — قصہ در گوش او فسروراندند
راست کردند تا بہ نیم شباں[2] — پیکرش چوں خیال بوالعجباں[3]
شاہدِ دلفروز دیدہ نواز — شد خراماں بصد کرشمہ و ناز
ہم بداناں کہ در شب آید ماہ — فرق تا پاے در حریرِ سیاہ
غمزہ غارت کنِ خردمنداں — تشنۂ خونِ آرزومنداں
روئے خوبش کہ بے نقابے بود — در شبِ تیرہ آفتابے بود
شد بگفتارِ آں طرب سازاں — ساقیِ بزمِ شاں خوش و نازاں
چوں درآمد پیالہ بر کفِ دست — ہر کہ دیدش خراب[4] گشت نہ مست
شاہ را کآمد آں صنم درپیش — ق — گم شد اوّل در دپس اندر خویش

---

[1] طنبور خرگہ قسمے از طنبورہ است کہ اورا آہستہ می نوازند و آواز بلند نمی دہد ۱۲

[2] در شباں الف و نون زائد است چنانکہ بامداداں و بہاراں ۱۲

[3] مراد از شعبدہ بازاں و بازیگراں یعنی تا نیم شب از زر و زیور ہمچوں شعبدہ بازاں پیکرہا ہر و راست کردند

[4] گویند کہ مستی چند مرتبہ دارد اوّل سرخوش دوم تر دماغ سوم سیہ مست چہارم خراب و ایں انتہاے رتبہ مستی ست کہ شخص از خود گذشتہ باشد ۱۲

گفت یارب کہ ایں ہماں ماہ است ۔۔۔ یا دلم کور و عقل گمراہ است
اگر ایں اوست کے دلیر آید ۔۔۔ ماہ کے زآسماں بزیر آید
دگر او نیست خود چنیں ماہے ۔۔۔ زیبد اندر بر چو من شاہے
عاقبت چوں دلش قرار نکرد ۔۔۔ خاطرش ترکِ خار خار نکرد
محرمے پیش جست و کرد رواں ۔۔۔ تا کند جست و جوی سروِ رواں
او ازآنجا دوید ہمچوں باد ۔۔۔ ویں ازیں سو قدم بحجرہ نہاد
رفت در کاخ و جامہ دیگر کرد ۔۔۔ رخنہ بر بست و سر بہ بستر کرد
چوں فرستادہ در رسید شتاب ۔۔۔ ماہ را دید در نہانی خواب
باز شد تا خبر بشاہ برد ۔۔۔ رازِ خرگہ ببارگاہ برد
پیش ازاں رفتہ بود قبلۂ حور ۔۔۔ برکشیدہ سواد را بر نور
جام برکف بہ بزم در می گشت ۔۔۔ ہر کہ می دید بے خبر می گشت
شخصِ بینندہ زاں تماشاگاہ ۔۔۔ آمد و گفت ہر چہ بود بشاہ
شاہ را دل براں قرار گرفت ۔۔۔ خاطرش ترکِ خار خار گرفت
نوش می کرد بادہ پے در پے ۔۔۔ ساقیش مست کردہ بود نہ مے
در تمنائے آنکہ چوں سازد ۔۔۔ کاں گل از بوستاں بپردازد
زاں تمنا کہ گردِ جاں می گشت ۔۔۔ ہر دمش آب در دہاں می گشت

جب - چوں ۔ ۲؎ جب - حجرہ ۔ ۳؎ خوابگاہ [illegible] شاہی ۱۲

تا برانداخت بادِ شبگیری[1] ق از رخِ صبح پردهٔ قیری

شاه رغبت هنوز باقی داشت / مست بود و خمارِ ساقی داشت

عاشق و مست و بادشاهِ جوان / صبر کردن بگو چگونه توان

می گسست ار چه شیرِ نر زنجیر / هم نیفگند پنجه بر نخچیر

خاست از جائے خویش مستانه / دل رها کرد و رفت در خانه

این طرف مه به برجِ خویش آمد / شاه چون پیش رفت پیش آمد

خضر گم گشت چون بچشمهٔ خویش / چشمه خود ز آشنائی آمد پیش

ساقیِ کش بناز در بر جست / پیشِ او بود جاے دیگر جست

یار در پیشِ او ز هجر برنج / فاقه می کرد و پاے بر سرِ گنج

آبِ حیوان بجام داد و در سوز / بود در انتظارِ شب همه روز

شب چو از مه گرفت جامِ شراب ق هر کسے برد سر ببالشِ خواب

میزبانِ شبانه باز آمد / شاه را دل در اهتزاز آمد

به بهانهٔ شکر[2] لبِ چینی / ساخت خود را ترش ز شیرینی

کرد شه چاپلوسیِ به نفاق / پس ز خلوت ببزم شد مشتاق

باز عیشِ شبانه گشت بکار / تازه تر شد نشاط را بازار

ساقیِ شب هنوز دیگر کرد / فرق تا پاے زیب و زیور کرد

---

۱ بادِ شبگیر بادیکه قریبِ صبح وزد ۱۲ ۲ مراد از نا چرو ۱۲

شب سیہ بود پوششِ خورشید | جامہ امشب چو زہرہ کرد سپید
گرچہ شمعِ شبانہ بود آں ماہ | خویشتن را دگر نمود بشاہ[۱]
شہ کہ دید آں جمالِ نورانی | باز ماندش دہنے[۲] ز حیرانی
ساقیِ نو چنانش برد ز ہوش | کش فراموش گشت مستیِ[۳] دوش
دل ازو برگرفت و ایں را داد | چمنِ[۴] لالہ یاسمیں را داد
دیدہ در لعبتِ خراماں داشت | جانش میرفت و چشم بر جاں[۵] داشت
ہم بر آں گونہ تا سحرگاہاں | بود زاں ماہ نُقل و مے خواہاں
روز چوں کرد سوی خانہ شتاب | دید خورشیدِ خویش را در خواب
دید کاندر نظر خطاش نمود | ماہِ پیشینہ اژدہاش نمود
خفت لختے و خاست بیدل وار | نازنیں ہم زخواب شد بیدار
ابروے ناز را پُر از چیں کرد | شاہ را از کرشمہ مسکیں کرد
ہر طرف کز عتاب راہش بود | شہ بصد لابہ عذر خواہش بود
بروزاں[۶] گونہ شاہ را از رہ | دزد چیاک و پاسباں ابلہ
شب چو خورشید روی پنہاں کرد | آسماں سبزہ را گلستاں کرد
میہماں باز شد بمہمانی | میزباں برکشاد پیشانی

---

[۱] امشب بنوعے خود را آراست کہ بادشاہ دانست کہ ایں معشوقہ دوشینہ نیست بلکہ غیر اوست ۱۲
[۲] مجبن = دہاں بحیرانی [۳] جب = ساقی [۴] مراد از چمن لالہ دل داز یاسمیں معشوقہ سفید پوش ۱۲ [۵] مراد از جان ثانی معشوقہ یعنی ساقی سفید پوش ۱۲
[۶] مجب = زیں

ساقیِ شب رسیده خندان خند | سبزه پوشیده همچو سرو بلند
باز شه از نظاره چو دگشت | آرزوے دلش یکے صد گشت

گفت با این طرب فزائیِ خویش | شرم بادم ز پادشائیِ خویش
خواجه را بخانه چندان حور | من که شاهم به پیکرے مغرور
گر ستانم بزور بیداد است | ورنه صبرم گسسته بنیاد است
همه شب تا بگاه بانگِ خروس | باده میخورد با هزار افسوس
بامدادان که سوی خانه شتافت | تا بشب گرد را بمنزل یافت
هفت روز آن صنم بزیورِ زیب | گونه بر گونه بود شاه فریب
شاه مشغولِ عشقبازیِ خویش | وان جوانان بکار سازیِ خویش
بود زان جایگه تا به تنگ | آب دریا بقدر یک فرسنگ
هر چه زیرِ راه دریا بود | پیش او یک بیک مهیا بود
چون همه راست کرد برگِ جهاز | بوداعِ ملک شدند فراز
گفت هر یک که شاه دولتمند | باد جاوید بر سریر بلند
ما که از بندگانِ درگاهیم | عذر خواهِ نوازشِ شاهیم
تا درین منزلِ رضا بودیم | غرقِ احسانِ پادشا بودیم
وین زمانے که روبره داریم | توشه نیز از عطاے شه داریم

؎ مراد از ماه روه … [illegible] … گشت

نقدِ بازارگاں خطاست بہ بند — سودِ دریاکشیم[1] ماہی چند

چونکہ مارا ز لطفِ منعمِ دہر — ناگزیر ست بودنِ ایں شہر

ہرچہ داریم مال و نعمت و چیز ق — وانکہ شہ دید ساقیانِ عزیز

میگذاریم امانت ایجا باز — تاکہ آرد خدا سے مارا باز

یادِ ما بہ کہ در ضمیر بود — واں امانت اماں پذیر بود

ملک آں نامِ ساقیاں چو شنید — گشت شاداں کہ جامہ خواست درید

گنجہا داد عذرہا درخواست — کردشاں توشۂ کہ باید راست

پس نظرداشت کاں جوانمرداں — بسفر کے شوند سرگرداں

گو کند[2] گنج خانہ را تاراج — شہرِ نورا درآورد بخراج

درگرفتش ہوائے دل بشتاب — خود بدریا روانہ گشت چو آب

پیش زاں پردہ بود صاحبِ راز — کرد پنہاں عروس را بجہاز

چوں مسافر بسوئے کشتی رفت — پنج رضواں[3] بیک بہشتی رفت

کشتیِ آں سوئے می پرید چو باد — شاہ زیں سو عناں بمرکب داد

بادلِ تشنہ و دہاں پُر آب — شد ز دریا رواں بسوی سراب

آمد اندر سرائے مہماناں — در ہوائے پری فسوں خواناں

چوں دروں رفت خانہ خالی دید — عشق را تیغِ لا اُبالی دید

---

[1] مجب یہ کنیم [2] یعنی کہ [3] مراد از پنج رضواں پنج یار و یک بہشتی یعنی ابرو ۱۲

گشت کاخ و رواق و حجرہ و بام | زاں تذرواں یکے ندیدہ بدام
حجرہ در حجرہ جستجو میکرد | سر بہر روزنے فرو میکرد
در یکے حجرہ ہفت دیگر دید | طرفہ غارے بزیرش اندر دید
تا سو حجرہ فتادش راہ | کز پیہ او طلوع کردے ماہ
گام میزد درون درون گستاخ | تا بر آمد ز نردباں بر کاخ
رفت در برج و برج بے مہ دید | زہرہ بشگافتش کہ ناگہ دید
او ز حیرت در آں تماشا مرد | واں دگر رفت و آں تماشا برد
شاں چو رفتند سوی خانۂ خویش | ق خورم از بخت شادمانۂ خویش
ماہ با شاہ نوجہاں شد شاد | کش نیامد ز شاہ پیشیں یاد
در دل انچہ از گذشتہ جوششش بود | خار خارے ز گلغر دششش بود
بودے اندر نشاط بادہ و جام | در غم زال گلعذرش مدام
کردہ بود از وفا و یاری او | جامہ گلگوں بیادگاری او
بود چوں ترک آسماں بجہاں | زیر گلنار گوں پرندنہاں
رنگ گلنار دلکشائے بود | چوں مے لال جانفزائے بود
زیب باغ ست گونِ گلناری | چوں شفق بر سپہر زنگاری
ہر کہ شد بخت و دولتے یارش | رخ بسرخی بود چو گلنارش

ذ ح دون

هست گلنار همچو نارِ کلیم | گلِ نارست باغِ ابراهیم
ماهِ گلنار چهره چوں تمام | گفت افسانۂ خفت با بهرام

گلگشت نمودنِ بهرام روزِ چهارشنبه در بهشتِ ششم وگنبدِ بنفشہ فام از دستِ آهوی بنفشہ مویِ رومی شرابِ بنفشہ بوی کشیدن

چارشنبه که برکشید نوا | مرغِ صبح از بنفشہ زارِ سما[۱]
خواست گردد شه سریرافروز | بلباسِ عطاردِ فیروز[۲]
لیک آں گونه موجبِ غم بود | که کبودی لباسِ ماتم بود
باقبائے بنفشہ بوقلموں | رفت در گنبدِ بنفشہ دروں
ماهِ رومی کشا دز ابرو چین | رفت در پیشِ شاهِ روی زمیں
بزمیں بوسِ شاه رائے آورد | شرطِ تعظیم را بجائے آورد
جام پر کرده ماهِ جاں افزائے | ماند بر رسمِ ساقیاں برپائے
درزماں کرد شاهِ عشرت کوش | آبِ حیواں ز آبِ حیواں نوش[۳]

---

[۱] حجب = گشت   [۱] حجب = هوا
[۲] لباسِ عطارد کبودست ۱۲
[۳] یعنی جام شراب ازدست معشوقہ رومی نوش کرد ۱۲

آن طرب تا بشام باقی بود — مه غلام و ستاره ساقی بود

روز چون ساخت کسوت از زاغ — میل خفتن نمود نرگس باغ

شاه بر حرف نه چو شکر — کرد در وانه زآن شکوفه تر

سرو آزاد بنده وار به پیش — کرد خم چون بنفشه قامت خویش

پس دعا با گذارشش نو داد — گفت باشی ز بخت و دولت شاد

هر چه خواهی ز ماه تا ماهی — پیش بادت بر آنچه می خواهی

در معونت که خسرو زمنی — بنده را چه جای هم سخنی

لیک بر اعتماد حضرت شاه — گر برآرم غم بسینه یابد راه

چون تهی شد ز معذرت سینه ن گفت در روزگار پیشینه

بنفشه شدنِ سروِ آزاد در سجدهٔ بندگی پیشِ بهرام وآن معطش را بدین افسانه شربت دادن

بود بازارگانی اندر روم — نقش را شمار با معلوم

پسری داشت هوشمند و عزیز — زیرک و کاردانِ با تمییز

در عجب‌های عالمش هوسی — وآزمون زمانه دیده بسی

خانهٔ داشت چون بهشت بری — هر طرف ده نگارخانهٔ چین

هر مسافر کہ آمد از جائے | کردحالی بمنظرش پائے
سوئے مہماں سرای خویشش برد | میوہ ونقل و بادہ پیشش برد
چندگہ داشتے بمہمانی | میزبانِ کشادہ پیشانی
بازجست ازوے آشکار ونہاں | کزعجب ہاچہ دید گرد جہاں
آں جہاندیدہ ازشگفتِ سفر | گفتے یک یک زہرچہ داشت خبر
سالہا درچنیں تمنّائے | بخت باہر روندہ سودائے
تایکے روز بامداد پگاہ | ناگہ آمد مسافرے از راہ
درزمانش بخانہ مہماں برد | ارجمندش بسوئے ایواں برد[1]
خوانے ازمرغ و برہ پیش آورد | نعمتے ازقیاس بیش آورد
گشت چوں رغبتِ خورش باقی[2] | مہرکشاد شیشہ راساقی
بادہ لعلِ ارغوانی رنگ | جلوہ گرگشت در ترنم چنگ
چوں گذشت ازشراب دورے چند | درجِ لبہاکشادہ گشت زبند
ہرکرا بود قصہ نہفت | پیشِ پرسندہ یک بیک میگفت
چوں بمہمانِ نورسید سخن | ق گفت بسیار زیر چرخ کہن
گشتہ ام بس کہ داشتم ہوسے | وزشگفتِ زمانہ دیدہ بسے
واں عجبہاکہ در جہاں دیدم | ہرچہ کس دید بیش ازاں دیدم

---

[1] اسے بعزت تمام ۱۲ [2] باقی اینجا بمعنی قیام داندہ اسے رغبت خورش سکون گرفت ۱۲

لیکن از ہر چہ دیدہ ام نخست	زاں عجب تر ندیدہ ام بدرست
کز دیارِ فرنگ شش مہ راہ	ہست شہرے و مردماں چوں ماہ
نیمہ گویا و نیمہ خاموش	خامشاں کسوتِ بنفشہ بدوش
من زگوئندہ باز جستم راز	کز خموشاں خبر چہ گوید باز
کیں ہمہ خلق را خموشی چیست	چوں بنفشہ بنفش پوشی چیست
پاسخم داد مردِ کارشناس	ق کاندریں کارگاہِ پُر وسواس
ہست گرمابہ زصنعِ حکیم	سیمیا خانۂ عجب تعلیم
گنبدش را شمار ناپیدا	گم شد آنکس کہ شد در و شیدا
آدمی کاندرو دروں آید	از پسِ چندگہ بروں آید
یا بمیرد در آمدن درحال	یا بماند خموش تا دہ سال
اندر آں خامشی بود بیہوش	بہرِ ماتم بنفشہ کردہ بدوش
چوں سخن را گرہ کشاید باز	ہمہ گوید مگر فسانۂ راز
تا کسی کاں طرف بود رایش	خود نہد روے در تماشایش
وانکہ در شد بداں تماشاگاہ	بارِ دیگر بروں نیابد راہ
گرچہ سالے بود در و کم و بیش	در نیابد نشانِ رخنۂ خویش

---

۱ ح = فرخجہ ۲ گرمابہ بمعنی حمام ۱۲ ۳ ج = وضع ۴ جب = باآمدن

۵ جب = جامہاے بنفش ۶ ن = برنیان بنفشہ

۷ جب = در آں

من که در دل درآمد این نفسم	خاست از بهر دیدنش هوسم
خواستم کان طرف کنم پرواز	برگشایم گره ز پردهٔ راز
لیکنم دل نکرد دمسازی	که دهم جان دران هوس بازی
راهرو کان فسانه بروے خواند	بازپرسنده[۱] را قرار نماند
تا شب آن روز عیش سازی کرد	خوشی و میهمان نوازی کرد
شب چو دریای چرخ بر زد رنگ	چشمهٔ مهر شد بکامِ نهنگ
مرد سوداگرے هوس پیشه	ق — چشم برهم نزد ز اندیشه
بامدادان که صبح جامه سپید	پرده برداشت از رخِ خورشید
ناشکیبا ز خوابگه برخاست	خاست و کرد برگِ رفتن راست
از متاعِ زر و غلام و کنیز	کرد با خود روان فراوان چیز
پدرِ مهربان شنید خبر	بے سر و پا دوید سوے پسر
دم همیداد و هیچ دود نداشت	کرد زاری بسے و سود نداشت
عاقبت دست بر جهان افشاند	از ولایت[۲] جمازه بیرون راند
وان مسافر که داشت آگاهی	همعنان ساختش بهمراهی
هر دو باهم ز عیش فرد شدند	شهر بر شهر ره نورد شدند
در تموز و بهار و تابش و تاب	می نوشتند راه را بشتاب

۱؎ مراد از پرسنده پسر بازرگان است یعنی میزبانِ مهمان و مسافر نواز ۱۲ ۲؎ عجب = دز

تا در آن کارگاہِ پر ز خیال — در رسیدند از پسِ یک سال

در سرای شدند رخت گشاد — خود بشہر آمدند خورم و شاد

خلق دیدند بیشتر خاموش — وز حریر بنفشہ کسوت پوش

گرد ہر کوی و خانہ می رفتند[1] — رازِ پوشیدہ باز می جستند

زان شگفتی کہ داشت سر بنہفت — خبرے کس چنانکہ بود نہ گفت

چار و ناچار مردِ شعبدہ جوے — سوئے گرمابہ راند پویا پوئے

ہمہش باز داشت اسرارے — کہ حذر بہتر از چنیں کارے

او ہمہ میلِ فتنہ در سر داشت — عاقبت دل زمیل سر برداشت

بغلامانِ خاص گفت کہ من — راہ زاں برگرفتہ ام ز وطن

کانچہ در خاطر آرزو دارم — دیدہ آزموں در رو دارم

یا ببینم تمام و گردم باز — یا دہم جاں درونِ پردہ راز

از شما ہر کہ استوارتر ست ق — راست اندیش و راست کارتر ست

بہ کہ دائم امینِ مال بود — تا نمک خوردنش حلال بود

من چو بر خود کشم حجابِ خیال — انتظارم کشید تا بدو سال

گر بیایم دفینہ بر شمرید — ور نہ رختم بخانہ باز برید

شور برخاست از غلامانش — دست بردند سوی دامانش

---

[1] گرد رفتن کنایہ از تردد، کثرت آمد و رفت کی بندی خاک چھاننا [illegible] ہمارے

کیں چہ دیوانگی و خود رائی ست | در دیواں زدن نہ دانائی ست
کام دلداری و جوانی ہست | ہمہ اسبابِ کامرانی[۵۱] ہست
روزگارِ نشاط را دریاب | زآنچہ دادت خدای روی متاب
زیں نمط ماجرا گذشت سبے | بر نیامد رمیدہ را نفسے
عاقبت بر مرادِ خاطرِ خویش | سوی گرما بہ رہ گرفت بہ پیش
رفت و در شد در آں طلسم آباد | عالمے دید ہر درے کہ کشاد
سقفِ ہر گنبدے کہ کرد نگاہ | سرِ گنبد رسیدہ دید بماہ
ہفتہ گشت بے طعام و شراب | راہ بیروں شدن ندیدہ بخواب
شد پشیماں ز خامکاری خویش | خواند بخشندہ را بیاری خویش
چوں سراسیمہ گشت بے سر و پاے | ناگہش[۵۲] رو نمود راہ نماے[۵۳]
دید ناگہ درے فراخ زدور | آفتاب اوفگندہ در وے نور
رفت زاں سو دویدہ ہمچوں باد | روضۂ دید پُر گل و شمشاد
لالہ بر کف گرفتہ جام شراب | نرگس از مستی اوفتادہ بخواب
گشتہ باد از شگوفہ عنبر بوے | سبزہ[۵۴] نو دمیدہ برلبِ جوے
سو بسو از درخت میوہ قطار | شاخ سر بر زمیں نہادہ زبار

---

[۵۱] ح = زندگانی [۵۲] حجب = رہ [۵۳] مراد از ہادی مطلق جل مجدہ ۱۲

[۵۴] ح = سبزہ ہا[۵۵] جب = سروہا

ماند حیران جوانِ بینندہ　　شکر ہا گفت[1] زآفرینندہ

تشنگی داشت از خورش خالی　　خورد ہر گونہ میوۂ حالی

بر لب جوئے رفت و آبے خورد　　سایۂ سرو[2] دید خوابے کرد

خاست از خواب رفت میلے چند　　دید قصرے برآورید ہ بلند

شد شتابندہ[3] تا رسید آنجا　　منظرے چون بہشت دید آنجا

باز کردہ درے بلند و فراخ　　رفت یکسر درونِ دشتے[4] گستاخ

ہر کجا گام زد جہانے دید　　پیشِ ہر صفہ بوستانے دید

ہر نمونہ عمارتِ پرکار　　گلشنے پُر ز صد ہزار نگار[5]

کردہ[6] زاں گونہ سو بسو تمثال　　کادمی را نگنجد آں بخیال

بوستانے تہی ز مردم دید[7]　　چشمِ نظارگی در و گم دید

خواجہ زامیدِ زندگانی طاق　　تا بشب گشت گردِ کاخ و رواق

چون جہان رُخ نہفت در پرِ زاغ　　ق　　شد فلک پُر ز صد ہزار چراغ

دل ز تنہائیش پریشان گشت　　رفت بر منظرے و پنہان گشت

چون[8] ز شب رفتہ نیم پاس تمام　　ق　　ماہی و مرغ یافتند آرام

دید کامد بروں ز گوشۂ باغ　　آفتابے بکف گرفتہ چراغ

---

[1] جب – کرد　　[2] بمعنی شتاب ۱۲　　[3] ن – خوب

[4] جب – در　　[5] ح – بسیار　　[6] ن – دید در باغ

[7] جب – بود　　[8] جب – تا

صد ہزاراں ستارہ گرد و پیش — خود چو خورشید شمع اندر پیش

زاں فروزش کہ قصرِ گلشن گشت — شبِ تاریک روزِ روشن گشت

تا بداں منظر آمدند فراز — کہ درو بود خواجہ خلوت ساز

تخت کردند پیشِ صفہ بپائے — شد بدیبا نہفتہ صحنِ سرائے

چوں شد آرایشِ نشاط ہمہ — ق — پر مہ و زہرہ شد بساط ہمہ

میرِ خوباں نشست بر سرِ تخت — وز دو سو ہمنشینِ دولت و بخت

نازنیناں دو سوئے صف بستند — پیشِ مسند بناز بنشستند

خاست ساقی و بادہ گشت رواں — خوردنی در رسید خواں بر خواں

چوں کشیدند پیشِ ہر کس خورد[1] — از رقاقِ[2] سپید و گردۂ زرد

گفت خنداں نگارِ تخت نشیں — ق — کہ دریں کاخِ آسماں تمکیں

آدمی زادہ ایست بیخور و خواب — گشتہ از کوبِ[3] روزگار خراب

دورِ گردونش کردہ سودائی — ماند بیخویشتن ز تنہائی

ہست برنا[4] غریب و مہمان نیز — چارہ نبود ز میہمانِ عزیز

خواندہ باید بلطف اندر پیش — مہربانی نمودن از حد بیش

تا سرش را خرد فراز آید — دل کہ رفتش ز جائے باز آید

شمع برداشت لعبتِ چو چراغ — رفت بر منظرِ بلند ز باغ

---

۱ خورد یعنی خورش ۱۲ — ۲ نان تنک ۱۲ — ۳ کوفت و رنج ۱۲ — ۴ [illegible] = برنا

دید تنہا نشستہ مسکینے | کرد با بختش آسماں کینے

دادش آواز۔ خواجہ رفتہ زجاے | لرزہ در روے فتاد سرتا پاے

سروِ سیمیں بمہر دل دادش | کرد زاندیشہ خاطر آزادش

گفت خیز اے جوانِ زیبا چہر | کہ درِ دولتت کشاد سپہر

بانوی ما کہ گنجِ لطف دروست | آدمی سیرت ست مہماں دوست

برخوری زاں صنم کہ درہمہ ساں | تو غریبی و او غریب نواز

خواجہ را کاں سخن بگوش آمد | لختے از بیہشی بہوش آمد

گفت بخرام ہر کجا خواہی | کہ منت بندہ ام بہمراہی

شمع را پیش برد قبلۂ حور | او چو پروانہ در حوالی نور

پیشِ تخت آمدند ہردو زکاخ | در تحیر جوانِ ناگستاخ

چوں بدید آں جمالِ نورانی | سود بر خاک تیرہ پیشانی

از سرِ لطف ماہِ شکرخند | خواندش از خاک بر سریرِ بلند

گفت عیب ست میزباناں را | کہ نپرسند میہماناں را

کے روا باشد ایں کہ مانم دیر | من ببالا و میہماں در زیر

بر سریر آ و باش ہمتایم | ورنہ من نیز بر زمیں آیم

خواجہ گفتا کہ من کیم بارے | تا بداں پایہ باشدم کارے

لہ جیب = مصر   ٹہ [illegible]

خاکِ مسکیں کہ پائمال بود — بر فلک بردنش محال بود

باشد آں جاے در خورِ چو تو ماہ — دیو بر آسماں نیابد راہ

زیں نمط گفتگو فراواں رفت[1] — خواجہ جاے بشد کہ نتواں رفت[1]

آمد از تخت نازنیں در زیر — کرد با خود بمردمیش دلیر

دستِ او را گرفت و بالا برد — شاند بر جاؤ ہوشش از جا برد

نازنیں رو بمیہماں آورد — پورش و لطف درمیاں آورد

پیشِ او داشت خوردہاے غریب — ہر یکے جاں نواز و مشکیں طیب

از نسیمش کہ گرد جاں می گشت — خواجہ را آب در دہاں می گشت

بود زانہ دہِ فاقہ سودائی — یافتش چشمِ تیرہ بینائی

دست ز خورد بر دستہ رم گزاشت — خورد چندانکہ میلِ خوردن داشت

رفت چوں خواں بکارخانۂ خویش — ساقی آورد جامِ مے در پیش

ہر طرف لعبتے بریشم ساز — گشت ز آہنگِ خوش حریف نواز

مجلسے چوں بہشت عالمِ نور — رفت رضواں بمیہمانیِ حور

گر فرشتہ درآمدے در باغ — ہمچو پروانہ سوختے بچراغ

روے در روے یارِ جانی بود — درمیاں دورِ دستگانی بود

بانوے بانواں چو سرمستے — ہر زماں بذلہ برد بستے

---

[1] ح ــ شد

چوں سرِ خواجہ گرم شد ز شراب — آرزو را[1] ز سر بروں شد خواب
شد ز سر زندہ شہوتے کہ بمرد — رغبتِ دل عناں ز دستش برد
عاشقانہ بپاے یار افتاد — کار با بوسہ و کنار افتاد
زآنِ او شد عروسِ شیریں کار[2] — دزد نادان و پاسبان طرار
او در آویخت در دو زلفِ چو شست — گردنِ خود بطوقِ مشکیں بست
روے بر رو نہاد و دوش بدوش — خرمنِ گل کشید در آغوش
برد غارت بدرجِ مروارید — ایں ہمی چید و او ہمی بارید
شور در نقلدانِ ناز افگند — شمعِ بے دود را بگاز[3] افگند
تشنہ بود آبِ زندگانی یافت — مایۂ عمرِ جاودانی یافت
خواست تا در رود بحجلۂ ناز — قفلِ گنجینہ را کشاید باز
ماہِ ابلہ فریب و عشوہ فروش — بوسہ دادش بعذرہاے چو نوش
گفت آہستہ ترک زآنِ تو ام — نوش کن مے کہ نقلدانِ تو ام
چاشنی باری از نمک برگیر — تا دہن خوش کنی بشکر و شیر
شربتے کارزوست زود نہ دیر — وانکہ خوردی دمے و گشتی سیر
تشنہ کز آب سیر شد جانش — میل نبود بآبِ حیوانش

---

[1] یعنی آرزوے خفتہ از مستی شراب بیدار شد ۱۲ — [2] جب = زیبا

[3] گاز یعنی مقراض وا ینجا عبارت از میانہ ہر دو زانوے بانو ۱۲

چوں زہم خوابہ گشت مرد صبور — داغِ[1] زنگی نہد بجبہۂ حور

در نیازی ز میل و رغبتِ خویش — ق کہ دہی گوشمالِ شہوتِ خویش

زیں ہمہ لعبتان زیبا روے — کہ کنیزِ من اند سوے بسوے

ہر کہ زیبا تر آیدت بنظر — خاصۂ تست دست گیر و ببر

رقیہ[2] چند ازیں نمط برخواند — کآتشِ خواجہ را فرو نشاند

وانگہ از غمزہ گفت[3] پنہانی — بانگارے چو سروِ بستانی

آمد و با ہزار لابہ و لوس — داد بر دست و پاے برنابوس

زانِ خود کردش از فسون و فریب — تا دلش را نماند جاے شکیب

خاست از پیشگہ بدستورے — رفت در جا[4] گاہِ مستورے

در بر آورد یارِ زیبا را — کرد خوش جانِ ناشکیبا را

یافت آں آرزو کہ در سر داشت — کامِ دل دید و کامِ دل برداشت

ہمہ شب بابتِ بہشتی خویش — راند در جوے شیر کشتی خویش

صبح چوں کرد جیبِ ظلمت چاک — سایۂ خاک رفت ہم در خاک

مرد شب زندہ داشتہ بشراب — رفتہ بود از نسیمِ صبح بخواب

چوں ز خوابِ نشاط سر برکرد — نظر اندر رواق و منظر کرد

---

[1] یعنی زن در حسن و جمال گرچہ حور وش باشد لیکن بعد صبوری زنگی معلوم میشود ۱۲

[2] سحر و افسون ۱۲ — [3] فاعل گفت سردار پریاں ۱۲

[4] حجب = جلوہ گاہ

دیده فردوس را ز خوبان طاق — نه منظر بتی و سنی برواق

زان پری صورتان ندیده کسی — غمزه بیکسی کشیده بسی

زان نکیسه که جان خراب شود — بیم بودش که زهره آب شود

همه شب اندر خیال مجلس دوش — چون پری دیدگان نبودش هوش

در پنیاغ چون نشان شد مهر — پر طاوس باز کرد سپهر

باز کبکان روان شدند ز جای — پر طاوس گشت صحن سرای

شمع از هر طرف روانی یافت — عالم تیره روشنائی یافت

شد پیاپی شراب نوشین باز — تازه شد بزمگاه نوشین باز

نازنین رفته بر سریر بلند — مهر برداشت از خزینهٔ قند

به یکی زین شکرلبان فرمود — که بیار آن غریب یار از زود

شد کنیزی و خواند و پیشش برد — پنج دوری ز جان نوشینش برد

با نوازش چو دید خاست ز پیش — خاص کردش بهمنشینی خویش

کرد جا نشش به دوی تازه — عذرها خواست بیش ز اندازه

دوستکانی به دست نوشینش داد — طبق نقل و میوه پیشش داد

چون زمی دو دو دوره شد پرکار — مائده پیش بر دخوان سالار

با نوازش و لطف و سرمستی — کرد با او بکاسه همدستی

چون شد از خوردنی شکمها سیر　　مطبخی برد خوان ز تخت بزیر

ساقیان را رسید نوبتِ مے　　دَورِ گردنده گشت پے در پے

خواجه کافروختش زمے سینہ　　تازہ گشتش نشاطِ دوشینہ

خویش را کردہ بود لعبتِ سیم　　برِ او حریفِ خود تسلیم

او بدنداں عقیق را می سُفت　　قندمی خست و انگبیں می رُفت

زاں لبِ لعل می کشید شراب　　نقل هم پستہ[1] بود و هم عنّاب

باز چون وقت شد کہ خرم و شاد　　سوے قفل آورد کلیدِ مراد

گفت کز چون منے خطا باشد　　کہ بهر جستنم عطا باشد

زن کز ایشاں کند جوانمردی　　پردہ بالا کند برخ زردی

در بیم بود هر[2] کہ بود بسے　　دست بر دامنم نسود کسے

هر کہ بود از خبر شنیدنِ من　　مردہ[3] هم در هواے دیدنِ من

چون تو بر ما غریب و مهمانی　　محرمِ ما شدی بآسانی

لیک مشتاب تا کنیزانم　　نشناسند رازِ پنهانم

کہ چراغ گوهرے بدیں پاکی　　هم بیکبار شد چنیں خاکی

بکنارے و بوسہ دو سہ روز　　گر شوی سینہ را شکیب اندوز

---

[1] مراد از پستہ دهن و از عناب لب ۱۲

[2] یعنی کسیکہ تا مدت دراز در محبت من خراب بود آں هم در بیم بود و قدرت مس کردن دامنم هم نداشت ۱۲

[3] هر کہ خبر حسن و جمالم شنید در آرزوے دیدار جاں دادہ و بعد مردن هم هواے نظارہ داشت ۱۲

من باندیشہ کہ وانم کرد | دلِ شاں را دگر توانم کرد

چوں دل از کارِ شاں بپردازم | کارِ تو بر مرادِ تو سازم

ایں سخن گفت بازکرد نگاہ | در یکے زاں شکرلبانِ چو ماہ

آمد آں ماہ و پا بمہر فشرد | دستِ برنا گرفت و باخود برد

تا دمِ صبح مردِ عشرت جوئے | بود خوش با نگارِ زیبا روئے

آسماں چوں ز چشمۂ خورشید | کرد پیراہنِ زمانہ سپید

باز برخاست مردِ خفتہ ز جائے | زاں عروساں ندید کس بسرائے

شد ز بے مونسی و تنہائی | پیشتر زانچہ بود سودائی

تا بیک ہفتہ مردِ شعبدہ سنج | بود شب در نشاط و روز برنج

ہر شب آں نازنینِ عشوہ فروش | برو گر عشوہا نہادی گوش

سوئے آہوئے خود فگندے چنگ | لیک صیدے گریزدے بخدنگ

تا شبے شد ز جوشِ شہوت مست | رفت یکبارگی عنانش از دست

ماند در پائے دلبر افتادہ | چوں گیا زیرِ سروِ آزادہ

گفت دستم بگیر بہر خدائے | کہ شکیب ترا ندارم پائے

چند ازیں عشوۂ جفا سازی | با غریبے چو من دغا بازی

انگبینم نمودن اندر جام | وانگہے سرکہ ریختن در کام

لہ اے گوش پسر تاجر را [illegible] ... ہوست

یا لب از جامِ وصل کن سیرم — یا بیند از سرِ شمشیرم

پاسخش داد شوخِ عالم سوز — کامشب اندر برِ توام تا روز

همه شب پاسِ کار در پیش ست — این چنین صد هزار در پیش ست

خواجه کین مژده یافت از لبِ دوست — در نگنجید همچو پستہ بپوست

بس که جانش بخود شدی بشگفت — بادهٔ چند خورد و بر جا خفت

نوبتِ صبح زد چو نالهٔ زار — مرغ و ماهی زخواب شد بیدار

چشم بکشاد مردِ دوشینه — خارِ دوشش خلید در سینه

خویش را دید در بیابانے — که نبودش سرے نه پایانے

خاکے از ناخوشی ہلاک انگیز — خارہا بر کشیدہ دشنہ تیز

خونش از بیخودی به تن بفسرد — ماند بیخود فتادہ۔ گوئی مرد

چون نبود آن خرابه جاے قرار — در خرابی روانه شد ناچار

بقضا کرد خویش را تسلیم — دشت بر دشت می شتافت زبیم

پویه میزد براہِ بے راہان — تا بدیہے رسید ناگاہان

شد بدہ اندرون به بدحالے — کرد منزل بخانهٔ زالے

زال را بود دخترے عیار — دلفریبے چو صد ہزار نگار

---

۵۱ جب = ست — ۵۲ جب = ریگ دشتش — ۵۳ خونش از بیهوشی بسته شد ۱۲

۵۴ جب = بیهشی — ۵۵ اے بطریق گم کردہ راہ ۱۲

دزدِ دلہا دو چشمِ پُرفنِ او | خونِ صد بیگنہ بہ گردنِ او
گشت چوں یکدگر نظر ہا گرم | نازنیں سر فرو فگند ز شرم
روے پوشید و کرد آں سو پشت | میہماں را بیک کرشمہ بکشت
خواجہ کز تیر تیز تر می راند | ناوکے غمزہ خورد و برجا ماند
زال را با ہزار آزادی | بندہ گشت از خیالِ دامادی
بر سرِ کشت پیرزن لرزاں | کار میکرد چوں کشاورزاں[1]
خانہ گہ گہ کہ یافتے کہ خالی | بر شکر لب درآمدے حالی
زار نالیدے از گرفتاری | کاں صنم سوختے ازاں زاری
تا دلِ ماہ مہربانی یافت | طبع بایں ہم عنانی یافت
خاطرِ ہر دو ز اتفاقِ ضمیر | ساخت باہم چو انگبیں با شیر
خانہ ہر گہ بے مگس دیدے[2] | شکرے از قنطرہ[3] بر چیدے
گہ درآویختے بزلف چو شست | گاہ بر گنجِ شادہ سودی دست[4]
چوں شدے گاہِ آں کہ از پیوند | درج سربستہ را کشاید بند
وارمیدے عروسِ کبک خرام | کہ مبادا اے دامنم بحرام
جست باید رضاے پیرزنت | تا دہد رہ بجلوہ گاہِ منت

---

[1] یعنی دہقانان و کاشتکاران ۱۲ | [2] نسخہ: خواجہ ہر گہ کہ فرصتے دیدے
[3] قنطرہ بکسر اول یعنی شتر زرہ و خریطہ کتاب و اینجا معنی ظرف قند کہ عبارت از لبہاے شیرین ست ۱۲
[4] مراد از پستاں ۱۲

خواجه در پیشِ پیرزن ناچار | بیش کردی از آنچه بودے کار

روزی از خویش یافتش خشنود | آرزوئے که داشت باز نمود

پاسخش داد پیرزن که رواست | گل ز گلبانگِ بلبلان بنواست

چون تو با ما بمهر پیوندی | من پذیرفتمت بفرزندی

دلِ مهمان بدین حدیث نواخت | و آنگهے برگِ میهمانی ساخت

بست کابین[1] عروس را با شاه | کرد پیوندِ مشتری با ماه

چرخ چون زلفِ شب فگند بدوش | ق | ماه گشت از ستاره زیور پوش

شه[2][21] درآمد بخوابگاهِ عروس | که شود شاد تا ببانگِ خروس

سیمبر بر ستارِ پشمینه | مے زلب داد تارش[3] از سینه

دست[4] بر نار دان و سیبش[5] داد | نقلِ و میوهٔ فریبش داد

خازنِ گنج چون بر آن شد باز | که کند دست بر خزینه دراز

چاپلوسی بسے نمودش جفت | ق | بزبانِ شکرفشانش گفت

که من اینجا ز چشمِ مادرِ خویش | می نه بینم حجابِ بسترِ خویش

کلبهٔ تنگ و دوستے بپهلویم | چون سزد همنشینی شویم

---

[1] بکسر بای موحده و یای معروف زری که بهنگام نکاح ذمه شوهر مقرر کنند یعنی مهر ۱۲

[2] عروس را روز کتخدائی نوشه گویند ازیں رعایت پسر تاجر را شاه و شه گفته ۱۲ — [21] ج ب = خواجه

[3] تارش مخفف انارش الف بضرورت شعر حذف گشته ۱۲

[4] دست بمعنی قدرت ۱۲ — [5] ج ب = او

چوں ترا جفت گشتم از تقدیر — نایداز خدمتِ تو ہیچ گزیر

روازیں تیرہ تنگناسے بروں — ماہ را ابر زعقد جائے بروں

خانہ گیر در دہِ دگرم — تا کشتے بر مرادِ خود ببرم

خواجہ لعلش بدیں[۱] فریب بسفت — در برش کرد تا بروز و بخفت

روز کے چند خویش را زاں حور — گاہِ شہوت بحیلہ داشت صبور

زال را رفت روزے اندر پیش — گفت دارم ہوائے خانۂ خویش

گر بر فتن دہیم دستورے — زحمتِ خویش را دہم دورے

خیزم و راہِ جانانہ پیش کنم — جفتِ خود ہم عنانِ خویش کنم

زال بگریست از غمِ فرزند — گفت دِل چوں کشایم از دل بند

آنکہ[۲] شد جفتِ او بعقد جواز — جفتِ خود را کجا[۳] گذارد باز

گفت زیں ماجرا چوں نبودش سود — کرد ناچار ہمرہ و راپدرود

خاست در دم عروسِ فتنہ سگال — کرد گریاں وداعِ مادرِ زال

وانگہے گفت شوے رانالاں — کہ خرک را بہ پشت نہ پالاں

سوئے خر شد جوانِ تیز آہنگ — کرد پالاں و برکشیدش تنگ

خواست تا دست سوئے دم یازد[۴] — پا بر دم[۵] را بدم درانداز د

---

[۱] اے خواجہ بدیں فریب ہم بستر نشد و ازالہ بکارت نکرد ۱۲ [۲] نسخہ حجب = زانکہ
[۳] حجب = چرا [۴] یازد فعل مضارع از مصدر یازیدن بمعنی دست درازی کردن و بقصد کارے دست دراز کردن ۱۲
[۵] شم چوپی زیر اسپ و خر ۱۲

جفتۂ[1] زد چنـراز کمیں ناگاہ — کہ بچشمش جہاں نمود سیاہ
لرزہ در[2] شخصِ نازنیں افتاد — شد بصحرا و درزمیں افتاد
چوں بہوش آمد از چناں خطرے — کرد ہر سو بتجربت نظرے
دید خود را بروے کسارے — در[3] بنِ کوہ در تہش غارے
کوہِ گرم از بلندی آتش پاش — آسماں را بہ تیغ[4] کردہ خراش
باز ازاں حیرت او فتاد زپاے — زندگی را نماند در وے جاے
بود فصل تموز و نیمۂ روز — جوش در مغزش او فتاد زسوز
از بلندیِ کوہ کرد نگاہ — غرفۂ دید سر کشیدہ بماہ
رفت و آنجا رسید گرما گرم — سایۂ سرو دید و سبزۂ نرم
بر سرِ غرفہ شد کہ بیند چیست — صاحبِ غرفہ را بداند کیست
دید پیری لبانِ پارۂ نور — کردہ خود را ز مرداں مستور
تیرِ بالاش چوں کماں شد کوز — بر کمانِ کہن بر آمدہ توز[5]
چونکہ آواز پاے او بشنید — چشم پوشیدہ باز کرد و بدید
دید آزادۂ چو سروِ بلند — گلِ او زعفراں شدہ زگزند
زو طلب کرد ماجراے نہفت — کہ گلت از کدام باغ شگفت

---

[1] جفتہ یعنی لگد بہندی پشتک ۱۲ [2] جب = بر [3] تجب = بیخ کوہ در تہش غارے
[4] تیغ کوہ قلہ کوہ را گویند ہندی چوٹی ۱۲ [5] توز باضم بواو مجہول نام پوست درختیست کہ مثل سے[illegible]
کمان وزیں بکار برند بہندی بھوج پتر گویند و در شرح خاقانی نوشتہ کہ قسمے از کتان ست ۱۲

خواجہ از سرگذشتِ ناخوشِ خویش — کرد خالی دلِ مشوشِ خویش

پیر را کآمد آں فسانہ بگوش — زاں تحیر شدش درونہ بجوش

گفت کیں خاک پُر ز دیو و پری ست — تشنۂ خون آدمِ گذری ست

ہر چہ پیشِ تو باغ و ایواں بود — آں ہمہ سیمیائے دیواں بود

واں عروس جوان و مادرِ پیر — غولِ دشتند و دیوِ مردم گیر

زندگانی ہنوز بود بجائے — کہ بایں سو رہت نمود خدائے

ورنہ جانت کہ[1] انداز نقد[2] تاب — چوں[3] شدی درچنیں خرابہ خراب

پس ازیں گر شوی زبخت نژند — ق — بگیاہے و میوۂ خورسند

تا مرادِ ترا روان بہ تن ست — حالِ تو آں بود کہ حالِ من ست

دولت را برفتن ست نیاز — دل دلِ تست من ندارم باز

بوسہ برپائے پیر داد جوان — گفت کای از توام حیاتِ رواں

منِ گم گشتہ رہ کجا دانم — کز حضورِ تو رو بگردانم

زیں پس ار جائے باشدم برِ تو — سرم و آستانۂ درِ تو

پیر گفتش کہ چوں نہادی دل — کہ کنی ہم بکوئے ما منزل

تا ازیں بادیہ بگامِ فراخ — نخرامی بہر طرف گستاخ

کیں طرف ہر کجا کُہ و غارست — پر ز مرغانِ آدمی خوارست

---

[1] جب — یقین کہ [2] جب — بشد [3] جب — ناوہ

چوں گہ طعمہ بال بکشایند — گور و آہو ز دشت بربایند

گفت برنا کہ از تو نیست گزیر — گو بیا ہر چہ باشدم تقدیر

ہم بریں دل نہاد و کرد سکون — دیر دیر آمدی ز کلبہ بروں

روزے از دستِ غم شدہ بستوہ — گشت می کرد بر کرانۂ کوہ

سوئے او تاخت مرغِ مردم خوار — ناگہاں در ربودش از منقار

کوہ بر کوہ می پرید چو باد — تند می رفت از گزند آزاد

تا رسید از ہوا بغارے تنگ — کرد در تنگنائے غار آہنگ

مرغ دیگر ز کوہ بروے تاخت — چنگل از خشم سوئے او انداخت

مرغ با مرغ جنگ در پیوست — درمیاں خواجہ از شکنجہ برست

کرد[1] در تنگنائے غار دوید — پیش پا منیگند و پس میدید

چوں دروں رفت تیر پرتابے — دید ہر سو ز روشنی تابے

رہ نہ تاریک بلکہ روشن بود — خاکِ رہ سبزہ زارِ گلشن بود

خاک[2] را می[3] نوشت میل بہ میل — گاہے آہستہ و گہے تعجیل

تا پس از ہفتۂ و بلکہ فزوں — آمد از تنگنائے غار بروں

دید در پیشِ غار صحرائے — لالہ و گل دمیدہ ہر جائے

کشت بر کشت روضہ چو بہشت — جوئے بر جوئے بر کنارۂ کشت

۱؎ حب = گرم　　۲؎ حجب = خاکِ رہ　　۳؎ طے می کرد ۱۲

بر سرِ سبزہائے مینا رنگ | نائے کنجشک بود نغمۂ چنگ

خواجہ چوں یافت بوے آبادی | سینہ چوں گل شگفتش از شادی

پاے در رہ نہاد و می شد راست | تا بداند کہ ایں سواد کراست

ز اوّلِ چاشت بود در تگِ خویش | تا درآمد سیاہیِ شب پیش

چوں پسِ پشت افگند زاں زمیں بہرے | دید جوشیدہ زآدمی شہرے

سوئے دروازۂ حصار شتافت | راہ زانبوہِ خلق خالی یافت

پیشِ دروازہ در رسید فراز | تختۂ در ہماں زماں شد باز

سو بسو مردم ارچہ بود بسے | پیشتر زو دروں نرفت کسے

لشکرے ماندہ بود چشم براہ | در دویدند مہترانِ سپاہ

بوسہ بر دست و پائے دادندش | تاجِ زریں بسر نہادندش

حلہ بستند بر تنش زقصب | پیش بردند توسنے چو صبا

ہمچو شاہاں سوار کردندش | گوہر و زر نثار کردندش

رفت زاں گونہ شاہِ نوشاداں | تاکند قصرِ دولت آباداں

بہ بزرگی چو بر سریر نشست | ہر بزرگے میاں بخدمت بست[۵۰]

خواند زاں مہتراں یکے را پیش | داد بیروں خیالِ خاطرِ خویش

ایں چہ نیرنگ و سیمیا کاریست | یارب ایں خواب یا کہ بیداریست

۵۰۔ ملے نودہ ژ چپ بست

زآنچه بر تختِ ملک بنشینم — خویش را نسبتے نمی بینم

این خیال از دلم بباید برد — ورنہ من زین شگفت خواہم مرد

پاسخش داد مردِ کارشناس — گفت کز سینہ دور دار ہراس

کایزد از رحمت آفرید ترا — کہ بدین پایہ برکشید ترا

آنکہ تاج زتخت بر سرِ اوست — ہر کجا میرود برابر اوست

دولت از دولتی[1] گذر نکند — سوئے بیدولتاں نظر نکند

زآہن آناں کہ مغزِکاں خارند — زر ستانند و سنگ بگذارند

گرچہ بلور روشن ست بتاب — کے نشیند بجائے دُرِ خوشاب

آنچہ پرسید شاہِ کیہانم — باز گویم چنانکہ میدانم

ہست رسمے بدین[2] زمین مشہور — کہ رود چوں چراغِ[3] ملک ز نور

بر درِ شہر بامداد پگاہ — حاضر آیند سرورانِ سپاہ

ہر کہ اوّل در آید از درِ شہر — یابد از تختِ پادشاہی بہر

ما چو از نعشِ پادشاہِ کہن — تازہ کردیم رسم کہنہ زبن

پیش دروازہ مردم از حد بیش — کس ز تو پیشتر نیامد پیش

لاجرم ایں ملک شد بتو تسلیم — دیر زی کانِ تست ایں اقلیم

شاہِ نوزیں حدیثِ شادی زاے — در نگنجید در میان قبائے

---

[1] یعنی صاحب اقبال ۱۲ [2] عجب = درین [3] کنایہ از پادشاہ ملک ۱۲

بود چون آفتاب نورانی — تا گہِ شام در زرافشانی

چرخ چون پاره کرد چادرِ روز — روی بنمود ماہِ چرخ افروز

در رسید از حرم وکیلِ سرای — خاک بوسید و ایستاد بپای

خواند شہ را بمیہمانیِ ناز — شہ روان گشت سوی پردهٔ راز

خادم از پیش شمع زر بر دست — شہ بدنبالِ او ز شادی مست

چون درون رفت بتستانی دید — پر مہ و زہره آسمانی دید

ماہ رویان بہر طرف جمعی — آفتابی بہ پیشِ ہر شمعی

چون بدیدند روی فرخِ شاه — لعل و یاقوت ریختند براه

روی تعظیم بر زمین سودند — خِلعِ گلگون بگل برآمودند

ہفت بت بود شاہِ چینی را — ہر یکی قبلہ ماه و پروین را

ہر شب آن را کہ نوبتی بودی — شاه با او نشاط فرمودی

آنکہ زایشان بپایہ والا بود — دلفریبی کشیده بالا بود

آمد و دستِ شاه را بگرفت — ماند شہ در جمالِ او بشگفت

رخ بزیبائی از گل افزون بود — پای تا سر لباسِ گلگون بود

دستهٔ گل بدستِ شاه سپرد — سوی خلوت سرای خویشش برد

رہ نمودش نخست در حمام — تا بمشک و گلاب شست اندام

پس لباسِ سزا [illegible]

پیش بردند تا کشید بہ بر   کرد زانجا ببزم گاہ گذر

از بخور و گل و طعام و شراب   ق   وآنچہ دیگر نشاط را اسباب

ہمہ در بزم گہ مہیا بود   وز بتاں خانہ چوں ثریا بود

شاہ مشغولِ شادمانی گشت   مے بجام آبِ زندگانی گشت

بادۂ تلخ و بوسہ چو شکر   نقل و بادامِ خشک و پستۂ تر

نیمۂ شب بدوستگانی رفت   نیمہ دیگر بکامرانی رفت

شاہِ انجم بزسم ہر روزہ   چوں درآمد بہ تختِ فیروزہ

شہ[1] زخلوت بہ تخت بار آمد   درشہی چوں شہاں بکار آمد

تا بشب دادِ بادشاہی داد   ہرچہ خواہی بہر کہ خواہی[2] داد

باز شہ رفت در سرائے حرم   جُست سروے ز بوستانِ ارم

ماہِ دوشیں کہ تا بنوبتِ روز   ق   بے دمیوہ بود بزم افروز

نوبتے خود بدیگرے بسپرد   نوبتی آمد و ملک را برد

برکفش داد دستۂ سمن   رونق انگیزِ صد ہزار چمن

باز بندِ قبا کشودندش   سوئے گرمابہ رہ نمودندش

رفت و تن شست از گلابِ رواں   رست در پیرہن چو سروِ رواں

---

[1] شہ زخلوت بہ تخت باز آمد   درشہی چوں شہاں بہ ناز آمد

[2] اے ہر چیز کہ خواہش کنی و برائے ہر کہ تجویز نمائی کہ ایں کس لائق آں چیز ست بہماں کس ہماں چیز داد ۱۲

سوئے مجلس شتافت با دلِ شاد | باده می خورد با بتِ نوشاد
همه شب تا به بامداد و پگاه | بود با هم قرانِ زهره و ماه
هم بریں گونه شاهِ هفت اورنگ | دیدشش باغ تازه رنگارنگ
هر بهارے[1] که آمدے به نشست | دستهٔ دادے از گلیش بدست
چوں بهشتم فگند[2] قرعهٔ فال | بود ماهے ز اخترانِ وبال
کاروانِ حرم نمودش راز ق | که همه پرده ها چو کردی باز
ناں یکے پرده به که درگذری | تا نبینی ز چرخ پرده دری
کاولیں خسروے که مارا بود | رازِ ایں بر وے آشکارا بود
کردے اندر نهاں شکر خندے | ویں فسانه بروں نیفگندے
نے بنوبت درآمدے آں ماه | نے بنوبت بدو رسیدے شاه
شاه گفت ایں حدیثِ پنهانی | بازگو بامن آنچه میدانی
خورد سوگندها وکیلِ سرائے | که من آگه نیم ازیں سروپائے
زیں سخن بیش گشت رغبتِ مرد | رفت و آں گفته را بگوش نکرد
چوں دروں شد در آں ارم خانه | دیدارم خانهٔ جداگانه
صنمے دید آفتاب درفش[3] | شقهٔ بر تن از حریرِ بنفش

---

[1] باعتبار حسن وجمال پری پیکران گل عذاراں را بهار گفته ۱۲ [2] حب ـ فتاد
[3] حب ـ برده

دستۂ از بنفشہ داشت بدست — شاہ را داد و کرد ش از بوست

چشمِ شہ چوں بنازنیں افتاد — زاں عجب[1] خواست بر زمین فتاد

نیکواں گرچہ دیدہ بود بسے — زاں نکوتر ندیدہ بود کسے

دلش از عاشقی نماند صبور — زد چو پروانہ خویش را بر نور

ترکِ جادوگرِ فریب انگیز — گفت کآبے بزن بر آتشِ تیز

گردِ میدانِ بارگہ برتست — تنِ شاہانہ را بباید شست

تا نگردد چو گیرمت بکنار — نازک اندامِ من بگرد نگار

کہ مرا نامِ مردمِ دیدہ است — گرد بر دیدہ ناپسندیدہ است

شاہ گفتا کہ چوں بود ہیہات — تشنہ را صابری ز آبِ حیات

سیمبر گفت کز پئے دلِ شاہ — من بگرمابہ می شوم ہمراہ

تا ہما نجا برہنہ روے بروے — ہر دو باہم شویم موے بموے

در زماں خاست شاہ زیں شادی — داد تن را ز کسوت آزادی

نازنیں را گرفت ساعد نرم — عزمِ گرمابہ کرد گرما گرم

نازنیں جامہ را[1] چو بیروں کرد — ہوشِ بینندہ را دگرگوں کرد

روبرو ہر دو چوں شدند بناز — ہر دو جعد افگن[2] دو والک باز

خواست شہ تا درو درآویزد — آب و آتش بہم برآمیزد

---

[1] عجب = نیز جامہ [2] حیلہ ساز و حیا و اتمام او از قسمہ بازی کرشمے از قواہ —

صنمش گفت شحنِ جلوا پیش — خور چشیدن نہ ماند دیگر بیش

بارسے اوّل ز بوسہ بستان داد — پس تو دانی و گنجدانِ مراد

شہ دہن برد سوے پستہ نوش — بوسہ داد و ز ذوق شد بیہوش

چون ز خود زندہ شد بہ بحالی — دید عفریت خانۂ خالی

ماند منزل تہی و ماہ شدہ — زیر و بالا ہمہ سیاہ شدہ

دستش اندر دہانِ خندان ماند — بازوے حسرتش بہ دندان ماند

گشت زاندوہِ سینہ سودائی — باز دیوانہ شد ز تنہائی

از بسے غم کہ اشک ریخت ازو[1] — دیو گرما بہ میگریخت ازو

از تحیر چنان شکست تنش — کہ سخن بستہ گشت در دہنش

خاست از جایگہ چو مدہوشان — گشت پیکر د سو بسو جوشاں

زیرِ ہر گنبدے دواں میرفت — زیں برون آمد و دراں میرفت

ہمہ شب تا جہاں منور گشت — بود گنبد بگنبد اندر گشت

گنبدِ آسماں چو شد بے دود — گشت روشن جہانِ دود اندود

مردِ رہ گم ز روشنائے نور — دیر گرما بہ را بدید از دُور

رفت چون پیش در رہاں بُرود — کہ بخشش نغستہ رہبر بود

بندگانش کہ در گہ و بیگاہ — ہمہ را بودہ اند چشم براہ

---

[1] جن وحشت ۱۲

چوں بدیدند روئے منعمِ خویش | درد دیدند خواجہ را در پیش
ہر یک از بندگاں با آزادی | گریہ می کرد لیکن از شادی
بندہ وارش بپا در افتادند | بوسہ بر دست و پائے او دادند
او ز بس بیخودی و بیہوشی | بر لب افگند مُہرِ خاموشی
پائے تا سر برہنہ بود تنش | پیش بردند از دو پیرہنش
شستد آں جامہ زار زار گریست | وآگہی نہ کہ گریہ از پئے چیست
سوئے ماوائے خویش بردندش | ہر نمط جامہ پیش بردندش
زاں ہمہ جامہائے رنگا رنگ | کرد در جامۂ بنفش آہنگ
جامہ پوشید و برگِ رفتن ساخت | رخت بربست و خانماں پرداخت
شہر بر شہر شد بخانۂ خویش | بیخود از خویش و ز فسانۂ خویش
پدرش رفتہ بود و مادر نیز | وز پئے او گذاشتہ ہمہ چیز
چند گاہے بپردہ بود نہاں | واز ہمہ گفتگوئے بستہ دہاں
بعد دہ سال در خروش آمد | رازِ او خلق را بگوش آمد
کسوتش زاں پس از کلہ تا کفش | بود پیوستہ پرنیانِ بنفش
ہست رنگِ بنفشہ نادروش | دیدہ را نغز و سینہ را دلکش
ترکِ زیبا کہ رو بود چوپوشش | در حریرِ بنفش[1] کن نگہش

---

[1] اے معشوق ماہرو را بلباس بنفش نگاہ کن کہ چوں زیبا آید ۱۲

باغ کو نقش کم زدیبا نیست — بے خیالِ بنفشہ زیبا نیست

خندۂ برق با ہزار درفش — بیں کہ چوں خوش بود در ابرِ بنفش

چوں نگارِ بنفشہ زلف طراز — ق — گفت این داستانِ عشرت و ناز

شہ چناں در برآوریدش تنگ — کہ گلش را بنفشہ کرد برنگ

رفت زاں سروِ سیم زلف بہ تاب — درمیانِ گل و بنفشہ بخواب

صندلی نہادن بہرام روزِ پنجشنبہ در بہشتِ ہفتم در گنبدِ صندلی و نخلِ صندل اندامِ عرب را چوں صندلِ تر برسینہ مالیدن و جامۂ صندل فام پوشیدن

پنجشنبہ کہ صبحِ صندل سائے — صندل آلود چرخ را سر و پائے

روز سعد و زمانہ فرخ بود — نبتش ہم بمشتری مسعود

کرد بہرام با نشاطِ تمام — مشتری وار جامہ صندل فام

ساخت در برج صندلی خانہ — بست پیماں مے بہ پیمانہ

جلوہ گر شد بتِ عرابی زاد — بوسہ بر دست و پائے خسرو داد

شاہ بر روئے آں بہشتی ذات — نوش می کرد سلسبیلِ[1] حیات

---

[1] نام نہریست در بہشت و ابخلہ میدواند شراب حیات برو رود نہریست ۱۲

چوں ہوا در نوشت چادرِ نیل | سرمہ گوں شد زمانہ میل بمیل
داد بیروں بر مژہ جادو بند | کہ پری روئے جادوئے پیوند
شب بافسانہ کند کوتاہ | خواند افسونِ چشم بندیِ شاہ
بہ تواضع نگارِ سیمیں ساق | بازمیں کرد جفتِ ابروطاق
گفت شاہا فلک سریرِ تو باد | دشمن آماجِ زخمِ تیرِ تو باد
ہمہ عمرت ز عید دلکش تر | روزت از روز و شب ز شب خوشتر
آنچہ در گوشِ چوں توئی سنجد | چوں منی را ہوش کے گنجد
لیک چوں ابر پارہ بارانی | پیشِ دریا کنم دُر افشانی
ریخت زیناں بسے چو دُرِّ یتیم | ق گفت وقتے بروزگارِ قدیم

پیچیدنِ بہرام اژدہا وش در قامت چوں درختِ صندل و افسانہ گفتن آں شجرۂ معطرۂ نسیم

بود فرماں دہے بہ ملکِ یمن | کار فرمائے خسروانِ زمن
راستکارے چو سر بستانی | راست گوئے چو صبح نورانی
پسرے داشت ہوشمند و جواں | دل چو دریا و کف چو آبِ رواں
مردمِ چشم بادشائی او | ملک روشن ز روشنائی او

ط جیب = تازہ   ط جیب = بروشنائی

در ہنرہائے روزگار تمام ۔۔۔ رامؔ اور روزگار در اشؔ نام

مادرش رفتہ بود در پردہؔ ۔۔۔ پردہ بر دیگرے رہا کردہؔ

گشتہ در پردہ مادرِ دگرش ۔۔۔ جلوہ گر در عماریِ پدرش

روزے از محرمے چو فرزنداں ۔۔۔ رفت در پردۂ پدر خنداں

دید بانوے شہ بپردۂ راز ۔۔۔ در کنارِ وزیر خفتہ بناز

دو دِ خشم از سرش بگردوں رفت ۔۔۔ دینؔ نادیدہ کرد و بیروں رفت

آں خیانت گرانِ پنہاں خند ۔۔۔ چوں بدیدند رخنہ در پیوند

از مےؔ خوردہ در خمار شدند ۔۔۔ چارہ را رہنمونِ کار شدند

گفت با بانوے ملک دستور ۔۔۔ کہ پسر عاقل ست و شاہ غیور

تا نکردست چاشت شام کنیم ۔۔۔ کارِ او پیشؔ ازو تمام کنیم

چوں شہ آید ترش کُن ابرو را ۔۔۔ پس بہ تلخیؔ خراش کُن رو را

چہرہ پر خوں کن و دو دیدہ پُر آب ۔۔۔ گو جہاںؔ را نگر کہ گشت خراب

پسرِ بد زند بما در چنگ ۔۔۔ ز آسماں چوں فرو نبارد سنگ

آں جگر گوشہ را چناں نہ خار ۔۔۔ کہ شہ از خونِؔ خود شود بیزار

چوں فسوں خواندہ فسوں آموخت ۔۔۔ شمع را کشت و شعلہ را افروخت

۱؎ یعنی مسخر و فرمان بردار ۱۲ ۔ ۲؎ حجب = تا مش رام ۔ ۳؎ اے مردہ بود ۱۲ ۔ ۴؎ در مصرعہ ثانی از پردہ مراد پردۂ خلوت اے پدرش زن نو خواستہ ۱۲ ۔ ۵؎ مے خوردہ مراد ازاں لطف مواصلت و عشرت گذشتہ و در خمار شدن مراد رنجش پیدا کردن ۱۲ ۔ ۶؎ حجب = ازاں ۔ ۷؎ ج = بناخن ۔ ۸؎ ح = جہانے ۔ ۹؎ حجب = مہر خود

رفت زانجا بسوئے مسندِ خاص — مخلصِ شاہ[۱] گشت بہرِ خلاص

ہمچو ابروئے خود سر افگندہ — وابرواں را گرہ بر افگندہ

شاہ گفت اے بکد خدائی من — ق — رونق انگیزِ بادشائی من

درچنیں دولت و فراخی زیست — ایں ہمہ تنگئ دل از پئے چیست

جبہہ را سود بر زمیں دستور — گفت کاے جبہۂ تو مطلعِ نور

تاجہاں ست بر جہاں سر باش — کار فرمائے ہفت کشور باش

منکہ چوں بندگانِ دولت خواہ — پرورش یافتم ز نعمتِ شاہ

نمکت چوں نگیرد م گردن — کہ بدل دارم ایں جگر خوردن

کہ جگر گوشۂ تو بر خوانت — دست بردہ[۲] سوئے نمکدانت

آنچہ در گوشم آمد از کم و بیش — من نمودم دگر تو دانی بیش

زاں نفس کاندر آں چراغ اُفتاد — دودش از سینہ در دماغ اُفتاد

در حرم شد برخ زدہ چیں را — دید پژمردہ سروِ سیمیں را

خونے از ہر مژہ رواں میریخت — آبِ نرگس بر ارغواں میریخت

مو پریشان و رو خراشیدہ — سمن[۳] از برگِ گل تراشیدہ

قصہ پرسید شہ بغصہ و سوز — گفت با نوفسونِ بد آموز

پارہ پارہ فسرود و خواند درست — آنچہ تعلیم کردہ بود نخست

۱؎ جب = خاص   ۲؎ جب = بازو   ۳؎ مراد از سمن رخسارِ سیمیں و از برگِ گل ناخن انگشتہائے خانی ۱۲

ملک آں ماجرائے ابلہ گیر / کرد باور چو ابلہان بضمیر

ماند حیراں کہ حیلہ چوں سازد / کز دل آں غصہ را بپسر دازد

گفت گر تیغ برکشم زنیام / بقصاصِ پسر شوم بدنام

وگرایں غم فرو خورم در دل / درگداز آردم چو نم در گل

چوں دلش تنگ شد ز غصۂ خویش / ہم بدستور گفت قصۂ خویش

خواجہ کاں سوزناکی از وے بود / بدمیدن زیادہ کردش دود

تا رضا داد شاہِ آزادہ / کہ مسافر شود ملک زادہ

سوئے وے با ہزار مخموری / رفت دستور و برد دستوری

کرد روشن جوانِ روشن رائے / کز کجا گشت فتنہ بال کشائے

آں[1] برآں گفتہ ہیچ در نفزود / درجہاں سر زد و رواں شد زود

کوہ می سود و دشت می مالید / درکہ و دشت زاری نالید

قطع شد چوں حوالیٔ شاہش / سہ مہندس شدند ہمراہش

ہمرہاں را باتفاقِ ضمیر / درہم آمیختہ چو شکر و شیر

یکدگر گشتہ ہمدمِ جانی / ہم در آباد و ہم بہ ویرانی

ہر یکے گنج خانۂ ہنرے / ہیچکس را نہ زاں ہنر خبرے

تا یکے روز بافراغِ تمام / خلوتے بود شاں بہ نقل و بجام

---

[1] حب — او

باده در سینه ها بکاوشش بود ‏ راز با باده در تراوشش بود

رام نیز از جراحتِ دلِ ریش ‏ می تراوید حالِ مشکلِ خویش

دوستان کآن حدیث بشنیدند ‏ یار رائے دوست مصلحت دیدند

گفت یک شخص زآنچه[1] من دانم ‏ سرمهٔ در دو چشمت افشانم

گرچه خلقے بهم نشینندت ‏ همه را بینی و نه بینندت

سرمه چون در حجاب دادت جاے ‏ هر کجا هست بے حجاب در آے

با بداندیشِ خود تباهی کن ‏ هر چه خواهی بهر که خواهی کن

چشم زان سرمه چون سیه داری ‏ گریهٔ دود در نگهه داری

رام گفتش که اے پسندیده ‏ بده آن سرمه گفت کز دیده[2]

مرد بینا کشاد حقهٔ نور ‏ سرمه در چشم کرد و شد مستور

سرمه را شست و باز پیدا گشت ‏ هر که نظاره کرد شیدا گشت

رام را سرمه دان به پیش نهاد ‏ منتش بر دو چشم خویش نهاد

دومی گفت من ز راهِ صواب ‏ دانم افسونِ چشم بندی خواب

زان فسون هر کرا بخسپانم ‏ بر نه خیزد دگر بجنبانم

گر بیاموزی[3] آن فسون خوانی ‏ آن کنی بر عدو که بتوانی

رام گفتش که هر چه گوید مرد ‏ گفتهٔ خود تمام باید کرد

---

[1] ح ب = کانچه ‏ [2] اے پسر دو چشم لطف لفظ دیده بر ارباب ذوق سلیم مخفی نیست ۱۲ ‏ [3] ح = بیاموزم

کارواں رقیہ ہم چناں برخواند ‎ ‎ ‎ که در افتاد رام و خفته بماند

چوں شد آں خوابش از دماغ بروں ‎ ‎ ‎ پیشِ دانا درست کرد افسوں

سیومیں گفت کا نخچہ من دارم ‎ ‎ ‎ بر تو ناید من ار چہ بسیارم

بر تو بنمایم آں فسانۂ کار ‎ ‎ ‎ تو خود آنجا برو بیاو بیار

در حدِ مصر خانہ ایست ز سنگ ‎ ‎ ‎ کردہ در وے نگارش از نیرنگ

نقشِ ہر جانور کہ گیری نام ‎ ‎ ‎ در وے از تیشہ کردہ اند تمام

جادوے کاوّل آں رقم دادش ‎ ‎ ‎ در زمانے نہاد بنیادش

کہ شگفتی ز رازہاے جہاں ‎ ‎ ‎ کردہ در زیرِ ہر خیال نہاں

ہر کہ خواہد کہ از کفایت وراے ‎ ‎ ‎ گردد آں پردہ را طلسم کشاے

چشم بر پیکرے نہد یک سال ‎ ‎ ‎ تا بجنبیدن آید آں تمثال

نقشِ سنگیں چو جلوہ در گیرد ‎ ‎ ‎ پیکرش را نمونہ بر گیرد

چوں نشاند نمونہ را بر موم ‎ ‎ ‎ رازِ آں خانہ خود شود معلوم

گرت آں شد کہ ہم نفس باشد ‎ ‎ ‎ در ہمہ کارہات بس باشد

رام زاں ماجرا کہ دانا گفت ‎ ‎ ‎ آنچناں شد کہ تا بروز نخفت

صبحدم چوں ز گنبدِ بے سنگ ‎ ‎ ‎ جلوہ گر گشت پیکرِ ارژنگ

لہ نخچہ = یک بنایت نشانۂ کار ‎ ‎ ‎ لہ حب = دارو ‎ ‎ ‎ سہ اے ہرگاہ نقش سنگیں در جنبش آید نقش آں تصویر بر موم برگیرد ۱۲ ‎ ‎ ‎ لہ ج = ماند خود رازاں کنہ معلوم

شہ اے اگر آں نقش کرے ... [illegible]

مردِ جوینده راه پیش گرفت ‏ رہ سوئے آرزوئے خویش گرفت

جاں ز رنج ار چہ می بیازردش ‏ دل گریباں گرفتہ می بردش

گام می زد بہ شہر و ویرانہ ‏ تا رسید اندر آں صنم خانہ

چوں بہر پیکرے فگند نظر ‏ دید عفریت پیکرے منکر[1]

نظر از وہم برگماشت برو ‏ تا بہ یک سال چشم داشت برو

چوں بجنبید آں مونہ چست ‏ گرمش از موم برکشید درست

چوں بروں آمد از درونِ سرائے ‏ دید آہرمنے ستادہ بپائے

گشت لرزاں ز و درونہ رام ‏ کرد پرسش کہ کیستی و کدام

گفت آنم من ار کنی معلوم ‏ کہ ز سنگم نشاندہ بر موم

رازِ من گر ترا نہ معلوم ست ‏ کوہ سنگیں ز دستِ من موم ست

ہر چہ دشوار تر ہمیدانی ‏ حکم کن تا کنم بآسانی

ہر چہ کم گنجد اندر اندیشہ ‏ نزدِ من ہست کمتریں پیشہ

حاضرم با چنیں توانائی ‏ تا کنم پیشت آنچہ فرمائی

رام گفت ایں زماں ہمی خواہم ‏ کہ بشہرِ پدر بود راہم

دیو گفتش کہ چشم برہم پوش ‏ چوں بپوشید برنشاندش بدوش

گفت بکشائے۔ چوں کشاد نظر ‏ دید خود را درونِ شہرِ پدر

---

[1] سہمگیں و زشت ۱۲

شب نہاں شد بکنجِ پیرزنے ‎ — ‎ زالے و رستمے و اہرمنے

چوں سیاہی شد از سپیدیِ دُور ‎ — ‎ روز بکشاد روزنامۂ نور

شد بدیوان وزیرِ کار آگاہ ‎ — ‎ کامراں گشتہ در ممالکِ شاہ

رامِ در چشم کردہ سرمۂ ریو ‎ — ‎ شد بدیوان ہم عنانی دیو

کرد اشارت بدیو تا برخاست ‎ — ‎ دست را کرد بہرِ سیلی راست

زد قفائے بخواجۂ دیواں ‎ — ‎ کہ برزید زاں طراقِ ایواں

کارداراں ز جائے برجستند ‎ — ‎ سرِ آں حال را ہمی جستند

اندریں گفتگوئے بُد ہر کس ‎ — ‎ کاہرمن باز در دوید ز پس

زد چناں سیلی دگر ناگاہ ‎ — ‎ کز سرِ خواجہ در فتاد کلاہ

چو[۱] ہمی خواست آں کلہ کہ کرد ‎ — ‎ تا ستاند قفائے دیگر خورد

حیرتے در نہادِ خلق افتاد ‎ — ‎ دوست آزردہ گشت دشمن شاد

مردماں از خجالتِ دستور[۲] ‎ — ‎ دُور گشتند یک بہ یک ز حضور

ایں[۳] ز سوائے سیلیش خنداں ‎ — ‎ واں[۴] دگر پشتِ دست رُو دنداں

خواجہ جست از خجالتِ سیلی ‎ — ‎ با رُخِ زرد و گردنِ نیلی

رفت در خانہ ہمچو تنگدلاں ‎ — ‎ رُخ ز مردم نہفت چوں خجلاں

---

[۱] ن = کلہ گرد خوردہ را زاں گرد ‎ ‎ [۲] وزیر ۱۲

[۳] اشارہ ایں بسوئے دشمن وزیر

[۴] اشارہ آں بسوئے دوست وزیر ۱۲

چوں قفا کرد بہرِ بالیں ساز　　دیوش اندر قفا درآمد باز

بازش از ضربتِ قفا خوردن　　در طراقا طراق شد گردن

تا شبِ روز بے امیدِ خلاص　　سیلئے چند شد وظیفۂ خاص

رازِ پنہاں بکوی وراہ رسید　　قصہ در گوشِ بادشاہ رسید

شہ عجب ماند کیں چہ شاید بود　　کآتشے نبود و برآید دود

دست بے[1] و قفا شود سوراخ　　نبود دیو ایں چنیں گستاخ

داد فرماں کہ ہر کجا کس ست　　کش بہ نیرنگِ ناخہا ہوس ست

ہمہ حاضر شوند پیشِ سریر　　تا پژوہش کنند رازِ وزیر

ایں خبر گشت در ولایت فاش　　گفتگوے فتاد در اوباش

ہر کجا بود دیو بندے چست　　کرد دیباچہائے فتنہ درست

آمد و کرد کاردانیِ خویش　　داد بیروں دمِ نہانیِ خویش

ہیچ ممکن نشد کز آں حنانہ　　دیو بیروں شود چو بیگانہ

چوں بکارش زبوں شدند ہمہ　　بخجالت بروں شدند ہمہ

بہرِ کردن وزیر را چارہ　　دیوِ گردن زنش منظارہ

دید چوں کاردانیِ ہمہ خام　　آمد و گفت قصہ رلبا رام

رام چوں دید حالِ خواجہ جناں　　کرد برخود لباسِ پیرزناں

[1] اے عمل جن و پری و ساحری بنا انداں ... بہمہ ... زبیعت دیوبند داعیہ شد ...

صندل آلود روی و برقع بست | وز شناسندگانِ صورت رست

فرصتی جست و رفت پیشِ وزیر | گفت بشنو حدیثِ مادرِ پیر

من هم از دانش این قدر دانم | کز تو این فتنه را بگردانم

لیکن آنگه بود امیدِ فراغ | که توان کرد بر سرینِ تو داغ

گفت با او بعاجزی دستور | کآنچه خواهی کن ار بود دستور

رام گفت آنچه[1] زان شوی بکران | من نه گویم تو دانی و دگران

کرد دستور خانه را خالی | پیشِ او چارپایه شد حالی

رام چون زاوستادیِ فنِ خویش | دید زان گونه حالِ دشمنِ خویش

بر سرینش داغها نهادش گرم | زیرِ لب می‌نمود خندهٔ نرم

سوخت چون خواجه را بطنازی | دیو را باز داشت زان بازی

بس نبود آنکه شد قفایش لعل | جفته را هم در آتش آمد نعل

خواجه بنشست با هزار خوشی | از قفا روی و ز سرین حبشی

گنجی اندر کنارِ رام افگند | چند گه یافت ایمنی زگزند

رام را مادرِ زبانی خواند | بهتر از مادرانِ جانی خواند

محرمِ پردهٔ نهانش کرد | کارفرمای خان و مانش کرد

---

[1] رام که در پیکر زال بود و لقب او ... اختیار کرده بود و بزبه گفت من تاب ... خواهم نمود که ازین مصیبت عظمیٰ برکران باشم و رستگاری یابم ۱۲

او بغارت شد اندر آں بُستاں ——— مُگسے در میانِ خوزستاں[1]

خانۂ پُر ز صد ھزار پری ——— ہر یکے چوں ستارۂ سحری

چوں جہاں سرمہ گوں شدی ہر شام ——— سرمۂ خود بچشم کردی رام

برنشستی بدیو دیوانہ ——— وآمدی سوئے آں پری خانہ

ہر کرا خاص کردہ بودے روز ——— شب شدے برمرادِ خود فیروز

آنکہ بروے گذشتی آں بازی ——— بستہ گشتی لبش بغمازی

نتوانستی آں حکایت گفت ——— کہ درش را درونِ پردہ کہ سُفت

کردی اندیشۂ ز ہر بابے ——— کہ خیالیست ایں و یا خوابے

دُزد گر کیسہ را فرا گیرد ——— خواجہ چوں نگرد کرا گیرد

جا بجا کارنامۂ شبِ دوش ——— لب بہ لب میرسید و گوش بہ گوش

تا چو شد پارہ پرنیانِ ہمہ[2] ——— سخن افتاد درمیانِ ہمہ

پیش کز حملہا[3] سے بے سر و پائے ——— ق ——— فتنہ زائیدہ اندرونِ سرائے

دختراں تن بہ تیغ در دادند ——— خواجۂ خانہ را خبر دادند

کآفتے شد دریں سرا پیدا ——— تیر پیدا و شست ناپیدا

تا ز فتست کار و بار از دست ——— چارۂ کن کہ رفت کار از دست

---

[1] نام ولایت کرشکر آنجا در عمدگی مشہور ست و بعض معنی جاست طعام نیز گفتہ اند ۱۲

[2] مراد از بکارت ۱۲ ——— [3] ج = حیلہ ہاے

خواجه را باز خوں بجوش آمد | جانش از سینه در خروش آمد
گفت باخود که یارب ایں چه بلاست | میہماں نے و خانه پر ز صدا ست
بسکه عاجز شد اندر آں تدبیر | خواست بازیگری ز مادر پیر
پاسخش داد رام زیر نقاب | کاں خیال ست میرسد در خواب
گرچه نامش بدیو افتاد ست | لیک دانم که آدمی زاد ست
دیده را ریو سرمهٔ کردن است | کز نظرہائے خلق در پرده است
گفته باید که تا ببام زمیں | پیش ہر حجره کنند کمیں
میہماں چوں دروں خرامد زود | میزباں پیش در برآرد دود
دود چوں سرمه را بشوید پاک | سرمه کش را نقاب گردد چاک
در ازیں چاره ہم عسر یو کنیم | دیو باشد فسون دیو کنیم
لیک باید که خواجه ناید پیش | تا نه بیند دگر فغار ریش
من ہم امشب بکنج خانه دروں | دفع ایں فتنه را کنم بفسوں
ایں سخن گفت و رفت در خانه | گشت پنہاں بکنجِ کاشانه
شب چو پر دود شد سپہر کبود | دیده تر گشت ماه را زاں دود
رام در چشم کرد سرمهٔ راز | اہرمن را فگند در پرواز
رفت در کاخِ دخترِ دستور | گنج پیدا و نقب زن مستور

لہ ج = صلا

دود برکرد ماهِ آتش روے　　شد کمیناکشاں سوے بسوے

سرمہ چوں شستہ شد زدیدۂ رام　　گشت پیدا رخ چو ماہِ تمام

ہر کہ آں روے چوں پری میدید　　چوں پری دیدگاں ہمی لرزید

ہم دروں تر شدند با ہمہ بیم　　سخت بستند دستہا ے چو سیم

مژدہ بردند سوے خواجہ شتاب　　خواجہ نیز اوفتاد در تگ و تاب

خواست تا سر بروں کند ز رواق　　کز قفایش بیام رفت طراق

ہم چو دزداں گریز کرد ز پیش　　وز قفا گشت دزدِ گردنِ خویش

گفت تا خونش بر زمیں ریزند　　خاک با خونِ او در آمیزند

در دویدند خونیاں بستیز　　از پے خوں کشیدہ خنجر تیز

چوں چناں دید زاد[1] سروِ جواں　　رقیۂ خواب در دمید چناں

آنکہ چوں ابلہاں بر آشفتند　　ابلہی بیں کہ در زماں خفتند

رام بکشاد بندِ خویش ز دست　　ہمہ بندندگانِ خود را بست

ھر کہ آمد بہ بندِ گردنِ مو　　بندِ او شد دوالِ گردنِ او

وانگہے دست را باسترہ برد　　سبلت و ریش جملہ پاک سترد

زاں ظرافت کہ موی در مو داشت　　موی از جا بکی فرو نگذاشت

چوں سزا کرد شاں ظریفانہ　　بہ طریقے گریخت در خانہ

---

[1] زاد مخفف آزاد یا بمعنی پیدایش ۱۲

آسمان چوں سترد طرهٔ تار | خنده بکشود صبحِ سیم عذار
شد دگر بار رام بر قع پوش | رفت در پرسشِ حکایتِ دوش
چوں درآمد به پیش گاهِ وزیر | دید یک خانه پُر ز امردِ پیر[1]
همه را دود[2] رفته بیخ زنده | ریش گم گشته زنخ مانده
پردهٔ هر یکے چو غنچه درید | خود چو گل زیر پرده می خندید
باز پرسید خواجه را زاں راز | بر نیامد رمیده را آواز
بفر پیش کشاده کرد نفس | گفت کاندیشه نیست زیں پس
سرِّ ایں فتنه خواندم از تمیز | کارِ دیوست و دیو مردم ستیز
بستدم آں دیو را چناں بفسوں | که نیاید دگر بخانه دروں
خواجه دل شاد شد ز شادی او | کاگهی داشت ز اوستادی او
چند گه بود و از گزند آزاد | بخوشی داد خوش دلی میداد
چوں دلش گشت زاں بلا بے بیم | تازه شد بازش آرزوے قدیم
خواست از نعمتِ ملک توشه | حقِ نعمت نهاد در گوشه
رام چوں دید کو نهاں کردست | وز جوانانِ ناجواں مردست
در سراپردهٔ ملک به درست | خیره تر شد از آنچه بود نخست

---

[1] ریش و بروت همه‌ها که چوں پاک سترده بود لهذا امرد پیر گفته ۱۲

[2] دود عبارت از ریش و بروت و بیخ از سپیدی چهره ۱۲

در شبے کو بہ بدسگالی بود   ق   خواجہ مہمانِ خانہ خالی بود

رفت ہم بر سترِ پیشینہ   ہمچو گرگے بہ صید میشینہ

در مقامے کہ دخترِ دستور   بود در خوابگاہِ خود مستور

برگرفتش بہ پشتِ دیو نہاد   چوں گلے کش ز جا رباید باد

خواندہ بودش فسونِ خواب بہ پیش   کہ بہ بردن خبر نہ داشت ز خویش

در نہاں خانہ کہ بود سے رام   بود بر رفتہ[۱] منظرے زرّ خام

نشدی مرغ را خرام برو   رام بودی و دیو رام برو

دختِ دستور را در آنجا برد   زہرہ را برجِ جوزا برد

دخترِ نازنیں چو گل بہ بہار   خوبرو ہمچو صد ہزار نگار

غمزہ را تیغِ کافری دادہ   ناز را شغلِ دلبری دادہ

زلفش افگندہ عالمے در تاب   نرگسِ مست در کرشمۂ خواب

خانہ ویران کنِ ہزاراں دل   گبر زنّار بند و سبحہ گسل

چوں در آمد ز خواب چشم کشاد   سو بسو از کرشمہ چشم نہاد

دید جائے کہ ہیچ گاہ ندید   رہ بجائے کہ ہیچ راہ ندید

غرفۂ برین سر بکنگرِ ماہ   کردہ رو سوئے آسمانِ سیاہ

رام را دید و خانۂ معمور   آفتابے ببرجِ خانۂ نور

۱؎ بر رفتہ بمعنی بلند ۱۲

زاں تحیّر ہراسِ جانش بود — بود بخویش جائے آنش بود

دید چوں میزبانِ شعبدہ باز — ق — میہماں را ز بےخودی بگداز

نرم نرمش بدلنوازی گفت — کای شدہ جفتِ تو منِ بےجفت

منکہ پیشِ تو دیو کردارم — آدمی ام نہ آدمی خوارم

دل ہراساں مکن بوہم و قیاس — آدمی را ز آدمی چہ ہراس

میہماں شو دمے بخانۂ من — تا شوی آگہ از فسانۂ من

نازنیں کاں شکر فشانی دید — شربتے ز آبِ زندگانی دید

حیرتِ جاں بروں شدش ز ضمیر — حسرتِ دل[1] شدش گریباں گیر

گشت بر روئے رام عاشقِ زار — دلش از دست رفتہ دست نگار

رام نیز از نکوئی دلِ دوست — با نکو روی دوست شد در پوست

چوں دو دل را یکے شد اندیشہ — جوشش بر زد تنِ ہوس پیشہ

رام کا دل شد آں صنم را جفت — گوہرِ سفتہ بارِ دیگر سفت

دلِ شاں چوں فراغ یافت ز کام — ق — رام را گفت سرو سیم اندام

کاے گرامی جوانِ زیبا روی — ایں چہ جای است دیستی تو بگوی

من کہ ناسفتہ بود گوہرِ من — رخنہ کردی بلولوئے ترِ من

ویں زمانم ز پردہ کردی دور — باز در پردہ چوں شوم مستور

---

[1] اے در دل حسرتِ وصالِ رام پیدا شد

صبحدم چوں بپردہ جویندم — گرنہ بینند پس چہ گویندم

مردنِ آدمی بناکامی — بہتر از زیستن بہ بدنامی

رام گفتش کہ دل مدار غمیں — کہ منم شہریار روے زمیں

دارم اندیشۂ بکارِ جہاں — کایں چنیں گشتہ ام بپردہ نہاں

چوں برافتد نقابِ امیدم — ہم تو روشن کنی کہ خورشیدم

یک سوگند می خورم بخداے — ق آنکہ ہستی بامرِ اوست بپاے

کہ چو خسپم بکار بالشِ خویش — جز تو ہمخوابہ بخویم پیش

زاں وثیقت عروسِ ترساخوی — کرد اندیشہ از دل یکسوی

ہمہ شب با نشاط و شادی بود — با قبادی و کیقبادی[1] بود

صبح چوں تیغ زپردہ بیروں کرد — پرنِ چرخ راپر از خوں کرد

رام بربست ماہ را در برج — خود بروں شد زدرچو لعل زدرج

صندل آلودہ روو بست نقاب — در زماں پیشِ خواجہ شد بشتاب

خواجہ باز از درونۂ نگراں — نعرہ زد چو سوختہ جگراں

کہ بجاں آمدم زغمخواری — میرم ار مردمم روا داری

جگرم گشت دیو را توشہ — چوں تواں زیست بے جگر گوشہ

دیدہ بے مردم[2] ایں چہ بینائی ست — خانہ بے پردہ ایں چہ سوائی ست

---

[1] اے با عشرت شاہانہ شب بسر برد ۱۲

[2] حجب = مردم

مردمی کن کہ من بچشمِ نیاز — مردمِ چشمِ خویش بینم باز

مادرِ پیر گفت دل خوش دار — سینہ ز اندیشہ نامشوش دار

امشب از جست و جوے مادرِ خویش — باز بینی جمالِ دخترِ خویش

خواجہ از استوارئ کارش — خاطر آسودہ شد ز گفتارش

شب چو شد جامِ مہ شراب[1] آلود ق — چشمِ خورشید گشت خواب آلود

رام در خواب کرد چشمِ عروس — خانہ بردش بگاہِ بانگِ خروس

مردمِ دیدہ را چو دید پدر — جاے کردش درونِ دیدۂ تر

چند گہ چوں شد از گزند آزاد — باز نو کرد فتنہ را بنیاد

رام گفتا کہ بیخِ من چو از دست — کینش از دیگراں کشم نہ نکوست

بعد ازیں کارِ او ز سر گیرم — پردہ از روے کار بر گیرم

جست دعوی گری مخالف خوی — زیرک سخت خشم و حجت جوی

داد بیروں بخشم و کینۂ خویش — داغِ دستور سوزِ سینۂ خویش

گفت زیں داغہاے دود اندود — خواجہ را داغِ بندگی نہ زدود

شعلہ چوں بر زند ز خامے او — داغِ او بس خطِ غلامے او

داغِ او از سریں چو بر خوانی — داغدارت شود بہ پیشانی

گر بکوشش زنی دریں رہ گام — ہر چہ او دارد آنِ تست تمام

---

[1] شراب ماہ از روشنی ماہ ۱۲

مردِ روزی طلب ز شادیِ مال — رفت در پیشِ بادشا درحال

چنگ در زد بدامنِ دستور — گفت کز من مشو چنیں مستور

چوں غلامِ منی و حلقہ بگوش — خواجہ بشناس و خواجگی مفروش

قیمت خود بدامنم زر دکن — خواجہ را نیز بندۂ خود کن

کارداران شاہِ راد[1] پرست — بہ پژوہش زدند بروی دست

کانچہ ملکیتش روا دارے — ملکِ تو باشد ار گوا دارے

مردِ حاضر جواب گفت کہ من — شیرخوارہ خریدمش بہ یمن

پرورش کردمش چو فرزنداں — تاش نوز و ز عمر شد خنداں[2]

چوں جواں گشت خویش را شناخت — بادغا پیشگاں دغامی باخت

کارِ ایں کز فراخ مزدی بود — حقہ بازی[3] و مہرہ دزدی بود

چوں بہر جا گر فتمش خفتہ — کردمش داغ جفتہ[4] برجفتہ

گر فتد برگوا حوالۂ من — داغِ او بس بود قبالۂ من

خلق زاں خار خارِ[5] بے آزرم — سر فگندند چوں بنفشہ ز شرم

خواجہ چوں دیدکش بپردہ راز — نامہ باز ست و حرفہا[6] غماز

بندہ گشتش زراہِ دانائی — معترف شد بوہ[7] نہشم رسوائی

---

[1] راد بمعنی سخی و شجاع ۱۲ [2] اے تا آنکہ عمرش بحد بلوغ رسید و نشاط انگیز شد ۱۲

[3] اے قمار وغیرہ می باخت ۱۲ [4] جفتہ بمعنی سرین ۱۲ [5] خصومت بے صلح ۱۲

[6] مراد از حرفہا داغہائے سرین ۱۲ [7] حجب = بہ بیم

درمیاں آمدند مردے چند — کار دانانِ مصلحت پیوند

صلح کردند با توسطِ حال — قیمتِ خواجہ را بہ مبلغ و مال

خواجۂ خواجہ ہم بداں زودی — گشت زانجا رواں بخشنودی

چند گہہ رفت و باز خواجۂ خس[1] — کام دل را بسر فگند ہوس

رفت چوں با دو بادہ کش می بُو — درحرم باحرام خوش می بود

رام گفت کہ چند کوشیدم — کانچہ پوشیدنی ست پوشیدم

لیک چوں خواجۂ مخالف و شوم — ق — کوز شہوت شدہ است نامعصوم

گشت لابد فضیحہ بر جانم — کاں کنم بر سرش کہ بتوانم

چشم میداشت ہم بریں تدبیر — تا برآماج گہہ رساند تیر

تا یکے روز بود ہم درپے — خواجہ با غمگسار و شہ در مے

شحنہ در کوے می شمرد خراج — وزدی کرد قلعہ را تاراج

فرصتے یافت رامِ فرصت خواہ — برقع افگند و شد بخدمتِ شاہ

پیش ازاں خود بیازی دستور — شاہ را گشتہ بود خاص حضور

بارہا در شدی بمجلسِ خاص — گہہ نوازن شدی گہہ رقاص

گاہ کردے بغمزہ عربدۂ — گہہ نمودے بپردہ شعبدۂ

چوں فرآں روز ہم بہ بہروزی — کرد ہر گونہ مجلس افروزی

---

[1] خس یعنی کمینہ ۱۲

گفت شاہا بہ بیں کہ من بفسوں — بازیٔ میکنم ز پردہ بروں

در فسوں شد عجوزِ شعبدہ باز — داد افسونِ خواب را پرواز

تا بخلوت سرائے عیش و سرور — بانوئِ شہ بخفت با دستور

پس اشارت بسوے دیو نمود — کہ برآں خفتگاں دوید چو دود

خواب شاں خود در بودہ بود چو بخت — دیو ہم در ربود شاں با تخت

پس بہ پیشِ ملک برابر داشت — رام زانجا حرارہ[۱] برداشت

چوں نگہ کرد شہ چہ بیند باز — حرمش با وزیر خفتہ بناز

از نوائے ترے ترانہ زناں — ہر دو برخاستند نازکناں

چوں کشادند چشمِ بستہ زخواب — شاہ دیدند و بزمگاہِ شراب

محرماں سر بخود فرو بردند — مجرماں خود زخیرگی مردند

شاہ در خشم شد ز مادرِ پیر — گفت کای زرق سازِ پُرتزویر

گر تو در پردہ بازئے بازی — لعبت از پردہ ہائے من سازی

بر تو گر آشکار شد کارے — در نہاں باز گو مرا بارے

نہ چناں کز گزافِ خود رائی — اینچنینم کشی بہ رسوائی

آں کنم بر سرت بپردۂ راز — کت بگردید سپہرِ لعبت باز

رو کنوں تا زکارسازیٔ خویش — باز مانی زخواب بازیٔ خویش

---

۱ حرارہ بمعنی نعرہ و آواز ۱۲

این سخن گفت و کرد اشارت تیغ | تیغ زن تند در رسید چو میغ
چون چنان دید رام بر تیغ بند | برگرفت از قمر نقاب پرند
شہ چو چشم اندران جمال انداخت | صندل آلودہ بود رخ نشناخت
قدرے آب جست و رخ را جست[1] | تا بدر روشناختش بدرست
نعرۂ زد چو سوختہ جگران | گریہ افتاد نیز در دگران
رام برخاست باد و دیدۂ تر | رفت غلطان بزیر پائے پدر
پدرش گرم در کنار گرفت | فرقش از دیدہ در نثار گرفت
آنکہ ہجران شان زہم بگسست | ہر دو خون گرم بود در پیوست
تا بدیرے بہم در افتادند | بوسہ بر دست و پائے میدادند
چون دو دل را بہ بہترین بختے | داد شد داد آرزو سختے
ماجرائے کہ بود در دل رام | اندک اندک فرو خواند تمام
آن نہ مادر و بال دیدن خویش | وان بہ تہمت سفر گزیدن خویش
قصۂ کحل و چشم بندیٔ خواب | بازیٔ دیو آدمی بہ نقاب
وان بشہر اندر آمدن مستور | حملہ بردن بسیلیٔ دستور
وان بداغ سترین گذاشتنش | پس بدان داغ بندہ ساختنش
سرگذشتے کہ داشت چون ہمہ گفت | شہ ز شادی چو برگ گل بشگفت

---

[1] جست = شست

آں دو نو فتنه را کهینِ کهن | هم بدو داد کاتخدائی کن
رام زانجا که بود با آزرم | بود بر سر فگنده دامنِ شرم
داد شاں توشهٔ فراخورِ خویش | پس بروں کردشاں ز کشورِ خویش
دخترِ خواجه را نشانده بمهد | برد و آمد بروں ز عهدهٔ عهد
شاه نیزش چو دید کار آگاه | بولی عهدیش نشاند[1] پگاه
رام به نشست بر سریرِ بلند | کارها را بنائے تازه فگند
بود صندل چو سرِّ اسرارش | صندلی شد نمونهٔ کارش
تختِ والا ز چوبِ صندل ساخت | کرسیش نیز صندلی پرداخت
داشت زاں پس همه به صلح و جنگ | علم و چتر و جامه صندل رنگ
رنگِ صندل لطیف تر باشد | تریش دفعِ دردِ سر باشد
زآبِ صندل بتاں که رخ شویند | زو طراوت برنگ و بو[2] جویند
رنگِ خوباں خوش ست صندل فام | خوش بود سروِ صندلیں اندام
چوں ز لب ریخت سروِ صندل سود ق | شربتِ صندل و گوارشِ عود
شله سینه بسینه کردش جفت | صندل آلود سینه را بنهفت

معطر کردنِ بهرام روزِ آدینه بهشتِ هشتم را و در گنبدِ کافوری

---

[1] جب = نهاده کلاه   [2] ج = به رنگ درد

با بزم آرای خوارزمی لباسِ خیر الثیاب الابیض پوشیدن

روزِ آدینه کز خزانهٔ نور | سر برون زد شمامهٔ کافور
کرد بهرام با هزار امید | جامهٔ کافور فام چون ناهید[1]
لب پُر از خنده چون گلِ سوری | شد بگنبد سرای کافوری
به لطافت نگارِ خوارزمی | کرد ترتیب رونقِ بزمی
خدمتِ خاص رامیان بربست | همچو هندوی آفتاب پرست
از لب جام و جام لب بر پی | گاه می داد گه گوارشِ می
شاه با آن بهارِ دیده فروز | باده می خورد تا بآخرِ روز
شب چو خورشید بست پردهٔ تار | شد فلک پر ز صد هزار نگار
رونقِ عیش بی مدارا کرد | رغبتِ هر شب آشکارا کرد
گفت با آفتابِ سیمبران | تا سگالد فسانه چون دگران
نازنین چشمهای خواب آلود | در کفِ پای شاهِ عالم سود
گفت کای خسروِ زمین و زمان | زیرِ فرمانِ تو همین و همان
تا سپهرِ بلند برپای است | ق | نورِ خورشید عالم آرای است
در جهان مملکت فزائی کن | پادشا باش و پادشائی کن

---

[1] ناهید ستارهٔ زهره که بر فلکِ سوم تابد ۱۲

چہ بود تحفہ مورِ بے جاں را | کہ کند پیشکش سلیماں را
لیک چوں دستِ من تہیِ عطاست | کرمِ شاہ پردہ پوشِ خطاست
نقد کم سکۂ راعیار دہم | کاسدی را رواجِ کار دہم
از بزرگی و دانشِ آگاہی | ق این شنیدم کہ پیش ازیں گاہی

افسانہ گفتن لعبتِ کافوری بر تنقورِ مزاج و آتشِ بہرام را بآبِ کافور اشتعال دادن

در ختن بود فیلسوفے چست | رازہائے ستارہ کردہ درست
خامہ بر تختۂ فلک راندہ | واں ہمہ تختہا فرو خواندہ
وقتہائے شناختہ بہنفت | کہ درآرد جماد را در گفت
راست کردے برہمنونِ حکیم | صورتی زآہن و مس و زر و سیم
گہ نمودی نہفتہ ہائے جہاں | کردی آگہ زرازہائے نہاں
ساختی مرغ کآمدی بہ نوا | بر پریدی چو جانور بہوا
تیزیِ خاطرش کہ موی شگافت | وقتی از وقتِ آسماں دریافت
ساخت از روی مس یکی تمثال | کہ بجنبد و پچیز ہائے محال
چوں شد آراستہ نمونہ چست | آزمونش نمود و یافت درست

ن—کہ نمود سے

پیش فرمانده دیارش برد — هنرش گفت بعد ازاں بسپرد

کرد شه نیز آزمونِ هنر — واں هنر یک یک آمدش بنظر

داد سازنده را خزینه بسے — کاں خزینه نداده بود کسے

پس بفرمود کاں صنم بشتاب — برکشیدند پیشِ صفهٔ خواب

چوں ز هر کار و بار پرختی — چشم بر روے گماشتی لختی

باز گفتے حکایتے ز محال — در زماں خنده کردی آں تمثال

خوی آں بادشاه بود چناں — کز عروساں کشیده داشت عناں

خوانده بود از کتابِ دانایاں — که ندارد فریبِ شاں پایاں

خوی شاں خالی از جفا نبود — در دلِ سختِ شاں وفا نبود

همچو آئینه در مقابلِ شوے — آهنیں دل بوند و روشن روے

روزے از میلِ زن شده بنفیر[1] — ماجرا باز گفت پیشِ وزیر

پاسخش داد مردِ کارشناس — که خزینه خطا بود بے پاس

مرد جائے که هوشیار بود — بازنشس فتنه را چه کار بود

عسسِ کوے تا بود بیدار — کفِ دزداں کجا رسد بحصار

چوں ببازار خواجه مست افتاد — زشت باشد ز کیسه بُر فریاد

تو جوانی و طبع پیرت نیست — از نشاطِ حرم گزیرت نیست

---

[1] نفیر بمعنی متنفر لیکن دریں صورت بمعنی فریاد آمده

شاہ کز نسل بے عطا باشد — ملک بے وارثے خطا باشد

بہ کہ جوئی درآرزو راہے — در شبستاں درآوری ماہے

بر یکے نیز بس مکن زنہار — کز یکے[ب] کشت سہل خیزد بار

پادشاہی[ل] تو کم مشو زخروس — کہ جدا بنود از سہ چار عروس

جفتِ خود کن کسے کہ باید کرد — آزموں کن چنانکہ شاید کرد

آنکہ نیک ست خاص کن بہرِ خویش — دیگراں را بروں کن از درِ خویش

کردشہ آں فسانہ را در دل — شد بدنبالِ لعبتانِ چگل[ج]

بازمی جست در ولایت و شہر — خبر از مردمانِ دانش بہر

تاکہ دارد ز خسروانِ جہاں — روے پوشی[ک] بپردہ ہائے نہاں

چوں نشاں یافت زاں نشانہ کہ خواست — ق — وآگہی راست گفتنش از چپ و راست

نامزد کرد کاردانان را — ہوشمندان و مہربانان را[ج]

ہر یکے را بسوئے تاجورے — کار داز سلکِ نسبتش گہرے

باز روجامہ وجواہر و طیب — خدمتے ہا وچیز ہائے غریب

وانگہی زاں نمط کہ فرماں بود — ہر یکے[ل] جانبے رواں شد زود

می نوشتند روز و شب راہے — سوئے ہر شہریاری و شاہے

... بار سہل خیزد اسے غلہ اندک پیدامی شود ۱۲ — [ل] حجب = بادشاہی مباش

... شہریست حسن خیز در ترکستان ۱۲ — [ک] اے دختر صاحب عصمت ۱۲

... ج = خردہ کاراں — [ل] حجب = ہر یکے

در پسِ پردہ رازمی جستند ۔۔۔ جستۂ[1] شاہ بازمی جستند

تا رواں شد بکار خانۂ بخت ۔۔۔ چار دختر ز چار صاحبِ تخت

باز گشتند خوش دل و خنداں ۔۔۔ کام حاصل امید صد چنداں

در رسیدند و پیشِ شاہ شدند ۔۔۔ بزمیں بوسِ بارگاہ شدند

تازہ کردند شرطِ مسند بوس ۔۔۔ پیش بردند مہدِ چار عروس

شاہ زاں خدمتِ پسندیدہ ۔۔۔ بارِ منت نہاد بر دیدہ

ہر یکے را بہ زر توانگر کرد ۔۔۔ پایہ شاں زآنچہ بود برتر کرد

پس فرستاد با تنعم و ناز ۔۔۔ بانواں را درونِ پردۂ راز

شاہ را بود کوشکے چو بہشت ۔۔۔ کنگرِ او بر آسماں زدہ خشت

راست کردہ بہ نسبت دہ سنجا ۔۔۔ چار جانب عمارتے چو نگار

یک طرف باغ۔ زیرِ سایۂ شاخ ۔۔۔ رودِ آبے رواں بزرگ و فراخ

نردبانے ز کاخ بردہ فرود ۔۔۔ کہ روو شاد در کرانۂ رود

کرد از جانبِ دگر گزرے ۔۔۔ باز کردہ بپائگاہ[2] درے

نردبانے بزیر بردہ کہ شاہ ۔۔۔ سوئے آخور[3] شود گہہ و بیگاہ

سومی زاں علف سرائے شتر ۔۔۔ اندروں و بروں ز تختی پر

---

[1] اسے مطلوب ۱۲ [2] پائے گاہ مرکب از پا کہ معروف ست و گاہ یعنی جگہہ۔ اے جائے پا ... چار پایان فارسیان ... ۱۲ [3] آخور یعنی اصطبل ۱۲

زد بانے دگر کشیدہ بزیر | تا رسد بر شتر نوازش شیر[1]
چار می سوے کار خانۂ مے | ساقیانِ چو مہر و مہ در روے
راست کردند برگِ خانہ تمام | چار بت را درونِ چار مقام
شب چو پیرایۂ عروساں بست | راہِ فریاد بر خروساں بست
خاست از بارگہ ملک بشتاب | رفت سوے نگار خانۂ خواب

داد فرماں بساط بوساں را | کاوریدند نو عروساں را
آمدند آں شکر لباں رو پوش | گیسوے عنبریں کشیدہ[2] بدوش
مقنع[3] ناز در کشیدہ بہ فرق | فرق تا پا میانِ گوہر غرق
ہمہ فربہ سریں و موی میاں | از خرامش میان شاں بزیاں
دُر و یاقوت شاں بگوش بسے | لیک یاقوتِ شاں نہ سُفتہ کسے
زلفِ شاں مشک بر سمن بیزاں | زیر ہر موے صد دل آویزاں
نرگسِ مستِ شاں بفتنہ و فن | پارسا سوز بلکہ توبہ شکن
ہر یکے شوخے و ستمگارے | خانہ ویراں کنے و خونخوارے
شہ چو دید آں چہار چشمۂ نور | گشت ہوش و صبوری از وی دور
ہر یکے را بہ لطف بالا خواند | پہلوے خویش بر سریر نشاند
کرد لختے بہ لعبہ و بازی | با فسوں خوانندگاں فسوں سازی

---

[1] مراد از بادشاہ ۱۲ [2] حجب = افگندہ [3] چادر باریک کہ یک عرض باشد ۱۲

پس یکے زاں چار لعبت چیں — از پئے خواب گاہ گرد گزیں

دیگراں خاستند با صد ناز — در شبستان خود شدند فراز

شہ چو گل را ز خار خالی یافت — وانچہ صد سال جست حالی یافت

با شکر خندہ شد بشیرینی — در گل افشاند دست نسرینی

گاہ بر سیب سادہ سود انگشت — گہ درآورد نار تر در مشت

ناگہاں در میانِ لابہ و لاغ — ق — کہ گل و میوہ می ربود ز باغ

داشت لختے بکف گل خوشبوی — سرو گل روی را بزد بر روی

نازنیں شد ز نازکی بیہوش — شاہ کاں دید بر کشید خروش

زاں عمل کز خرد نبودش دور — خندہ زد لعبتِ طلسم[۱] از دور

شاہ لختے بخویش باز آمد — بارش اندیشۂ فراز آمد

چوں از آں بیخودی صنم برخاست — نظرے افگند در چپ و راست

چشم ناگہ فتاد بر زبرش — وآمد آں نقش فتنہ در نظرش

دید روئینہ پیکرے بر سر — راست کردہ بکیمیائے ہنر

زیرِ مقنع فرو نہفتہ جمال — گفت نامحرم است ایں تمثال

آں نوآئیں خیالِ قہقہہ زن — باز زد خندہ باز کرد دہن

بادشاہ از دلِ خیال اندود — در عجب ماند کیں چہ خواہد بود

لہ: [illegible] وقت بر خندہ

بود تا روز با صنم بہ نشاط — رازِ دل را فرد[1] نوشتہ بساط

گشت چوں لعبتِ فلک خنداں — کرد پنہاں عروسِ شب دنداں

آفتابِ شبانہ راشہ مود — جا بہ برجے کہ سوئے آخر بود

وآنچہ نزلے عروس راشاید — شد مہیا چنانکہ می باید

پس بہ فرمود با وکیلِ سرائے — شد بسرِ دگر سریر آرائے

خود چو شاہاں برہنمونیِ بخت — ق — با عروسِ دگر نشست بتخت

دید مردم کشے بناز و خوشی — بوسہ بازی نمود و زلف کشی

ناگہانش کشید در آغوش — پشتش از شقہ[2] کرد قاقم[3] پوش

باز قاقم چو شد نہادِ برد — خار خارے درا وفتاد برد

تہ دامانِ شقۂ بے صبر — جست زاں تہ چو برقی از تہ ابر

گفت کانگار گشت پشتِ مرا — موے قاقم خلید و کشت مرا

باز شد پیکرِ ہنر خنداں — شاہ را شد خیالِ صد چنداں

تازہ کرد از طریقِ دم سازی — با غلط یازِ خود غلط بازی

گفت کاحسنت شاد باش آں تن — کہ بود موے قاقمش سوزن

چوں تنت از لطافت افزوں ست — رو در آئینہ بیں کہ تا چوں ست

---

[1] اے راز دل در دل نہاں داشت ۱۲

[2] شقہ بمعنی پارچہ و جامہ و کاغذ وغیرہ و در منتخب بمعنی جامۂ پیش شگافتہ ۱۲

[3] قاقم بضم قاف دوم جانوریست کہ پوستش بغایت سفید و ملایم باشد و ازاں پوستین سازند ۱۲

دو صنم در گرفت شیوهٔ شاه — آینه برگرفت و کرد نگاه

شاه رو برد سوی پهلوی خویش — تا در آئینه بنگرد رویش

چون صنم عکس شه در آئینه دید — بادشاه دگر معاینه دید

روی بنهفت کین کدام کس ست — کش بدیدار چون منی هوس ست

در چنین روی کز مهی کم نیست — جز تو عکس تو نیز محرم نیست

باز در خنده شد خیالِ حکیم — دلِ شه گشت زان خیال دو نیم

با صنم هیچ زان خیال نگفت — کام دل راند تا به روز نخفت

قندزِ[1] شب چو مه فگند ز دوش — گشت سلطانِ صبح قاقم پوش[2]

قاقم اندام را اشارت کرد — تا شود سوی پرده راه نورد

جایگاهش بمنظری فرمود — که رهش سوی ساربانان بود

اتفاقش چنان فتاد آن روز — که بود هم بروز بزم افروز

سوی ماه را بحضرت خواند — پیشِ خود با هزار ناز نشاند

گلشنی بود پیشِ منظر خاص — بلبلی گرد هر گلی رقاص

حوضه در میانش بسته ز خشت — هشت در هشت همچو جوی بهشت

---

[1] قندز بفتح قاف و سکون نون و ضمه دال و زاء معجمه نام ولایتے قریب ختلات و آنجا روباه سیاه بهم شد به سگ و مجازاً پوست آن را نیز گویند از برهان و سراج و کشف و در لغات ترکی نوشته که قندز نام ولایت ست بیانش و به شکل و جانور آبی که پوست او بغایت گرم بود. انتهی مع

[2] مصرع اینکه آفتاب برآمد ... صبح

ماہیاں در میانش بازیگر — ہر یکے را بگوش حلقۂ زر
کشتیِ ساختہ ز پارۂ عود — چوں مہِ نو در آسمانِ کبود
لعبتے چند کردہ دروے ساز — چوں بدریا مسافرانِ جہاز
گشت لختے بہارِ سوسن بوے[1] — در تماشائے باغ و سبزہ و جوے
چوں ز گلشن بحوضِ گلشن دید — چشمِ ماہی فسانخ در روشن دید
در زماں روے زآستیں بنہفت — ق پس بناز و کرشمہ باشہ گفت
کیں ہمہ ماہیاں در آتش ریز — کہ نگہ می کنند بر من تیز
من کہ از چشمِ مادہ پرحذرم — آنکہ نر شد چرا کند نظرم
ایں سخن باز کاں خیال[2] شنید — خندہ برداشت کاں محال شنید
ملک آں خندہ را غلط نشمرد — لیکنش ہم بخندہ بیروں برد
گشت باز از رہ فسوں خوانی — با پری چہرہ در سلیمانی
چوں ہوا از طریقِ عیش دمے — خندہ و لاغ با چنیں صنمے
صنمِ لالہ رخ دگر بارہ — بر سرِ حوض شد بنظارہ
باد ناگہ بسوے کشتی تاخت — واں ہمہ لعبتاں در آب انداخت
چوں نگہ کرد غرق گشتنِ شاں — ق واں ز سر آب برگذشتنِ شاں
لرزہ در شخصِ نازنیں افتاد — کز چناں لرزہ بر زمیں افتاد

---

[1] مراد از معشوقۂ سوسن بو ۱۲ [2] مراد از ہماں پیکر طلسمی ۱۲

باز در خنده شد طلسم جهان | که فلک از دست رفت عنان

لیک چون بُرد دل نگارے داشت | وانگه از تار دل غبارے داشت

زد بروے بت رسیده گلاب | تا دو چشمش کشاد و گشت ز خواب

بس نقل و شراب جان افروز | بود با او بجوش دلی همه روز

آخر آن ماه روے روز نشین | خواست کش منزلے شود تعیین

گشت فرمان کش آورند فرود | در رواقے که بود بر سر رود

ماه چون زد بر آسمان خرگاه | گشت شب پرده دارِ خرگهِ ماه

شاه در خرگهِ نشاط نشست | ماهِ چارم میان بخدمت بست

با هزاران هزار زیور و زیب | شد روان تا بروز شاهِ شکیب

دید چون مسندِ جهانداران | خاک بوسید چون پرستاران

بر زمین کرد پاے خدمت سخت | تا نخواندش نرفت بر سرِ تخت

سر براهِ فگندگی می داشت | جان به تسلیمِ بندگی میداشت

بود در پایهٔ رضا طلبی | نه چو دیگر بتان به بوالعجبی

تا فروزنده شد جهان را ماه | بود پاے پرستِ خدمتِ شاه

صبح چون برگرفت جامِ شراب | زنگیِ شب ز جرعه گشت خراب

شد بفرمانِ شاهِ سرو جوان | سوے برجِ شراب خانه روان

ے مراد از معشوقهٔ [illegible]

گشت زاں چار ماہ حور سرشت | کوشکِ چار سو چو ہشت بہشت
پس برافروخت شہ زشادیِ مغز | داد با خویشتن قراریِ لغز
کہ بود بعد ازاں بہر ماہے | ہفتہ مہمانِ ہمرماہے
باسہ ہمخوابہ زعیشش خوش بود | دلش ازچارمیں مشوش بود
گفت ہست آں سہ دُرز درجِ گراں | نازپروردِ تختِ تاجوراں
چارمیں تخت را نہ درخور دست | چوگدایانِ رنج پرور دست
ہرکرا پرورشش بناز بود | نازنین و کرشمہ ساز بود
وانکہ خود را کسے نداشت عزیز | چاپلوسی کند بسانِ کنیز
دستش آسود بر چنیں غلطے | برخطِ راست برکشید خطے
باسہ بانو سہ ہفتہ بودے شاد | ازچارم گہے نکردے یاد
یکشب از جامِ بادہ مست خراب | خفتہ بود اندرونِ خانہ خواب
درکنارآں بہارِ دیدہ فریز | کزگل آزردہ شد نخستیں روز
چوں درآمد زخواب یافت تہی | بسترِ خواب راز سروِ سہی
سر برآورد و دید درچپ و راست | چوں ندیدش زخوابگہ برخاست
سوئے ہر منظر و رواق دوید | رفت وآنرا کہ دید نیست ندید
ہر عمارت کہ رفت بر سراو | دید قفلے نہادہ بر درِ او

ل حجب = کز ل جب = دے

بر درِ نرد بان چو رفته فراز   دید قفلش فتاده و در باز
برگرفت از سران[1] خود شمشیر   وز سرِ نرد بان دوید بزیر
خویشتن را نهفته داشت درون   وز پسِ در نظر فگند بروں
دید خربنده[2] زنگیِ سرمست   ق   از سرِ خشم تازیانه بدست
بر تنے کز گلش رسید آزار   میزد آں تازیانه را هربار
بانگ میزد برآهواز شیرے   کہ چرا ماندهٔ بدیں دیرے
او همی گفت نرم نرم کہ شاه   تا نخسپد چگونه گیرم راه
شه چو بشنید ماجرائے عروس   سرخ گشت از غضب چو خونِ خروس
آمد اندر دلِ خسرو بنیاد   خندهٔ لعبتِ[3] طلسمش یاد
خواست کز کنجِ در بروں تازد   هر دو را سر بدامن اندازد
لیکن اندیشه کرد در دلِ خویش   ق   کیں دو را گر سر افگنم در پیش
لعبتانِ دگر شوند آگاه   من باسرارِ شاں نیابم راه
باز پس گشت هم بداں تدبیر   رفت و در خواب شد بروئے سریر
یافت چوں بانواز حریف خلاص   آمد او هم دروں به بسترِ خاص
چوں رها شد ز دیوِ[4] ظلمت حور   گشت زاں حور عالمے پر نور

---

[1] سران اے بالیں ۱۲   [2] خربنده اے خادم و سائیس خر ۱۲   [3] لعبت = صورت
[4] عبارت از طلوع صبح

شاہ منزل بہ برجِ دیگر کرد | ماہِ آں برج را منور کرد
بادہ میخورد با شکر لبِ خویش | راز را مہر بست بر لبِ خویش
منتظر تا بشب کے[۱] آید روز | گو شود بر مرادِ خود فیروز
رفت خورشید چوں بہ برجِ خاک | مہ برآمد بہ تختۂ افلاک
شاہ پیشِ عروسِ شاہ پرست | بہ تکلف نمود خود را مست
بے خبروار سر بہ بالش برد | دردِ دیدہ بقفلِ خواب سپرد
چوں گذشت از شبِ سیاہ دو پاس | نازنیں را بدل نماند ہراس
خاست از پہلوے ملک بشتاب | سوے منظر دوید چوں مہتاب
گشت در دستِ نفسِ فتنہ زبوں | درِ بیروں کشاد و رفت بروں
سارباںے در آں سراے شتر | بود رہ جوے آں طویلہ[۲] در
آنچناں صیدے[۳] آمدہ بنشاط | وز پلاسِ شتر فگندہ بساط
چوں صنم در رسید جست ز جائے | زلف بگرفت و او فگند ز پائے
پس بزورش در آورید بزیر | بر سرِ خارہائے چوں شمشیر
پشت کز قاقمے نگارش بود | تکیہ بر دو رباشِ خارش بود

---

[۱] اے روز کے شب شود ۱۲ [۲] طویلہ در اصل بیاے معروف ست لیکن فارسیان بیاے مجہول نیز استعمال کنند و آں رسنے دراز باشد کہ میداں پاے چند اسپاں می بندند و مجازاً بمعنی مکان و عمارت کہ در آں اسپاں را نگاہ دارند و طویلہ بمعنی سلک و رشتۂ مروارید نیز آید و اینجا مراد از طویلہ دز معشوقہ دویم ۱۲
[۳] سارباں دید کہ آں چناں صید بہ نشاط تمام می آید پس از پلاس شتر کہ سخت و درشت باشد فرشش طیار کرد ۱۲

شاہ آں آفتاب را در حال — رفت پویاں چو سایہ در دنبال
چوں تنِ نازکش بدید چناں — گشت مو بر تنش ز غصہ سناں
غیرتش گرچہ بود پردہ شگاف — نیز نشگافت پردہ را بگذاف
سر کشید از وفای ہمسرِ خویش — رفت و در کرد سر بہ بسترِ خویش
ہمسرش کز برش جدائی یافت — آمدہ نیز چوں رہائی یافت
صبحدم کیں عروسِ روشن چہر — آشنا ور شد از محیطِ سپہر
شاہ زاں بت رہِ جدائی جست — با بتِ دیگر آشنائی جست
شد سوئے برجِ آب راہ گرائے — کرد چوں مہ بہ برجِ آبی جائے
با نوئے آب[۵۱] دار روشن روئے — ریخت در ساغر آبِ آتش خوی
شاہِ گیتی بکار آب نشست — در دلِ دشمن آبگینہ شکست
خوش کسے کاندریں کہن دولاب — آب جوش[۵۲] خورد زیں رہِ بے آب
کاب نہ ہر بجس یکے کوزہ — شیشۂ آب گونِ فیروزہ
بود تا شب مجلس آرائی — با مہِ تنگ چشمِ یغما[۵۳]ئی
آرزو در کنار و مے در جام — بہ ازیں دولتے کجا و کدام
ریخت چوں ایں سفالِ ریحاں بوے — ق — چشمۂ آفتاب را لب جوے

---

۵۱ حجب = آتش — ۵۲ آب جوش خوردن اے مراد خورش حاصل کردن ۱۲

۵۳ منسوب بہ یغما کہ شہریست حسن خیز در ترکستان ۱۲

بازشه پیشِ ماهِ زرق فروش | خویش را مست ساخت چوں شب دوش
سر بہ بالش نہاد بیخود وار | چشم پوشیده و دلش بیدار
چوں ز شب نیمهٔ تمام گذشت | مردماں را تگِ خرام گذشت
صنم از خوابگاه رفت فرود | جامہ بیروں کشید بر لبِ رود
پیش ازاں رفته بود گاهِ فراغ | کرده پنہاں سبوئے اندر باغ
بست و زیر کرد و راند بر آب | چوں گلے کو کند مراغه[1] در آب
چوں یک آماج[2] رفت زانجا دور | ملک از غیرتش نماند صبور
جامہ بیروں کشید و هم در پے | شد بدنبال در نظارهٔ وے
چوں گذارا[3] رسید لعبتِ سیم | کرد جاں را بکامِ دل تسلیم
هندوئے چوں سگانِ آهوگیر | در کمیں بود بہرِ آں نخچیر
چوں تمنائے خویش در بر یافت | ق | و آنچناں ماه بے قصب[4] دریافت
در وے آویخت چوں مگس در قند | داد مہ را بار دها پیوند
چوں بدید آں نظارہ خسروِ عصر | بادلِ خسته باز رفت بقصر
واں پری نیز چوں زد و برست | بسلیمانِ خویشتن پیوست

---

[1] مراغه کردن بمعنی غلطیدن ۱۲ [2] مقدار یک پرتاب تیر ۱۲ [3] گذارا آنرا گویند که ازیں کنارهٔ دریا عبور کرده بر کناره دیگر رسد ۱۲ [4] در خیابان نوشته که قصب بمعنی جامه معرب کسب ست بفتحتین و کاف عربی جامه ست که در هند مشهور ست نوعے از بافتهاے ابریشمی در اینجا از بے قصب مراد عریاں ۱۲

صوفیِ صبح خیز چرخ زد و ر — چوں پدیدار شد چو پارهٔ نور

شه رواں شد که تا شود بقیاس — چار میں سکه را عیارشناس

رفت در برجِ چار میں خورشید — مجلس آرائے گشت چوں جمشید

چوں درآں برج روشنائی یافت — همه سیائے پارسائی یافت

هم نشد خوش که در دلِ نگراں — تازه بودش جراحتِ دگراں

تا زمیں برقرارِ خدمتِ خویش — ایستاده چو بندگاں در پیش

می نمود از طریقِ دلداری — هم حریفی و هم پرستاری

بود در رو تازه چوں گلِ سوری — تا سیه شد جهانِ کافوری

شب چو خورشید شد بگوشه نهاں — ق — وز شغب ماند گوشهائے جهاں

شاه بر نسبتِ دگر شبها — مهرِ حکمت نهاد بر لبها

ساخت خود را چنانچه دانی مست — وز رخِ دوست دیده برهم بست

چوں بدو رغبتے نداشت چناں — طبع را سوے او ندادعناں

تا ز شب رفت نیمه کم و بیش — واں صنم دید خوابِ منعمِ خویش

خاست از خواب و شد بگوشهٔ برج — گشت مستور چوں دُر اندر دُرج

دور کرد آنچه زیب و زر پوشید — جامهائے سپید در پوشید

بتضرع نهاد رو بخدائے — وز پئے طاعت ایستاده بپائے

ك اے گوشهائے جہاں [illegible]

چوں ذلیلاں بعجز مے نالید	دیدہ بر روے خاک مے مالید
شہ کہ بود از کمیں بدنبالش	دید چوں در سلامتی حالش
زاں نعفتہ خدائے خوانیِ او	بیشتر گشت بدگمانیِ او
بر ظن کاں نیایش اندر پوست	از برائے فریب ناکیِ اوست
آزموں کرد گاہ و بیگاہش	خارِ غیرش ندید در راہش
داشت در سینہ نیک خوئیِ او	دم نزد باوے از نکوئیِ او
ز آزمونِ تباں چو دل پرداخت	ہر یکے را چنانکہ بود شناخت
بست دل تا کند بپردۂ خویش	ہر یکے را سزائے کردۂ خویش
گفت با خادمے کہ زود خرام	آور از در بروں سبوئے خام
رفت پنہاں بباغ زود از زود	خام بنہاد پختہ را بربود
چوں بہنگامِ خویش سروِ جواںؒ	برلبِ رود شد چو آبِ رواں
از تہ سروبن سبو برداشت	راست در زیرِ سروِ دیگر داشت
آشنا کرد و راہ پیش گرفت	رہ سوئے آشنائے خویش گرفت
راست کاندر میانِ رود رسید	از دگر عالمش درود[۱۲] رسید
در گداز اوفتاد مرکبِ خام	بو کمیلِ اجل سپرد لجام
در تہِ آب رفت لعبتِ سیم	چوں بدریائے ژرف دُرِّ یتیم

[۱۲] اے اجل پیش آمدہ سلام گفت ۱۲

اخترش طالعِ سیاہی یافت　　ماہِ منزل برجِ ماہی یافت

او شد و کیست کو چناں نشود　　بر فلک نیک و بد رواں نشود

ہر کہ از پردہ رُخ نمود چو برق　　ز آشنائی چنیں سبو شد غرق

شاہ چوں دل زیک صنم پرداخت　　جانِ لعبتانِ دیگر ساخت

آنکہ از برگِ گل رسیدش کوب　　بس بیازرد چوں نبات از چوب

آنچناں زد بتازیانہ تنش　　کہ چو گل پارہ پارہ شد بدنش

ہم بجز بندۂ کہ یارش بود　　ساخت جفتش کہ سازوارش بود

تا در آخور[۱] کہ خوردہ پاک کند　　یادِ آں دو لعبتش ہلاک کند

خورد نش چوں بخانہ جو باشد　　ہر زمانیش مرگِ نو باشد

وانکہ فتیش خراشِ قاقم داشت　　ق　دل بدنبالِ سارباں گم داشت

کوفت از خارپاے تا بسرش　　تا بہر مو شکست نیشترش

نیل کز نوکِ خار بر تن بود　　راست چوں نقش ہائے سوزن بود

پس بخواری ز خود کرانش داد　　ہم در آغوشِ سار بانش داد

تا چو برگیرد اشتراں را پشک[۲]　　یادش آید زبوئے عنبر و مشک

واں صنم کز دلِ بساما نش　　لوثِ شہوت نداشت دامانش

---

[۱] پس در اصطبل خوردہ خراں واسپاں بردید از یادِ آں تنعم شاہانہ ہلاک شود ۱۲

[۲] بمعنی سرگیں کہ بہندی مینگنی گویند ۱۲

برکشیدش باحترامِ تمام | بانوِ بانواں نہادش نام
کرد عہدے کہ تا بود عہدش | ماہِ دیگر نتابد از مہدش
بسکہ آں پاک دامنِ پر نور | داشت جامہ سفید چوں کافور
شہ موافق شد اندراں کارش | گشت کافور گوں شبِ تارش
پس ازاں چوں بلعن نامۂ شاں ق | بود کافور نام جامۂ شاں
جامہ کافور گوں بہ است بساز | کہ نخیر الثیاب یافت طراز[۵۲]
پاک رنگ ست رنگِ کافوری | نامہارا بیاضِ مغفوری
چوں شود موئے آدمی کافور | موئے او را خدائے خواند نور
روزِ روشن کہ سربسر نورست | ہمہ نورش برنگِ کافورست
شہ کز افسانہ ماہِ منظورش | داد کافور چوں سقنقورش[۵۳]
ہمچو کافور ماہِ زہرہ تاب | گشت با او یکے و رفت بخواب
بعد ازاں زندہ بود تا بہرام | ہمبریں گونہ داشت عشرت و کام
ہر شب از گنبدے گذری کرد | عیش در گنبدِ گرمی کرد
چند گہ زیرِ ہفت گنبدِ نور | نشد از عیش ہفت گنبد دور
عاقبت ہفت گنبدِ گردوں | کرد از ہفت گنبدش بیروں

---

۵۱ عجب = ز خیر الثیاب سفید (کافوری) ست ۱۲ — ۵۲ در حدیث آمده است خیر الثیاب ثوب ابیض یعنی بہترین لباس ہا لباس

۵۳ جانوریست از حشرات الارض مثل سوسمار یعنی گوہ نزد اطبا گوشت آں بغایت مقوی باہ است ۱۲

نامِ او چوں ز گور نسبت یافت
ہم گنبد سرائے گور شتافت

داستانِ وفاتِ بہرامِ و آہنگِ او سوی گور و در پئے گور در چاہ فرو رفتن و در بوستانِ بہشت رسیدن

قصہ پردازِ شاہِ گنبد ساز
داد در ہفت گنبد ایں آواز

کہ چو بہرام چندے از دلِ شاد
راند گنبد بگنبد اسپِ مراد

عاقبت گنبدِ سپہر بزور
شد کشانش بسوئے گنبدِ گور

داد گنبد کناں و گور زناں
گور پا را بگورِ دشت عناں

جست چنداں بگور و صحرا راہ
کہ در افگند گورش اندر چاہ

روزی از بس کہ دل بگورش بُد
سوئے پہلوئے گور شورش بود

بامدادان پگاہ گشت سوار
راند بیروں بجست و جوئے شکار

بادپا را بہر طرف در گشت
میدوانید ہمچو باد بدشت

کردی آں سو کہ گرچہ راندی تند
پائے آہو زرہ بریدن کند

تیرِ آہو کشش زدی بصریر
نغمۂ ہندوانِ آہو گیر

زاں سنے تیر میزد از ہر سو
گلۂ گور و جستۂ آہو

اندراں جستہ دگلہ پیوست
اشقرش پائے کوفت دست بست

۱؎ گنبد کردن نوعے از جستِ آ [illegible]

از خدنگِ وے ارچہ در ہر جائے — آہواں می شدند کو تہ پائے[1]
لیک او میل جز بگور نداشت — گور پیشش بہ پویہ زور نداشت
تا دریں جنبش از سرِ زورے — خاست از پیشِ آہویش گورے
طرفہ گورے دو دیدہ چوں پرِ زاغ — راست چوں در سرانِ گور چراغ
سخت پے چوں کمانِ محکم ساز — خانہ کوتاہ و گوشہائے دراز
یال آزادہ از عناں تازی — گردنش فارغ از سناں بازی
پہلوش زیر چرم گلناری — چوں کماں زیر توز[2] بلغاری
از خرامش خراش در سینہ — زدہ باکوہ و دشت سر سینہ
شکم از خطِ سبزہ بردہ برات — از بروں سبزہ در دروں حجِ نبات
خطِ پشتش درست و نسخہ باد — راست با باد باز خواندہ سواد
در کفلگاہ گردِ روشنِ او — گرد گشتہ لطافتِ تنِ او
بستہ از خیزراں و صندل طاق — صندلی راں و خیزرانی ساق
جانِ شیراں بہ پنجہائے دمش — کحلِ گوراں بجھائے سمش
کلکِ پایش چو جامہ چالاک — نصف صفرش رقم تختہ خاک
تیز گامے چو آسمانِ کہن — تیزپائے[3] زبان کردہ سخن

---

[1] جب = آہو — [2] بضم واو مجہول نام پوست درختیست کہ ش پے بر کمان وزیں بکار برند و بلغار بضم اول نام شہریست نزدیک ظلمات آباد کردہ اسکندر ۱۲

[3] ل = بے زبانے

بسکہ ہمچوں خیال بود بچشم — می نمود و نمی نمود بچشم

دیو نقشے کہ دل کند شیدا — گاہ پیدا و گاہ ناپیدا

نہ بُداو جانور ببزہ و برگ — دیو جاں بود بل فرشتۂ مرگ

گور در پیش می شتافت دلیر — شہ بدنبال میدوید چو شیر

زانفرش خوی دراں شتاب چکاں — آتشے میدوید آب چکاں

شہ عناں رابدر رہا کردہ — بادِ را زدو وال پا کردہ

ہر خدنگے کہ سوئے گور کشاد — گور گنبد[۱] زدو خدنگ اُفتاد

تیر کز مو درست جستی صاف — موئے نجستی ازو بگاہِ شگاف

شہ براں گور میزدش بشکوہ — در نمی شد در وچو مو در کوہ

زاں خطا ہا سوارِ قادر دست — جست میزد چو تیر شست بشست

ناگہاں از پیش چاہے آمد تنگ — در فتادن نداشت گور درنگ

توسنِ شاہ نیز در پئے گور — رفت[۲] درچاہِ گور کور اکور

آنکہ وہ میل زاں دو بینش نور — ق — ہنرہ[۳] کردی زمیں تقلب ز دور

از قضا کور شد کہ پیش ندید — چاہ را زیرِ پائے خویش ندید

ہست در چرخ کحلِ اینہمہ کار — بہرِ بینائیِ اولی الابصار

---

[۱] گنبد زد اے جست کرد ۱۲ — [۲] ج = رفت درچاہ وشاہ شد در گور

[۳] اے تحقیق کردی ۱۲

گور پویاں کہ سوئے چاہ آمد — گور[1] بود آں کہ سوئے شاہ آمد

آنکش از چاہِ کور شور افتاد — عاقبت ہم بچاہِ گور افتاد

ارچہ در گور کس بزور نرفت — کیست آں کو بچاہِ گور نرفت

انجمن شد چو گرد رخنہ سیاہ — مہ فرو رفتہ بود در بنِ چاہ

دلوہا بستہ شد بحبلِ امید — برنیامد فرو شدہ خورشید

آفتابے کہ گشت خاک نشیں — آدمی کے برآردش ز زمیں

آنکہ از چہ خیالِ[2] ماہ کشید — ماہِ سیماب را ز چاہ کشید

آں نہ چہ بود بلکہ غارے بود — تا بنِ چاہ میل دارے بود

چوں تنورِ نوا ز سیہ تابی — چوں کہن دوزخے ز بے آبی

در چپ و راست غارہائے کہن — قعر ہر غار ناپدید از بن

اسپ دیدند پر ز کوب و شکن — کوفتہ باد چرخ در ہاون

برگرفتند از زمینش چناں — استخواں آرد بود در انباں

باز جستند سو بسوئے شبے — از سوارش نشاں نداد کسے

از شگافندگاں بگردِ مغاک — کاوکاوے درا و فتاد بخاک

ہر یکے آہنے گرفتہ بدست — جگرِ گِل دروں دروں می خست

---

[1] گور در مصرعہ ثانیہ یعنی قبر ۱۲ [2] دریں شعر اشارہ بسوئے حکمت حکیم مقنع ست کہ ماہے از سیماب ساختہ از چاہ آوردہ بود لیکن بہرام در چاہے کہ افتادہ بود ادپایاں نداشت پس چگونہ برآید ۱۲

پارہ کردند ریگے ز سنگ ‏ رخنہائے فراخ و فرجۂ تنگ

سرِ میتین[1] بقعرِ آب رسید ‏ چشمۂ آرزو نگشت پدید

ز آتشِ سینہا در آں زاری ‏ چشمِ سیماب[2] گشت پنداری

ارچہ سیماب[3] ریخت دیدۂ تر ‏ کیمیا را کسے نداشت خبر

ایں چنیں گنجہا نشست بخاک ‏ کہ تواند کشیدنش ز مغاک

وانکہ ایں اژدہا کشد بدمش ‏ کے تواں برکشیدن از شکمش

آید آں کاندریش ہست براز ‏ رفتنی را کسے نیارد باز

خورد خونہائے خلق خاک بسے ‏ کہ یکے خوں ازو نخواست کسے

ساقی آں مے کہ در زمیں ریخت ‏ چوں کشد چوں بخاک باز آمیخت

گر بغربال کس ببیزد خاک ‏ بر نیابد نشانِ مردمِ پاک

خاکِ بہرام بیختند تمام ‏ بہرہ زاں خاک بود نے بہرام

باز گشتند مرداں زاں غار ‏ دیدہ پُر آب سینہ پُر زغبار

رفت گوہر زِ مشت[4] خاک بمشت ‏ زاں عجب ماند در دہاں انگشت

چند روزے بغم خروشیدند ‏ جامہائے کبود پوشیدند

---

[1] میتین بکسرِ میم و یائے مجہول و کسرِ فوقانی میخ آہنی کہ بداں در سنگ شگاف اندازند ۱۲

[2] اے از کثرت گریہ چشمِ مرداں سیماب گشت اے سفید شد یعنی کور گشت ۱۲

[3] سیماب ریخت اے اشک ریخت و در مصرعہ ثانیہ از کیمیا مراد بہرام ۱۲ ‏ گا ج = ببے ست

[4] مراد از زمین ۱۲

آخر الام دل زگمُ ہوشی — داد شاں داروے فراموشی

نیں دریں چہ کہ بہر ما کنند — زیں فراموش گشتگاں چیند

چرخ گورست نیلگوں سلبی[1] — دانی آخر کہ نیست بے سببی

کس زگیتی کجا خبر یابد — مشتِ قلّاب راکہ دریابد

عمر آب ست شخصِ[2] مردم دام — کش چو دام ست رخنہاے مسام

زو چو رفت آب ہر کجا خواہی — دیر نبود زمردنِ ما[3] ہے

کہنہ گورے ست گوربانان[4] را — گورخاں ست گورخانش[5] را

ایں مقرنس[6] رواقِ بے سروبن — بر سرِ گور گنبد ست کہن

اندریں گنبد آنکہ محرم گشت — غلغلے کرد چند روز و گذشت

آنکہ او خود گلے ست مقدارے — خانۂ سنگیں چرا کند بارے

زندگاں را بود در و دیوار — مردنی را چہ کار با ایں کار

قلعۂ طینت ار چہ چست افتاد — زود ویراں شود چو سست افتاد

چوں رسد سیلش از محیطِ کبود — مرد بالاش زیرِ خاک چہ سود

---

[1] پوست و لباس ۱۲ [2] اے ذات و وجود انساں ۱۲ [3] دریں جا مراد از ماہے روح انسان ست ۱۲

[4] گور دوم بواو مجہول بمعنی عیش و عشرت و شراب و بان بمعنی نگاہ دارندہ الف و نون جمع پس معنی گوربانان ارباب عشرت و شاہان جلیل القدر ۱۲

[5] گورخاں لقب بادشاہ خطا و ختن و خان اوّل بمعنی خانہ ۱۲

[6] مقرنس بضم میم و فتح قاف و فتح نون عمارتیکہ آنرا بصورت قرناس ساختہ باشند و قرناس بالضم بمعنی کوہ و مراد از مقرنس عمارت بلند و بناے عالی و رواق بمعنی سقف ۱۲

روزگار اندرونِ این چه پست ‌ ‌ ‌ جان طلب میکند چراغ بدست
چه برد دزد تا که شمع نمرد ‌ ‌ ‌ طرفه دزدی که شمعِ روشن برد
گرچه مرگ از جفا ستیزه گرست ‌ ‌ ‌ بیوفائی عمر ازان بترست
گل مبین خشک بر سراچهٔ گور ‌ ‌ ‌ آن گلِ خشک را نگر تهٔ گور
ورقِ گل بگورِ جاناں را ‌ ‌ ‌ پندنامه است کاردانان را
لاله ترکه رنگِ خون دارد ‌ ‌ ‌ خون زروهاے لاله گون دارد
یا رخ از خونِ آدمی شستست ‌ ‌ ‌ یا خود از خونِ آدمی رستست
ترکه خواهد گذاشت هرچه که داشت ‌ ‌ ‌ نیکبخت آنکه نامِ نیک گذاشت
آن بناکن درین کهن بنیاد ‌ ‌ ‌ کز تو خلقے کنند به نیکی یاد
از پسِ مرگ یادِ نیک برند ‌ ‌ ‌ وز پئے مرگِ مرد غم بخورند
آنکه نامِ مرد هست و بے تمیز ‌ ‌ ‌ مرده باشد بزندگانی نیز
بانگ و شورے که میزنند برو ‌ ‌ ‌ لعنت ست آنکه می کنند برو
پس چنان باش کز تنِ پاکت ‌ ‌ ‌ آفرینها کنند بر خاکت
دوستان کز پئے تو در شورند ‌ ‌ ‌ با تو همراه تا لبِ گورند
هست تا خاک همرهِ تو بسے ‌ ‌ ‌ نیست در خاک همرهِ تو کسے
پس ورا یاد کن که جان بخشد ‌ ‌ ‌ مردِ حق عمرِ جاودان بخشد

له حجب = همدست

وانکه زینگونه شد مسیح نفس | در صفِ اہلِ دردیابی و بس
خسروا پای نیک مرداں گیر | با مسیحا نفس ز پیش بمیر
بایدت خانۂ حیات درست | از خضر بایدآب حیواں جُست
خواہی از خاک بر سپہر خرام | خاک شو زیر پائے شیخ نظام

در تمام شدنِ عمارتِ ہشت بہشت و سیراب گشتنِ مناہلِ لطائف و برآمدنِ نہالہای نامی و در رسیدنِ میوہای جانی و مُرغانِ بی نوا را آواز دادن و بیارِ عام صلا گفتن و از شاخ امرودِ خام برشکستن و دوستانِ جانی را بفاکہۂ کثیرۂ لامقطوعہ ولاممنوعہ سراپا برخورداریِ کام ارزانی داشتن و صادر و وارد را بدیں خلدِ نعیم دعوت کردن

چوں شد آراستہ بنقش و نگار | روے ایں کارگاہ جادوکار
کرد ور دیدہ مشتری جایم | وآسماں بوسہ داد برپایم
دید رضواں زہشت خلد بریں | ہشت خلد بریں بروئے زمیں

از نسیمش کہ عنبر پرور گشت — مغزِ روحانیان معطر گشت
شربتش ذوقِ سلسبیلی داد — خامہ را پرِ جبرئیلی داد
زیں مروّق[4] رحیقِ نوشش گوار — عقل ہم مست گشت وہم ہشیار
ایں مصفّا زجا جۂ مے ناب — کہ رود جاں ز بوے اُو در خواب
از ارم ساغرے ست پُر زنسیم — بل ارم خانہ ایست پُر ز نعیم
از مے نو بہ نزہت در و نق — مثلها فی البلاد لم یخلق
خانۂ خاکِ او عبیر سرشت — خانہاے دگر درو چو بہشت
ہمہ بیتش بگاہِ عرض شمار — سہ صد و پنجہ دو دو سہ ہزار ۳۳۵۲
سال ہجرش یکے و ہفصد بُود — کیں بنا بر دسر بچرخِ کبود
گر بقا را بناے محکم نیست — چوں من ایں خانہ ساختم غم نیست
زیں ہنر نامۂ ہمایوں ساز — ہر خطے زندگانی ست دراز
ایں نمونہ کہ نقشِ پرکاریست — از طرازِ کہن[1] نمودارے ست
ہر چہ در گنج پیش پنہاں ست — ہم عیارش درونِ ایں کان ست
آں زرار چہ سرہ[2] است عیارش — نیست جز دہیِ[3] من یارش
پوست گرچہ چو مغزِ شیریں نیست — بہتر آں مغز پوست بہ زیں نیست

---

[1] مراد از مثنوی ہفت پیکر مولنا نظامی ۱۲ [2] سَرَہ بفتحتین بتخفیف در فارسی بمعنی خالص و پاکیزہ و بے عیب ۱۲ [3] بفتح ہر دو دال و یاے معروف بمعنی خالص و کامل عیار و زریکہ در آتش نہند مطلقا ازاں سوختہ نشود و کم نگردد ۱۲ [4] مروق صاف کردہ شدہ کہ اصلا غش درو نبود و رحیق شراب خالص ۱۲

گرچه ایں دار دانگیں کارے — سر که راهم بود خریدارے

گرچه گوهر بقیمت ست عزیز — قیمتی هست کهربا را نیز

دُرّ بتاجِ ملک بود شایاں — گوشِ ماهی بزعفراں سایاں

ایں رقم کاندرو صفائی هست — گرچه زر نیست زرنمائی هست

نکند گر نشاطِ زیرک تیز — ابلهاں را بود فریب انگیز

گر همه کس گزیده باشد و اهل — کس چو من نیز باشد آخر سهل

آنکه باشد چو من تهی مایه — بو که ریزد بدیں رقم سایه

خوش بود گل فروش زابستاں — خارکش را هوائے خارستاں

مرغِ صحرا که سنگ خور باشد — سنگش از دُرّ عزیزتر باشد

نوبتی کز دل نیاید تنگ — دردِ سر خیزدش ز نغمهٔ چنگ

چوں شتابنده راگه و بیگاه — رفتنی شد ازیں تماشاگاه

هست ده زیرِ کاخِ فیروزه — آدمی میهمانِ ده روزه

نیکبخت آں کسے که در انجام — زندهٔ جاودانه گشت بنام

آنچه مقصودِ آدمی زادست — نامِ نیک ست و آں دگر بادست

وانچه زاں نامِ مرد ماند دیر — سخن ست و نه خامه نے شمشیر

گر کسے را بود جواهر و گنج — ق بیش زاندیشهٔ جواهر سنج

یا زند بر بساطِ سلطانی — ملک را بسکهٔ سلیمانی

یا برآرد بگاہِ سر فگنی — سر بروئیں تنی د تهمتنی

چوں فرو رفت قالبش در خاک — نام او گردد از وز رقها پاک

چند گاہے چو درمیاں افتاد — ہیچکس را از و نیاید یاد

مگر از نامۂ سخن سازے — کہ بماند بعالم آوازے

ایں ورق کز نشاط دارد دہر — یادگارے ست از من اندر دہر

چند بایست سینہ سوزی کرد — کہ شد ایں در بآبِ حیواں خورد

پختگاں را اگر نماید خام — ہست پختہ بکام من ناکام

ہر کسے را بکارِ خویش ہش ست — کس نگوید کہ نارِ[۱۲] من ترش ست

زنگی ار چہ سیاہ فام بود — نزدِ ما در مہ تمام بود

گر قبولی زغیب یارش گشت — سکۂ تا محشر استوارش گشت

چوں شد ایں نامہ در زمانہ عزیز — نام من زو عزیز گردد نیز

ور گرا فتد زمیلِ دلہا دور — خود بماند ز چشمہا مستور

ہیچ بدگوے کو بچشم[۱۳] باشد — عیب[۱۴] پوشی ہماں بسم باشد

زیورے را کہ گم شد اندر خاک — کس چہ داند زر ست یا خاشاک.

گوہرے کاں بدرج ردے نہفت — جوہری قیمتش چہ داند گفت

کاش کیں بکر روے پوشیدہ — ماند از چار سوئے پوشیدہ

---

۱۱ حبب = دوغ ۱۲ انار ۱۳ [illegible] ۱۴ عیب = پردہ پوشی

تا بماند بر وزگارِ ور راز — ناقصاں را خندہ دنداں باز

شورِ ایشاں زمن رباید خواب — شاں بغیبت گری ومن بعذاب

گفتہ اند آنچنانکہ باید گفت — کز پسِ مردہ بد نشاید گفت

آنکہ در ما کند بد سگے — آخر او نیز مردہ خواست گے

ہر کہ گفت از جفا چو بے ہنراں — بشنود بعدِ مردن از دگراں

گنبدِ پر صداست خالی ساز — ہر چہ گوئی ہمانت گوید باز

چوں بد و نیک را جزائے ہست — گفتہ ناگفتہ را سزائے ہست

گرچہ ایں گلشنِ مدّور کار — ہست در بوستانِ عقبیٰ جنا[1]

لیک گر عفوِ کردگار بود — خارِ من جملہ لالہ زار بود

دارم امیدِ رحمتِ جاوید — چوں تواں گشتن از درش نومید

چوں کند رحمتش مدارائے — چیست حرفِ سیہ بدریائے[2]

مایہ گر عودی ست وگر بیدی — کفر باشد رضا بنومیدی

چوں امیدم بکف سپردہ عناں — رستم از حربۂ دَرَک[3] فگناں

ہر چہ کردارِ من ز پیش و پس ست — عذر خواہم ہماں امید بس ست

یا ربّ ایں نو عروسِ زیبا را — ق — کہ برد آب نقشِ دیبا را

---

[1] جب = عون — [2] یا تے عظمت است مقابل دریائے عظیم ۱۲

[3] دَرَک بفتحتین طبقہ دوزخ ۱۲

جلوہ دہ بچشمِ دانایاں — کہ دل و دیدہ را بود شایاں
خاص گردانش در دلِ ہمہ کس — ہم بریں نکتہ ختم کردم و بس

در شکر گزاری حق تعالیٰ

شکر حق راکہ از خزانۂ غیب — ریخت چنداں جواہرم در جیب
کہ ازاں نقدِ قیمتی بسہ سال — کردم ایں پنج گنج مالامال
در ہر گنج کش فرو بستم — کیمیاے دگر درو بستم
داند آنکس کہ سنجد ایں گفتار — کیمیاے مرا بوزن و عیار
نیست اندیشہ گر بد اندیشے — رگ بے رنج را زند نیشے
کز علل ہر چہ دیدم از تفسیر — چیدہ ام معنوی و لفظی نیز
راست کردم ہر آنچہ زو شن گشت — راست و روشن[1] دل از خطا نگذشت
واں خطا کاندرو گماں نرسد — دل ز پوشیدگی بداں نرسد
یک یک ایں پنج نامہ تا پایاں — عرض کردم بچشمِ دانایاں
ہر کسے را چنانکہ روے نمود — در بد و نیک گفتگوے نمود
ہر چہ بینندہ راست راخم دید — بجواب سخن فرا ہم دید
وآنکہ در گفتن از قلم کژ خاست — راست گو چوں نمود کردم راست

---

[1] دل موصوف و راست و روشن صفت ۱۲

زیں ہمہ ناقدانِ نکتہ شناس | ہر کسے زد دمے بوہم و قیاس
لیکن آں کاندریں خزائنِ پُر | مہرۂ قلب دور کرد ز دُر
نیست اِلّا کہ آں جہانِ علوم | کہ شدش ہرچہ در جہاں معلوم
آسماں عالمِ نہ مانش خواند | دہر علامۂ جہانش خواند
چوں فرو شد درو کمال اندیش | از کمالش فرد شد اندر خویش
بوحنیفہ سراجِ امّت بود | نور افزائے دین و ملّت بود
مجتہد در خلافِ نکتہ کشی | مالکِ فقہِ کوفی و شافعی[1]
بس کہ در علم راست تدبیرست | راستی ہم شہاب و ہم تیرست
راستی ساکن اندرو بصواب | رست ہمچوں الف میانِ شہاب
چوں ازو موج زد کلامِ احد | نَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ[2]
روشن اندر دلِ چو مصباحش | کشفِ کشّاف و فتحِ مفتاحش
رقمِ عنبرینش بر کافور | از بروں سو دخاں[3] دروں سو نور
او شہاب و دل و تنش زاخبار | نیّرینِ مشارق الانوار
از تمامِ فنون و فضلِ تمام | غیرتِ[4] بحتری و بوتمام
گاہِ تحریر گر بہ بیتِ عتیق | ق | یافت اشعار تا زیانِ تعلیق

---

[1] مراد از امام ابوحنیفہ و امام شافعی رحمہا ۱۲ [2] تمام خرج شود دریا قبل ازاں کہ کلام احد تمام شود ۱۲
[3] دخان و نور نام سورہاے قرآن نیز ہست از کافور مراد صفحات کتاب کہ سفید اند و از رقم عنبریں مراد سواد تحریر ۱۲
[4] غیرت بحتری و ابو تمام ہر دو شاعر اند ۱۲

شعر او را کہ مطلعِ نور ست جائے تعلیق بیت معمور ست

موجِ بحر ست در عطا رقمش تیر چرخ ست بخطا[۱] قلمش

در تشابہ یقینِ او اعلیٰ ست در تناسخ درست بو اعلیٰ ست

چرخ چوں راست کرد دستارش بست عزّ الٰہی بہ ستارش

گر کند سوئے آں عمامہ نظر مشتری را فتد عمامہ ز سر

حکمتش داد از بس افزونی ملکِ بقراطی و فلاطونی

در الٰہی فنش نہ در حدِ کس حدِ او ہم الٰہ داند و بس

در طبیعی شناختہ بتمام رازِ مولود و عنصر و اجرام

در ریاضی بیک صریرِ قلم باز کردست گوشِ جذرِ اصم

عقلیش از قیاسِ عقل بروں نقلیش از مقامِ نقل فزوں

دُرِ مبسوط[۲] در سبکے سفتش صد اشارات[۳] در ہر انگشتش

ہر چہ در دہر نقشِ دانائی ست دلِ او را براں توانائی ست

او چو ابرِ کرم بفرقِ جہاں زیر کاں چوں صدف گشادہ دہاں

نورِ دل چوں بعالم افگندہ سایہ بر کارِ من ہم افگندہ

من بدو عرض کردہ نامۂ خویش - او باصلاح راندہ خامۂ خویش

---

۱ عجب = بے خطا ۲ مبسوط نام کتاب فقہ نیز ۱۲ ۳ نام کتاب شیخ بو علی سینا کہ در فن حکمت ست ۱۲

دیدہ ہر نکتہ را رستم برستم | ریخ برخود نہاد و منت ہا ہسم
نظرِ تیز کرد موئے شگاف | نے بعمیا نظارۂ بگزاف
گرچہ چوں دوستاں پسندیدہ | لیکن از چشمِ دشمناں دیدہ
دیدۂ خصم عیب کوش بود | دیدۂ دوست عیب پوش بود
دید چوں دشمناں دریں دفتر | تا ہمہ عیب آمدش منظر
چوں ہمہ عیب دید دشمن دار | شست چوں دوستانِ آئینہ دار
کلکِ او تیرِ راست را بگماشت | کہ دریں روضہ آہوئے نگذاشت
چوں شد آہو ہمہ نشانۂ تیر | چہ غم ست از سگانِ آہو گیر
زیں دقایق کہ شد ز مغزش لوپت | مو بمو شعر بیز کردۂ اوست
شمعِ من یافتہ ضیا از وے | مسِ من گشتہ کیمیا از وے
ہر چہ او گفت من نہادم گوش | بر کشیدم مگس ز شربتِ نوش
وآنچہ بنمود من نجستم پے | عیبِ آں بر من ست نے بر وے
گر بماندہ ز وشنہ اش جائے | بے خسے نیست ہیچ دریائے
جز ہنر بیں از و نیاساید | عیب جو را ز عیب کم ناید
صد ہزار آفریں بر آں دلِ پاک | کہ بروں بُرد زیں چمن خاشاک
آنچہ او دید تا نہایت دید | خس و خارے ز گلشنے برچید

لہ جب ے بے

آنچہ ماند از نظر بہ پردہ نہاں — ہم نہاں داردش خدائے جہاں
یارب او چوں ز پیچ نامۂ من ق — بردہ بیروں خطاتے خامۂ من
نامۂ او کہ حرزِ جانش باد — در قیامت خطِ امانش باد

بالخیر تمت

ذکر کمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

از بقیۃ السلف حجۃ الخلف شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی

و بیان جمال او جان ایمان است و روح مومن در مجلسے نیاساید کہ خالی از ذکر محبوب خدا باشد ، مدارج النبوۃ

در شمائل نبوی کتابیست مستند کہ بزبان عجمی مثلش ندیدہ شد

مدارج النبوۃ

طباعت	قلم	کاغذ	جلد
عکسی	جلی	اعلیٰ	خوشنما

نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی کچا رشید روڈ بلال گنج لاہور